MAHS303CCT

تاریخ دکن

(بارہویں تا سترہویں صدی)

History of Deccan

(12th – 17th Centuries)

ایم۔اے۔تاریخ

(تیسرا سمسٹر)

نظامت فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد-32، تلنگانہ-بھارت

© Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad

Course: History of Deccan (12th –17th Centuries)

ISBN: 978-81-975411-6-2
First Edition: June 2024

Publisher	:	Registrar, Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad
Publication	:	2024
Copies	:	500
Price	:	368/- (The price of the book is included in the admission fee of distance mode students)
Copy Editing	:	*Vidya Vachaspati* Shaik Mahaboob Basha, Programme Coordinator–History, DDE, MANUU, Hyderabad Dr. Syed Meer Abul Hussain, Asst. Professor of History (C), DDE, MANUU, Hyderabad Mr. Mohd Aasim, Asst. Professor of History (C), DDE, MANUU, Hyderabad
Cover Designing	:	Dr. Mohd Akmal Khan, Asst. Professor of Urdu (C), DDE, MANUU, Hyderabad
Printer	:	Print Time & Business Enterprises, Hyderabad

Medieval Deccan and Far South

for

M.A. 3rd Semester

On behalf of the Registrar, Published by:

Directorate of Distance Education

Maulana Azad National Urdu University

Gachibowli, Hyderabad – 500 032 (TS), Bharat

Director: dir.dde@manuu.edu.in *Publication:* ddepublication@manuu.edu.in

Phone number: 040-23008314 Website: manuu.edu.in

© All rights reserved. No part of this publication may be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronically or mechanically, including photocopying, recording or any information storage or retrieval system, without prior permission in writing from the publisher (registrar@manuu.edu.in).

مدیر اعلیٰ

(Chief Editor)

Prof. S.M. Azizuddin Husain
Former Head
Department of History & Culture
Jamia Millia Islamia, New Delhi

پروفیسر سید محمد عزیزالدین حسین
سابق صدر شعبہ تاریخ و ثقافت
جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

مدیر

(Editor)

Vidya Vachaspati
Shaik Mahaboob Basha
Programme Coordinator – History
Directorate of Distance Education
MANUU, Hyderabad

ودیا واچسپتی شیخ محبوب باشا
پروگرام کوآرڈی نیٹر، تاریخ
نظامت فاصلاتی تعلیم
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

مدیر زبان

(Language Editor)

Prof. Naseemuddin Farees
Professor of Urdu
Directorate of Distance Education
Maulana Azad National Urdu University
Hyderabad

پروفیسر نسیم الدین فریس
پروفیسر، اردو
نظامت فاصلاتی تعلیم
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

مجلس ادارت

(Editorial Board)

Prof. Mushtaq Ahmad Kaw
Former Head, Department of History
Maulana Azad National Urdu University
Hyderabad

پروفیسر مشتاق احمد کاؤ
سابقہ صدر شعبہ تاریخ
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

Prof. Perwez Nazir
Centre for Advanced Studies
Department of History Aligarh Muslim University,
Aligarh

پروفیسر پرویز نظیر
سینٹر فار ایڈوانسڈ اسٹڈیز
شعبہ تاریخ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

Prof. Alauddin Khan
Head, Department of History
Shibli National College, Azamgarh

پروفیسر علاؤالدین خان
صدر، شعبہ تاریخ
شبلی نیشنل کالج، اعظم گڑھ

Prof. Danish Moin
Department of History
Maulana Azad National Urdu University
Hyderabad

پروفیسر دانش معین
شعبہ تاریخ
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

Dr. Mohammad Tazeem
Retired Lecturer (S) in History
Jamia Sr. Sec. School
Jamia Millia Islamia
New Delhi

ڈاکٹر محمد تعظیم
ریٹائرڈ لیکچرر، تاریخ
جامعہ سینئر سیکنڈری اسکول
جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

Dr. Syed Meer Abul Hussain
Assistant Professor of History (C) /
Guest Faculty
DDE, MANUU, Hyderabad

ڈاکٹر سید میر ابوالحسین
اسسٹنٹ پروفیسر تاریخ (کانٹریکچول)/ گیسٹ فیکلٹی
نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

Mohd Aasim
Assistant Professor of History (C) /
Guest Faculty
DDE, MANUU, Hyderabad

محمد عاصم
اسسٹنٹ پروفیسر، تاریخ (کانٹریکچول)/ گیسٹ فیکلٹی
نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

Dr. Khursheed Ahmad Bhatt
Assistant Professor of History (C) /
Guest Faculty
Lucknow Campus, MANUU, Lucknow

ڈاکٹر خورشید احمد بٹ
اسسٹنٹ پروفیسر تاریخ (کانٹریکچول)/ گیسٹ فیکلٹی،
لکھنؤ کیمپس، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، لکھنؤ

کورس کوآرڈی نیٹر

ودیا واچسپتی شیخ محبوب باشا
اسسٹنٹ پروفیسر (تاریخ)، نظامت فاصلاتی تعلیم
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

مصنفین	اکائی نمبر
• ڈاکٹر اے۔ سبھاش	اکائی 1،2
• ڈاکٹر سیف اللہ سیفی	اکائی 3،4،5،6،7،8
• ڈاکٹر محمد تعظیم	اکائی 9،10،11،12
• ڈاکٹر فردوس حمید پرے	اکائی 13،15
• ڈاکٹر سید میر ابوالحسین	اکائی 14
• پروفیسر سلمیٰ احمد فاروقی	اکائی 16

مترجمین	اکائی نمبر
• ڈاکٹر تابش امین پرے	اکائی 1،2
• ڈاکٹر خورشید احمد بٹ	اکائی 16

پروف ریڈرس

اول	:	محمد عاصم
دوم	:	سید میر ابوالحسین
فائنل	:	شیخ محبوب باشا

فہرست

پیغام	وائس چانسلر	8
پیغام	ڈائرکٹر	9
کورس کا تعارف	کورس کوآرڈی نیٹر	10
بلاک I	**سیاسی طریق عمل اور سیاسی ساخت**	
اکائی 1	کاکتیہ خاندان کی وراثت	13
اکائی 2	انتظامی آلات اور ریاست کی نوعیت: تسلسل اور تبدیلی	33
بلاک II	**وجے نگر سلطنت**	
اکائی 3	قیام اور توسیع	49
اکائی 4	سماج اور معیشت بشمول تجارت	65
اکائی 5	انتظامی ساخت	82
اکائی 6	ریاست کی نوعیت	98
اکائی 7	فن اور فن تعمیر	106
اکائی 8	وجے نگر سلطنت کا زوال	120
بلاک III	**بہمنی سلطنت: سیاسی-انتظامی ساخت**	
اکائی 9	قیام اور توسیع	131
اکائی 10	انتظامی ساخت	143
اکائی 11	ریاست، سماج اور ثقافت	153

اکائی 12 بہمنی سلطنت کا زوال 166

بلاک IV دکن اور جنوب بعید میں علاقائی تشکیل

اکائی 13 پانچ دکنی سلطنتوں کا استحکام، سماج، سیاست اور معیشت 177

اکائی 14 آصف جاہیوں کا عروج 194

اکائی 15 جنوب بعید میں ریاستوں کا آغاز 214

اکائی 16 دکنی ثقافت کا ارتقا 229

نمونہ امتحانی پرچہ 244

پیغام

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی 1998 میں وطنِ عزیز کی پارلیمنٹ کے ایکٹ کے تحت قائم کی گئی۔ اس کے چار نکاتی مینڈیٹس یہ ہیں۔ (1) اردو زبان کی ترویج و ترقی (2) اردو میڈیم میں پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کی فراہمی (3) روایتی اور فاصلاتی تدریس سے تعلیم کی فراہمی اور (4) تعلیم نسواں پر خصوصی توجہ۔ یہ وہ بنیادی نکات ہیں جو اِس مرکزی یونیورسٹی کو دیگر مرکزی جامعات سے منفرد اور ممتاز بناتے ہیں۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری اور علاقائی زبانوں میں تعلیم کی فراہمی پر کافی زور دیا گیا ہے۔

اُردو کے ذریعے علوم کو فروغ دینے کا واحد مقصد و منشا اُردو داں طبقے تک عصری علوم کو پہنچانا ہے۔ ایک طویل عرصے سے اُردو کا دامن علمی مواد سے لگ بھگ خالی رہا ہے۔ کسی بھی کتب خانے یا کتب فروش کی الماریوں کا سرسری جائزہ اس بات کی تصدیق کر دیتا ہے کہ اُردو زبان سمٹ کر چند ''ادبی'' اصناف تک محدود رہ گئی ہے۔ یہی کیفیت اکثر رسائل و اخبارات میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ اُردو قاری اور اُردو سماج دورِ حاضر کے اہم ترین علمی موضوعات سے نابلد ہیں۔ چاہے یہ خود ان کی صحت و بقا سے متعلق ہوں یا معاشی اور تجارتی نظام سے، یا مشینی آلات ہوں یا ان کے گرد و پیش ماحول کے مسائل ہوں، عوامی سطح پر اِن شعبہ جات سے متعلق اردو میں مواد کی عدم دستیابی نے عصری علوم کے تئیں ایک عدم دلچسپی کی فضا پیدا کر دی ہے۔ یہی وہ چیلنجز ہیں جن سے اُردو یونیورسٹی کو نبرد آزما ہونا ہے۔ نصابی مواد کی صورت حال بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ اِسکولی سطح پر اُردو کتب کی عدم دستیابی کے چرچے ہر تعلیمی سال کے شروع میں زیر بحث آتے ہیں۔ چوں کہ اُردو یونیورسٹی کا ذریعہ تعلیم اُردو ہے اور اس میں عصری علوم کے تقریباً سبھی اہم شعبہ جات کے کورسز موجود ہیں لہٰذا اِن تمام علوم کے لیے نصابی کتابوں کی تیاری اِس یونیورسٹی کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

مجھے اِس بات کی بے حد خوشی ہے کہ یونیورسٹی کے ذمہ داران بشمول اساتذہ کرام کی انتھک محنت اور ماہرین علم کے بھرپور تعاون کی بنا پر کتب کی اشاعت کا سلسلہ بڑے پیمانے پر شروع ہو چکا ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب کہ ہماری یونیورسٹی اپنی تاسیس کی 25 ویں سالگرہ منا رہی ہے، مجھے اس بات کا انکشاف کرتے ہوئے بہت خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ یونیورسٹی کا نظامتِ فاصلاتی تعلیم از سرِ نو اپنی کارکردگی کے نئے سنگِ میل کی طرف رواں دواں ہے اور نظامتِ فاصلاتی تعلیم کی جانب سے کتابوں کی اشاعت اور ترویج میں بھی تیزی پیدا ہوئی ہے۔ نیز ملک کے کونے کونے میں موجود تشنگانِ علم فاصلاتی تعلیم کے مختلف پروگراموں سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ گرچہ گزشتہ برسوں کے دوران کووڈ کی تباہ کن صورتِ حال کے باعث انتظامی امور اور ترسیل و ابلاغ کے مراحل بھی کافی دشوار کن رہے تاہم یونیورسٹی نے اپنی حتی المقدور کوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے نظامتِ فاصلاتی تعلیم کے پروگراموں کو کامیابی کے ساتھ روبہ عمل کیا ہے۔ میں یونیورسٹی سے وابستہ تمام طلبا کو یونیورسٹی سے جڑنے کے لیے صمیم قلب کے ساتھ مبارک باد پیش کرتے ہوئے اس یقین کا اظہار کرتا ہوں کہ ان کی علمی تشنگی کو پورا کرنے کے لیے مولانا آزاد اردو یونیورسٹی کا تعلیمی مشن ہر لمحہ ان کے لیے راستے ہموار کرے گا۔

پروفیسر سید عین الحسن

وائس چانسلر

پیغام

موجودہ دور میں فاصلاتی طریقۂ تعلیم کو پوری دنیا میں ایک انتہائی کار گر اور مفید طریقۂ تعلیم کی حیثیت سے تسلیم کیا جاچکا ہے اور اس طریقۂ تعلیم سے بڑی تعداد میں لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی نے بھی اپنے قیام کے ابتدائی دنوں ہی سے اردو آبادی کی تعلیمی ضروریات کے پیش نظر فاصلاتی طرز تعلیم کو متعارف کرایا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا آغاز 1998 میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم سے ہوا اور 2004 میں باقاعدہ روایتی طرز تعلیم (Regular Courses) کا آغاز ہوا اور بعد ازاں متعدد روایتی تدریس کے شعبہ جات قائم کیے گئے۔

ملک میں تعلیمی نظام کو بہتر انداز سے جاری رکھنے میں یو جی سی کا مرکزی کردار رہا ہے۔ فاصلاتی تعلیم (ODL) کے تحت جاری مختلف پروگرام UGC-DEB سے منظور شدہ ہیں۔ UGC-DEB اس بات پر زور دیتا رہا ہے کہ فاصلاتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات کو روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات سے کما حقہ ہم آہنگ کر کے فاصلاتی تعلیم کے طلبا کے معیار کو بلند کیا جائے۔ چوں کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی فاصلاتی اور روایتی طرزِ تعلیم کی جامعہ (Dual Mode University) ہے، لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لیے یو جی سی۔ ڈی ای بی کے رہنمایانہ اصولوں کے مطابق Credit Based Credit System (CBCS) نظام متعارف کرایا گیا اور خود اکتسابی مواد (Self Learning Material) از سرِ نو، جس میں یو جی اور پی جی طلبا کے لیے چھ بلاک چوبیس اکائیوں اور چار بلاک سولہ اکائیوں پر مشتمل نئے طرز کی ساخت پر تیار کیا گیا ہے۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلوما اور سرٹیفکیٹ کورسز پر مشتمل جملہ سترہ (17) کورسز چلا رہا ہے۔ ساتھ ہی تکنیکی ہنر پر مبنی کورسز بھی شروع کیے جا رہے ہیں۔ متعلمین کی سہولت کے لیے ملک کے مختلف حصوں میں 9 علاقائی مراکز بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر اور 6 ذیلی علاقائی مراکز حیدر آباد، لکھنؤ، جموں، نوح، وارانسی اور امراوتی کا ایک بہت بڑا نیٹ ورک موجود ہے۔ اس کے علاوہ وجے واڑہ میں ایک ایکسٹنشن سنٹر بھی قائم کیا گیا ہے۔ ان مراکز کے تحت سرِ دست 160 سے زیادہ متعلم امدادی مراکز (Learner Support Centres) نیز 20 پروگرام سنٹرس (Programme Centres) کام کر رہے ہیں، جو طلبا کو تعلیمی اور انتظامی مدد فراہم کرتے ہیں۔ نظامت فاصلاتی تعلیم اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا بھرپور استعمال کرتا ہے، نیز اپنے تمام پروگراموں میں داخلے صرف آن لائن طریقے ہی سے دے رہا ہے۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم کی ویب سائٹ پر متعلمین کو خود اکتسابی مواد کی سافٹ کاپیاں بھی فراہم کی جا رہی ہیں، نیز آڈیو۔ ویڈیو ریکارڈنگ کا لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ متعلمین کے درمیان رابطے کے لیے ای میل اور وہاٹس ایپ گروپ کی سہولت فراہم کی گئی ہے، جس کے ذریعے متعلمین کو پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس کے رجسٹریشن، مفوضات، کونسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔ پچھلے دو سال سے ریگولر کاؤنسلنگ کے علاوہ ایڈیشنل رمیڈیل آن لائن کاؤنسلنگ مہیا کی جا رہی ہے تاکہ طلبا کے تعلیمی معیار کو بلند کیا جا سکے۔

امید ہے کہ ملک کی تعلیمی اور معاشی حیثیت سے پچھڑی اردو آبادی کو عصری تعلیم کے مرکزی دھارے سے جوڑنے میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم کا بھی نمایاں رول ہوگا۔ آنے والے دنوں میں تعلیمی ضروریات کے پیش نظر نئی تعلیمی پالیسی (NEP-2020) کے تحت مختلف کورسز میں تبدیلیاں کی جائیں گی اور امید ہے کہ یہ فاصلاتی نظام کو زیادہ مؤثر و کار گر بنانے میں مددگار ثابت ہوگی۔

پروفیسر محمد رضا اللہ خان
ڈائرکٹر، نظامت فاصلاتی تعلیم

کورس کا تعارف

عزیز طلباء! آداب 'تاریخ دکن: بارہویں تا سترہویں صدی' کورس میں خوش آمدید۔ یہ آپ کے علم میں ہو گا کہ ہندوستان کی تاریخ میں علاقہ دکن ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ اس نے ہمیشہ شمال اور جنوب کے درمیان ایک رابطے کے طور پر کام کیا ہے اور اپنے خاص جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے منفرد ثقافتی طرزوں کو ابھرتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ تاہم یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ دانشوروں اور تاریخ کے طالب علموں کی طرف سے اس پر واجب توجہ نہیں دی جارہی ہے۔ اس تناظر میں، یہ کورس خاص اہمیت حاصل کرلیتا ہے کیونکہ یہ دکن کے علاقے کو حاشیے سے نکال کر تاریخی دانشوری کے مرکزی میدان کی طرف لے جاتا ہے۔ اس کورس میں، آپ وارنگل کے کاکتیہ حکمرانوں کی اعلیٰ ترین وراثت، وجے نگر اور بہمنی سلطنتوں کے قیام اور استحکام اور ان کے ادوار میں رونما ہونے والی مختلف سیاسی، معاشی اور ثقافتی تبدیلیوں وغیرہ کو سمجھیں گے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ کورس آپ کو دکن میں شاندار اور منفرد مشترکہ ثقافت کے ارتقا کو سمجھنے اور اس کو سراہنے کے لائق بنائے گا۔

حالیہ دور تک، تاریخ کو بادشاہوں اور شہنشاہوں کے عظیم کارناموں/بداعمالیوں کے طور پر سمجھا جاتا تھا۔ ملکائیں بھی زیادہ تر اپنے عظیم مردوں کے تعلق کی وجہ سے ظاہر ہوئیں۔ دوسرے لفظوں میں، تاریخ کو بادشاہوں اور ریاستوں، شہنشاہوں اور سلطنتوں، کے ناموں کی ایک لمبی فہرست سمجھا جاتا تھا۔ اس میں ان کے ذریعے لڑی جانے والی جنگوں اور ان کی محبوباؤں وغیرہ کا تذکرہ بھی شامل تھا۔ مختصراً، تاریخ کا مطلب سیاسی تاریخ تھا اور بدقسمتی سے یہ سوچ عام لوگوں کے ذہنوں پر ابھی بھی حاوی ہے۔ عام لوگ، محنت کش عوام، جو اصل تاریخ ساز تھے، شاید ہی کبھی تاریخ کے ڈرامے میں نظر آئے۔ لیکن، اب تاریخ کے بارے میں نقطہ نظر بڑی حد تک تبدیل ہو چکا ہے اور اسی لیے تاریخ لکھنے کا طریقہ بھی بدل گیا ہے۔ عام لوگ بشمول مرد و خواتین، نے تاریخ میں اپنے حصے کا دعویٰ کرنا شروع کر دیا ہے۔ اب تاریخ کی توجہ حکمرانوں سے رعایا کی طرف منتقل ہو رہی ہے۔ جیسا کہ تیلگو شاعر سری سری (سری رنگم سری نواس راؤ) نے اپنی نظم میں مناسب طریقے سے بیان کیا ہے، اب مورخین اس کی کھوج کرنا چاہتے ہیں اور 'تاریخ کے اندھیرے میں دبی پڑی سب کہانیوں پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ وہ پوچھنے لگے کہ دریائے نیل کی تہذیب میں عام زندگی کیسی تھی اور تاج محل کی تعمیر میں پتھر ڈھونے والے قلی کون تھے اور سلطنتوں کے باہمی جنگوں میں عام لوگوں کی بہادری کیسی تھی۔ ناوہ ڈولی گنتی کی تھی چڑھ بیٹھا جس پر راجا، اس کے واہک کلی کون تھے؟' یہ بے حد ضروری ہے کہ تاریخ کا مطالعہ عام لوگوں کے نقطۂ نظر سے کیا جائے۔ مشہور ادیب جارج اورویل نے تاریخ کو مختصر الفاظ میں بیان کرتے ہوئے کہا کہ: 'جو ماضی کو قابو کرتے ہیں وہی مستقبل کو قابو کرتے ہیں: جو حال کو قابو کرتے ہیں وہی ماضی کو قابو کرتے ہیں۔' ممتاز مورخ پروفیسر کے ایس ایس شیشن نے زور دیا کہ 'تاریخ کا سماج سے وہی رشتہ ہے جو یادداشت کا فرد سے ہے۔' ودیاواچسپتی ایس ایم باشا کے مطابق جو ماضی کو اچھے سے سمجھتے ہیں، وہ حال کو بہترین طریقے سے سمجھ سکتے ہیں؛ اور اسی طرح ماضی کو اچھے ڈھنگ سے سمجھنے کے لیے حال کا گہرا علم ضروری ہے۔

UGC-DEB کی ہدایات کے مطابق، نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے سیلف لرننگ مٹیریل لکھنے کے لیے بہترین مصنفین کو راغب کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ امید ہے کہ یہ نہ صرف آپ کی تعلیمی کارکردگی کے لیے کارآمد ثابت ہو گا بلکہ مختلف مسابقتی امتحانات کو اعتماد کے ساتھ دینے کے قابل بھی بنائے گا۔ ہم شعبہ تاریخ، نظامت فاصلاتی تعلیم میں، آپ کی خدمت کے لیے ہر وقت تیار ہیں۔ کورس میں ایک بار پھر خوش آمدید۔ میں آپ کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کرتا ہوں۔

ودیا واچسپتی شیخ محبوب باشا

کورس کوآرڈی نیٹر

تاریخ دکن

(بارہویں تا سترہویں صدی)

History of Deccan

(12th – 17th Centuries)

اکائی 1۔کاکتیہ میراث

(Kakatiya Legacy)

اکائی کے اجزا

1.0		تمہید
1.1		مقاصد
1.2		سیاسی پس منظر
	1.2.1	ابتدائی حکمران
	1.2.2	رودردیوا
	1.2.3	مہادیوا
	1.2.4	گنپتی دیوا
	1.2.5	رودرمادیوی
	1.2.6	پرتاپردردیوا
1.3		فن وفنِ تعمیر
1.4		مذہب
	1.4.1	بدھ مت
	1.4.2	جین مت
	1.4.3	شیوازم
	1.4.4	وشنوازم
1.5		ادب کا نشوونما
	1.5.1	سنسکرت ادب
	1.5.2	تیلگوادب
	1.5.3	رقص

1.6 اقتصادی شرائط
1.7 تدریسی نتائج
1.8 اکتسابی نتائج
1.9 کلیدی الفاظ
1.10 نمونہ امتحانی سوالات
1.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1.0 تمہید (Introduction)

گیارہویں صدی کے آغاز سے چودہویں صدی کے اوائل تک کے عرصے میں اس کا ظہور ہوا۔ کاکتیہ خاندان جس نے قرونِ وسطیٰ کے جنوبی ہندوستان کیتاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز کیا۔ کاکتیہ نے پوری تیلگو قوم کوایک چھت کے تحت جمع کیا۔ انہیں ایک چھت کے تحت رکھااور تیلگوزمین پر تین سوسال سے زیادہ وقت تک قیام کیا۔ کاکتیہ نے اپنے ابتدائی کیریئرک کا آغاز راشٹر کوٹوں کے تحت فوجی جرنیلوں کے طور پر کیااور بعد میں چلوکیہ چول کے تحت۔ بعد میں انھوں نے آزادی کا اعلان کیااور خود مختاروں کے طور پر حکومت کرنے لگے۔ دھیرے دھیرے انہوں نے اپنی سلطنت کو موجودہ تلنگانہ، ساحلی آندھرا، رائلسیما، اوڑیسا کے کچھ حصوں، کرناٹک اور تمل ناڈو تک بڑھایا۔ کاکتیہ تقریباً1000 سے 1323 عیسوی تک حکومت کرتے رہے۔

1.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- بارویں صدی کی ابتداء میں آندھرا میں میں کاکتیوں کے اقتدار میں آنے سے متعلق جان سکیں گے۔
- کاکتیہ تواریخ میں اس کے معاشرتی، ثقافتی اور معاشی پہلوؤں کے مختلف پہلوؤں کو سمجھ سکیں گے۔
- کاکتیہ فنِ تعمیر کی خصوصیات سمجھ سکیں گے۔
- تیلگوزبان اور ادب کی تشکیل سمجھنے کی صلاحیت پیدا کر سکیں گے۔

1.2 سیاسی پس منظر (The Political Background)

ورنگل کے کاکتیوں کی تاریخ بالخصوص دکن اور بالعموم جنوبی ہندوستان کی تاریخ میں اہمیت اور دلچسپی کی حامل ہے۔ وہ آندھرا کی قسمتوں کی عمارت کو تین سوسال سے زیادہ اثرانداز کررہے تھے۔ ورنگل کے کاکتیوں کے دور کا آغاز تقریباً دسویں صدی سے ہوااور تیرہویں

صدی کے اوائل میں اچانک ختم ہو گیا۔ کاکتیوں نے ستواہنوں کی گرفت کے بعد اور وجیانگر کے بڑھتے ہوئے امپائر کی پیدائش سے پہلے تیلگو بولنے والے علاقے پر قبضہ کرنے کیلئے اپنی قیادت قائم کی۔ ان کی حکومت کو آندھرا دیسا کی قرونِ وسطیٰ کی تاریخ میں "ورنگل کے کاکتیوں کے عہد" کے نام سے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ کاکتیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ ایک درجیا خاندان کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ کئی زیادہ خاندان جو قرونِ وسطیٰ میں آندھرا دیسا کے مختلف علاقوں کے حکمران رہے، جیسے کوٹاس، کوندا پادا ماتس، ویلانادو چولاس، چنگیز، وغیرہ، بھی درجیا نسل سے تعلقات کا دعویٰ کرتے تھے، جو عموماً ایک افسانوی شخص تھا، مگر کاکتیہ میلاما کا بیّارام ٹینک انسکرپشن واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ وہ تاریخیا شخاص تھے جو شتریوں کی لائن سے پیدا ہوئے تھے، جو برہما کے کندھوں سے نکلے تھے۔ تاہم، کاکتیوں اور درجیا کے درمیان رشتے قائم کرنا آسان نہیں ہے۔

تاریخ دان ان کے خاندانی نام "کاکتیہ" کی اشاعت پر متفق نہیں ہیں۔ ودیاناتھ کی پراتاپارودریم کہتی ہے کہ ان شاہوں کا خاندان 'کاکتیہ' کے نام سے مشہور ہوا، چونکہ وہ درگا دیوی کے پجاری تھے۔ اس کے علاوہ کہا جاتا ہے کہ وہ کاکتیوں کے کل دیوتا تھے۔ لیکن یہاں کہنا چاہیے کہ کاکتیوں نے درگا دیوی کے علاوہ سوائے سومیمبھو دیوا (شیو) کو بھی اپنا خاندانی دیوتا تسلیم کیا۔ علاوہ ازیں، اس خاندان کے افراد کی جماعت کا کوئی بھی انسکرپشن ان کا خاندانی دیوتا 'کاکتی' کا ذکر نہیں کرتا۔ اس طرح 'کاکتیہ' کا لفظ 'کاکتی' دیوی سے نہیں لیا جا سکتا۔ میلاما کی بیّارام ٹینک انسکرپشن ہمیں اس سلسلے سے متعلق کچھ دلچسپ معلومات فراہم کرتا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ وینا، خاندان کے بانی، ایک شہر کا حکمران تھا جس کو کاکتی کہا جاتا تھا، اور اس کے نتیجے میں، اس کے نسلیں 'کاکتیہ' کے نام سے معروف ہو گئیں۔ پرولا دوم کا بیٹا رودر دیو، 'کاکتیپورا اوار دھیشور' کے عنوان سے معروف تھا۔ گنپتی دیو کی گراوپدوانسکرپشن، ۱۲۶۰ء سے متعلق ہے اور کاکتیہ خاندان کے ابتدائی افراد کے ساتھ کاکتی کی ایک جگہ کا ذکر کرتی ہے۔ ایک ورنگل انسکرپشن گنپتی دیو، 'سریمان مہامنڈالیشور کاکتیپورا اوار یشور گنپتی' کا ذکر کرتا ہے۔ تریپورانٹاکم پر پایا جانے والا ایک انسکرپشن اس بات کا ذکر کرتا ہے کہ کاکتی کاکولز پورا یا خاندانی شہر تھا۔ پراتاپارودریاری نے نہ صرف کاکتی پورا کے موجودگی کا ذکر کیا بلکہ اس شہر کی خواتین کیا یک بہت دلچسپ توصیف بھی دیا۔ اس طرح ممکن ہے کہ کاکتی پورا تھا اور کاکتیہ کا خاندانی نام اس خاندان کے افراد کی اصل مربوطت سے مشتق ہو سکتا ہے۔ کاکتی پورا کون سے علاقہ میں واقع تھا، یہ بتانا مشکل ہے۔ تاہم پر براہما شاستری کا خیال ہے، "یہ ممکن نہیں کہ شہر کا کتیکندھارا گاؤں کے ساتھ مطابقت رکھتا ہو کیونکہ ابتدائی کاکتیوں کو راشٹر کوٹہ سلطنت سے نکلنے کی خواہش تھی۔" لکشمی نارائن راؤ یہ دیکھتے ہیں کہ کاکتی کا لفظ ایک جگہ کو ظاہر کرتا ہے جسے وہ اس کے حالیہ گاؤں سے جو یہ نام بیلگاؤم سے 12 میل دور واقع ہے، مشابہ ہے۔

بیّارام ٹینک انسکرپشن کے مطابق، ورنگل کے کاکتی اصل میں کسی راشٹر کوٹا خاندان سے تعلق رکھتے تھے، جو ورشنیا وشتھی کہلاتے تھے۔ لیکن بہت زیادہ اعتبار حاصل کرنے کے بعد، ان کا اصل ماخذ جاننے کی بجائے انہوں نے معروف شتری خاندانوں، یعنی سورج یا چندرما، سے تعلقات کا نوٹ لیا۔ یہاں نوٹ کیا جانا چاہیے کہ گنپتی دیو اور ان کے بعد کے وارثوں کے انسکرپشن، جب وہ ویلانانڈو چولاز کی فتح کے بعد جاری ہوئے، کاکتیوں کے سورج یا چندرما کے خاندانی نسلی روابط کا ذکر کرتے ہیں۔ گروڈا بینر کاکتیوں کا نشانہ تھا۔ پراتاپارودریم، ایکمر ناتھ کی

انسکرپشن اور آخر میں گروڈا نکا بیٹا کا نام، واضح طور پر دکھاتے ہیں کہ کاکتیہ ابتدائی طور پر اپنے شاہی نشان کے طور پر گروڈا کا حامل تھے۔ بعد میں جب وہ بعد کے کالیانہ چالوکیوں کے اہل حکومت بن گئے، تو انہوں نے 'وارا ہا' کو اپنا شاہی نشان بنایا۔

1.2.1 ابتدائی حکمران (Early Rulers)

ڈانارنوا (956AD) منگلو پلیٹس جو شرقی چالوکیہ بادشاہ، دانارناوا (956ء) نے جاری کی تھیں اور کاکتی میلاما کے بیّارام ٹینک کی انسکرپشن کیشکولا ورنگل کے کاکتیوں کی ابتدائی تاریخ میں انقلابی تبدیلیوں کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ بعد کے لتھی انسکرپشن کے ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ وینا کاکتیہ خاندان کے بانی تھے۔ یہ اور بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کاکتیہ کا خاندان قائم کیا۔ آگے کہا جاتا ہے کہ وہ ایک شہر، جس کا نام کاکتی پورا تھا، سے حکومت کرتے تھے جس کی بنا پر ان کے نسلیں کاکتیوں کے طور پر مشہور ہوئیں۔ ان کا بہترین دور بینا 800-815ء میں ممکن ہے۔ ان کا خلافت گنڈا پہلا اور بعد میں گنڈا دوم نے حاصل کی۔ ہمیں ان چیفس کی سیاسی سرگرمیوں کے بارے میں کوئی معلومات فراہم نہیں ہوئیں۔ انہیں 815-865ء میں رکھا جا سکتا ہے۔ گنڈا دوم کے بعد گنڈا سوم آیا۔ منگالو پلیٹس سے معلوم ہوتا ہے کہ گنڈا سوم نے اپنے راشٹر کوٹا اوور لارڈ، کرشنا دوم کے ساتھ، اور شرقی چالوکیہ بادشاہ، بھیما اول اور ان کے بیٹے، اریمارٹی گنڈا کے ساتھ پیرووونگرو میں جنگ لڑی۔ گنڈا بے مثال شدت سے لڑتا رہا اور ایک چمکتی فتح حاصل کیا۔ مگر انہوں نے جنگ کے میدان میں اپنی جان کھو دی۔ راشٹر کوٹا ایمپرر نے گنڈا سوم کے والد، اریا، کو فتح کے جنگ میں ان کے والد کی نمایاں خدمات کی بدولت کوراوی علاقے کی گورنر شپ عطا کی۔ اس طرح کاکتیہ گنڈا دوم کے دور میں پہلی بار 9ویں اور 10ویں صدیوں میں راشٹر کوٹا امپررز کے کمانڈر کے طور پر آندھرا داخل ہوئے اور بہت جلد خود کو قوتور حکمرانوں کے طور پر کرورواڈی علاقہ میں قائم کیا، جو ورنگل ضلع کے معاصر کوراوی علاقہ سے تشخص کیا جا سکتا ہے۔ منگالو پلیٹس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایریا کے بعد بیٹیا کے بعد ونا مقرر کیا گیا، مگر بیّارام ٹینک کی انسکرپشن میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ بعض لوگوں کے مطابق، حالت جیسے کہ ناکارہ یا پہلے موت، اس کا نام بیّارام انسکرپشن میں غائب ہو سکتا ہے جو صرف بیان کرتی ہے کہ ونا پنڈی گنڈا حکومت کے بغیر آیا۔

بیٹیا کے بعد گنڈا چہار آیا۔ انہیں کاکتیہ گنڈا یا پنڈی گنڈا (950–990ء) کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ ان کے دور میں ایک اندرونی جنگ کا آغاز ہوا تھا، جب شرقی چالوکیہ امپائر میں امماراجا اول اور ان کے ننھے بھائی دانارناوا کے درمیان۔ راشٹر کوٹا امپرر، کرشنا سوم، نے دانارناوا کی مدد کی درخواست نہ صرف قبول کی بلکہ اپنے جنرل، جو پہلے ہی کوراوی: علاقہ میں قیام کرتے تھے، دانارناوا کی مدد کے لیے فوراً بھیج دیا۔ گنڈا چہار کی فعال حمایت سے، دانارناوا نے امماراجا کو شکست دی اور وہاں کی تخت کو اپنے قبضے میں لیا۔ گنڈارا راشٹر کوٹا کے حامل رہے ،جب تک کہ ان کی اچانک 973ء میں گراوٹ ہوگئی۔ دسویں صدی کے آخری حصے میں دکن کے سیاسی حلقوں میں کچھ نمایاں تبدیلیاں دیکھی گئیں۔ خاص طور پر آندھرا میں یہ تبدیلی دیکھی جا سکتی ہے۔ دانارناوا کی موت، جاتیچوڈا بھیما کی ویگی، اور راشٹر کوٹا کی امارت کا خاتمہ ان میں سے چند تبدیلیاں تھیں۔ معمولی سیاسی ترتیب کو مد نظر رکھتے ہوئے، گنڈا چہار نے خود کو موچ کرنے کا موقع حاصل کیا۔ جب مدیگونڈا

چالوکیوں کے خرچے میں اپنے حصہ کے خرچے کو کاروبار میں لایا۔ پھر بھی یہ اسے ایک مستقل حکمران نہیں بنا پایا، کیونکہ 995ء میں، چالوکیا ٹیلپادوم تلنگانہ علاقے کا اوورلارڈ بن گئے۔ اس طرح راشٹر کوٹا کی غلامی کا خاتمہ اور چالوکیا کی کاکتیوں پر قابو کے آغاز کو گنند اچہار نے دیکھا۔

گنند اچہار کے بعد بیٹا اول نے خلافت کو سنبھالا۔ ہمیں کازیبیٹ انسکرپشن سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹا نے چولا بادشاہ کی فوج کی دھارا کو چرچ کیا اور لکشمی (فتح) حاصل کی۔

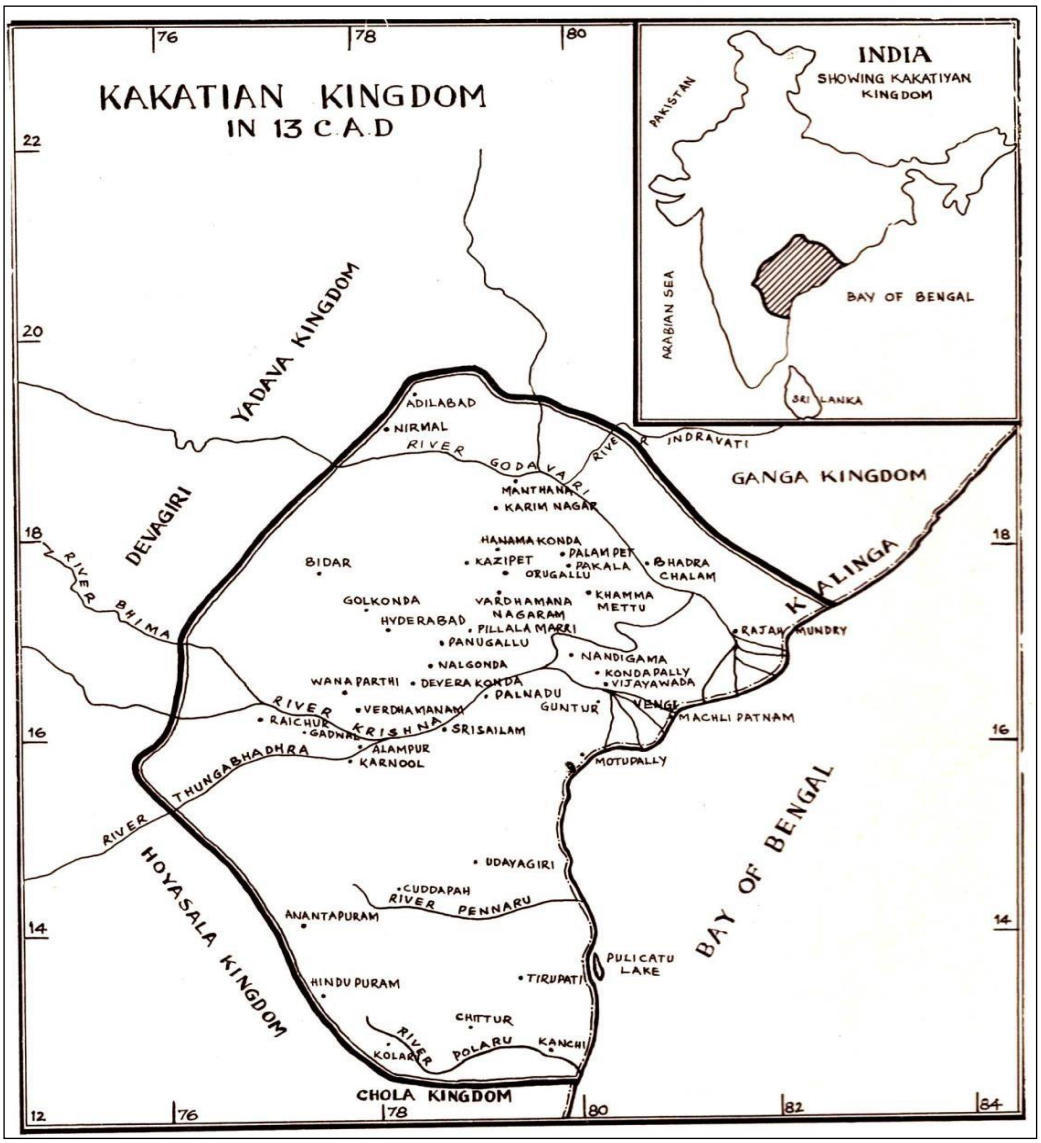

بیٹا اول کے بعد ان کے بیٹے پرولا اول (1051–1076ء) کی خلافت کا دور رہا۔ ان کے نواسند، ڈگارا جا، کی کازیبیٹ انسکرپشن میں 1097–98ء میں دی گئی مواد کا سیاسی کاموں کے لیے بنیادی ذریعہ ہے۔ کہا گیا ہے کہ پرولا نے چکرا کوٹا وشیہ کے معاملات کو درست کیا اور بھدر نگا نام کے خلاف فتح حاصل کی۔ انہوں نے مجازات میں ہمسایہ چیف انمیہ، کڈاپارٹی دورگا کے بیٹے، اور پروکٹا چیف گونا کا انتہا کیا۔ یہ تمام فوجی عمل پرولا اول نے مغربی چالوکیا امپرر، سومیسورا کے لیے کیے۔ ان کی بہترین خدمات پر محسور رہتے ہوئے، ایمپرر نے پرولا اول کو

وراثتی زمین ہنوما کونڈا کا وراثتی عطا کیا۔

پرووِلا اول کے بعد ان کے بیٹے بیٹا دوم نے خلافت سنبھالی۔ انہیں ہنوما کونڈا انسکرپشن میں، سریمان وکرما چکری اور، سری بیٹا منڈالیکو تھما کہا جاتا ہے۔ وہ تریبھوانامللا وکرمادتیہ سکس وکرمادتی چیف کے تابع تھے۔ بیٹا دوم کے بعد ان کا بیٹا ڈگراجا آیا۔ اس چیف کو تریبھوانامللا اور چلامار ٹیگنڈا کے عنوانات دئے گئے۔ کوتھا پالی انسکرپشن سے معلوم ہوتا ہے کہ پرووِلا دوم نے اپنے آپ کو طاقتور کر لیا جب وہ ڈگراجا کو خاتمہ کر کے حاصل کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پرووِلا اول کا کتی خلافت معمولی یا امن و امان سے نہیں تھا۔ پرووِلا دوم نے 1116ء سے 1157ء تک حکومت کی۔ رودردیو کی ہنوما کونڈا انسکرپشن، جو 1162–63ء میں تاریخی گواہی دیتی ہے، پرووِلا اول کی فوجی کاموں کے بارے میں دلچسپ معلومات فراہم کرتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے راشٹر کوٹا ٹیلپدیوا کو جنگ میں قید کیا اور بعد میں انہیں وفاداری اور رحمت کے لیے آزاد کیا۔ وہ گووندراجا کو بھی قید کر کے انہیں رہا کیا، پھر پرووِلا نے ان کی بادشاہت کو کچھ عیدراجاپر عطا کیا۔ اس ہنوما کونڈا انسکرپشن میں ان مواد کا حوالہ ہے کہ پرووِلا دوم نے مخصوص اپنے اوورلارڈ کے موجودگی میں تمام اوپر ذکر کیے گئے فتوحات کو حاصل کیا۔، مغربی چالوکیا امپرر جگدیکمل جی کی۔

1.2.2 رودردیوا (A.D.1158–1195)

رووِدرادیوا، پرووِلا دوم کا بیٹا اور اس کے وارث تھا، کاکاتیہ سلطنت کے ایک بہترین ابتدائی سرداروں میں سے ایک تھے۔ اس کی قابل اور فعال حکومت کے دوران کاکتیہ نے آزادی کا دعویٰ کیا اور اس طرح قرونِ وسطیٰ کے آندھرا کی تاریخ میں نیا باب کھل گیا۔ اس کی ہانومکونڈا کی انسکرپشن 1162–1163 میں، ایک طویل دستاویز جس کی بہت بڑی تاریخی قدرت ہے، اس کے فوجی کارروائیوں کی واضح بیان فراہم کرتا ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ اس نے ڈومراجا کو شکست دی اور اس کے شہر نگرا کو فتح کیا۔ اس نے میڈ راجا کی غرور کو کم کیا اور رقیب سرداروں کی اتحاد کو توڑ دیا۔ اس نے میلیگی دیو کی غرور کو دبایا۔ اس نے دوسرے تھانوں میں بھی حملہ کیا، جیسے کہ بھیما کے بعد خود اپنے آپ کو بادشاہ قرار دینے والا تھا۔ اسے کھوچودائے کے شہر کو جلایا جانے کا بھی بیان دیا گیا ہے اور اس نے اپنی بیٹی، پڈما، کے ساتھ شادی کی۔

رودرادیوا نے ان سرداروں پر فتح حاصل کرنے کے بعد اپنی توجہ ساحلی آندھرا کی کے فتح پر مرکوز کی۔ کچھ علماء کا خیال ہے کہ رودرادیوا نے ساحلی آندھرے علاقے پر اپنا کنٹرول قائم کیا۔ یہاں یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ہانومکونڈا کی انسکرپشن جو رودرادیوا کی فوجی کارروائیوں کی واضح بیان فراہم کرتی ہے، اس کی ساحلی اندھرے علاقے پر فتح کا کوئی حوالہ نہیں دیتی۔ اگر واقعی، اس نے ساحلی اندھرے علاقے پر فتح حاصل کی، تو یہ صرف اس انسکرپشن کی تاریخ کے بعد ہو سکتا ہے۔ رودرادیوا فنون اور ادب کے سرپرست تھے۔ ان کے دورِ حکومت میں مشہور ہزار ستون والے مندر جو موڈرن شہر ہانومکونڈا کے مرکز میں واقع ہے، اس کی تعمیر ہوئی۔ انہیں ایک ڈرکشاراما انسکرپشن میں 'ونیاویبھوشن' کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ نیتیسارا کے عنوان پر لکھی جانے والی کتاب کی شناخت ان کو دی جاتی ہے، لیکن اس کی تصدیق مشکوک ہے۔

1.2.3 مہادیوا (A.D. 1199–1195)

رودرادیوابچہ رہااوراس وجہ سے اس کے بھائی مہادیوا کا خلاف ورثہ بنا۔ ہمارے پاس اس بادشاہ کی صرف دوانسکرپشن ہیں،ایک سنڈیلا سے،1197ء کاتاریخی ہے اور دوسرا ایک ٹوٹااور تاریخ نہ معلوم ریکارڈ ورنگل کی قلعہ میں ہے۔ مہادیوا کا حکومتی عہد نہیں دمدار تھااور نہ ہی واقعات سے بھرپور تھا۔اس کے حکومت کا واقعہ صرف اس کے مقابلے کا ہے جب یادووں کے ساتھ اس کی جنگ ہوئی۔اس لڑائی میں،مہادیوا نے نہ صرف یادوا بادشاہ کے ہاتھوں ایک شکست کے تھپڑ کھایابلکہ اپنی جان بھی کھودی۔ کھنڈاولی کا کاپر پلیٹ امانت کے حساب سے بیان کرتا ہے کہ جب دشمن چھاپہ مار رہے تھے تو مہادیوا"خون سے رنگی ہاتھی کے دومندر پر سوئے جیسا کہتا ہے جیسے موچھ کے لال خشکیوں سے لائے گئے تھے"۔ گراواپاڈواور یانمادلاانسکرپشنز گنپتیدواادر یادواز کی مرکزی حکومت کی انسکرپشنز ہیں،اوران سب کا مواد بھی اس لڑائی کو مختصر کرتا ہے۔مہادیوا کی موت اور یادواز کی کامیابی پاتنہ اور رمچندر دیوا کی بہانواں کرتی ہے۔

1.2.4 گنپتی دیوا (A.D. 1199–1263)

گنپتی دیوا کاکتیہ سلطنت کا بہترین حکمران تھا۔اس کے حکومت کاکتیوں کی حکومت کی وسعت کانچی تک بڑھ گئی۔البتہ،اس کے حکومتی دور کا آغاز امنداز نہیں تھا۔ اس کے والد کی شکست اور موت یادوا کی ہاتھوں اور اپنی خود کی گرفتاری کے بعد،کاکتیہ مملکت میں افراتفری شروع ہوگئی۔ہم جانتے ہیں کہ پلمپٹ کے پلرانسکرپشن جو1213ایڈی کی تاریخ کی ہے،کہ بے بازیاب امیران اوران کے تحت کے اداروں نے سرکش نواب اور نافرمان اعضاء کی سرکشی کی۔ لیکن ریچرلا رودرا سینانی، گنپتی دیوا کے وفادار ادارے نے ان بغاوتوں کو دبایااور ریاست میں امن وسکون قائم کیا۔ گنپتی دیوانے اپنی حیثیت کو مضبوط کرنے کے بعد پہلے ساحلیآندھرے علاقے پر توجہ دی۔مالیالا چوندا سینانی کی قیادت میں کاکتیہ فوج نے دیوی جزیرے کی طرف جانبداری کی اوراسے فتح کیا۔چونکہ وینگی علاقہ ویلاناڈوچولہ چیف پر ثویشورا کے کنڑول میں تھا،لہذااس انجامداد میں کاکاتیا شہزادہ کا ساتھ دیا گیا۔ لگتاہے کہ پرثویشورانے صرف شکست نہیں کھائی بلکہ اپنی زندگی بھی اس لڑائی میں گنوائی۔ کچھ ان انسکرپشنز میں، گنپتی دیوا کو 'پرثویشورا سراہ کندوک کریداونوڈا'یعنی پرثویشورا کا سر،یعنی پرثویشورا کا سر بال کھیلنے والا ذکر کیا گیا ہے۔اس طرح گنپتی دیوا کے دور میں ساحلی اندھرہ علاقہ،کاکتیوں کی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ گنپتی دیوا کے دور میں دوسرااہم واقعہ تھا کہ وکراماسمھاپور کے تیلگوچودا ریاست کو منوماسیدھی دوم کو بحال کیا گیا۔

گنپتی دیوااپنی حکمت عملی کو ساحلی علاقے پر قائم کرنے کے بعد خواہشمندی سے کاگنگا ریاست کو اپنے کنڑول میں لانا چاہتا تھا۔ دستیاب اپو گرافیکل ثبوت واضح طور پر ظاہر کرتا ہے کہ گنپتی نے کاگنگا پر اکثر اکثر حملہ کیا۔ راجی نائیکا،انڈولوری سومایااور جیپ سینانی نے ان مقابلے میں اہم کردار ادا کیا۔1236ء کیوپارا پالی انسکرپشن کہتی ہے کہ راجی نائیکا نے بوکیراپر کامیابی حاصل کی،عنوان گوڈھارتی کے سردار کو مارا،ادیاگری کو گرفتار کیااور کچھ پادیرایا کو فراری کر دیا۔ گنپتی دیوا کے کاگنگا کے حملے کا بہترین ثبوت ہوشیار انسکرپشن کے لیے عظیم نمایاں عسکری طاقت تھی جس کی حکمت عملی کی جیت کی گئی اوراس کے سپاہیوں نے اس کے حملے کی سب اثاثے کو اپنے کنڑول میں کر لیا۔ گنپتی دیوا

نے کولانوچیفز کو مضبوط کر دیا۔انھوں نے یادواز کے ساتھ دوستانہ تعلق رکھا۔وہ حتی الجزاءایکیادوا شہزادہ کو پناہ دینے گئے جس کا نام پرماد ھیدیوا تھا،یعنی سنگھانا کا بیٹا۔

جتاور من سندر پانڈیا، پانڈیہ سلطنت کے سب سے بڑے نمائندے نے منوماسیز ھھی دوم کے خلاف ایک مہم کا آغاز کیا۔ آخر بادشاہِ وقت نے کاکتیوں کو مدد کے لیے اپیل کی۔اس طرح کاکتیوں، یادواز اور ایک خاص بانا چیف نے منوماسیز ھھی دوم کو پورے ساتھ اور تعاون کے ساتھ مدد فراہم کی۔ مٹکوڑو میں ایک لڑائی 1263ء میں ہوئی۔اس لڑائی میں جتاور من سندر پانڈیا نے بھرپور کامیابی حاصل کی، کاکتیوں، یادواز، باناز اور وکراما سمھاپور کے تیلگو چودا چیف کے خلاف۔اس عظیم کامیابی کی نشانی کے طور پر، جتاور من سندر پانڈیا نیلور اور کانچی میں ویرا بھیشیکا منعقد کیااور کاکتیوں کے سوار کی عکسی سکیکاز بندوق پر اور پانڈیا کی علامت مچھلی پر مخصوص سکیکاز جاری کی۔اس طرح سے فوجی ردمراد کاکتیوں کی سیاسی کیریئر کا خاتمہ ہوا۔ گنپتی دیوا کی حکومت کو کاکتیوں کی تاریخ کے شاندار دور میں شامل کیا جاتا ہے۔اس کی حکومت کا دور مخصوص طور پر پسوپت سائویسم کی اوپری مرتبہ کے مشاہدے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔اس کے دوران، کاکتیہ مملکت کی سرکاری مراکز کے اقدام کا اظہار ہوااور اس کی انتہائی شاندار ورثا کا پیشہ ورانہ انجام دیا گیا۔

1.2.5 رودراما دیوی (A.D. 1262–1289)

رودراما دیوی کو تاریخ میں مختلف ناموں سے جانا جاتا ہے، مثلاً، رودردیوی، رودرمبا، رودرادیو مہاراجا، رودریو دیو مہاراجا، تریبھوواناد ھیپتی-کاکاتیا-رودرادیو وغیرہ۔رودرمادیوی کا کاکتیہ تخت سے الحاق جنوبی ہندوستان کی تاریخ میں ایک قابل ذکر واقعہ تھا، کیونکہ وہ پہلی خاتون تھیں جنہوں نے مرد کے نام سے تلگو بولنے والے علاقے پر حکومت کی۔وہ 1259 سے 1260 عیسوی تک ایک شریک ریجنٹ کے طور پر اپنے نامور والد کی شاندار انتظامی انتظامات اور شاندار فوجی فتوحات کا مشاہدہ کرنے کے لیے بہت خوش قسمت تھی۔جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، گنپتی دیوا کے آخری سال پر امن نہیں تھے۔نیلور کا علاقہ پانڈیوں کے ماتحت ویراگنڈاگوپالا کے زیر اقتدار تھا۔بھوجابالا ویرانرڈیانا سو میشوراامہاراجہ ملکیناڈو کے علاوہ اور دیگر ملحقہ علاقوں پر حکمرانی کررہے تھے جس کا دارالحکومت والوری پٹنہ تھا۔وینگی کے علاقے پر کاکتیہ کے تسلط کو بھی مسترد کر دیا گیا۔ان اندرونی پریشانیوں کے علاوہ، اگر پرتاپاچر ترا کی فراہم کردہ معلومات درست ہیں، تو رودرمادیوی کو گنپتی دیو کے بیٹوں ہری ہرا اور مراریدیوا کی طرف سے اس کی دوسری رانیوں کی طرف سے بھی چیلنج کا سامنا کرنا پڑا۔تاہم، ردرمادیوی نے باغی امرا کو روک کر اپنی پوزیشن مستحکم کی۔اس کام میں جانیگادیوااور اس کے بھائی تریپوراری، ویلاما کے سربراہ پرسادتیہ وغیرہ نے اس کی بھرپور مدد کی تھی۔رودرمادیوی نے اس طرح اپنے آپ کو ایک عظیم باپ کی قابل بیٹی ثابت کرتے ہوئے اپنے لیے اپنے نامور والد کا لقب یعنی 'رایا گجا کیسری 'اختیار کیا۔

رودرمادیوی کو سلطنت کی انتظامیہ کو ہموار کرنے سے پہلے، یادوا بادشاہ مہادیوا کے حملے کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن رودرماوی نے بے مثال شدت کے ساتھ جنگ کی۔ یادوا فوج کو تباہ کر دیا اور یہاں تک کہ مہادیوا کو دیوا گیری قلعے کی دیواروں تک پیچھا کیا۔رودرمادیوی کی اس عظیم فتح

کا بیان کتبوں کے شواہد سے ثابت ہوتا ہے۔ بیدر کتبے میں کہا گیا ہے کہ سند خاندان کے بھیرو کے نام سے ملکہ کا ایک ماتحت یادو بادشاہ کے خلاف مہم میں رودرم دیوی کے ساتھ تھا۔ یادوا سلطنت کے جنوبی حصے میں اس ریکارڈ کا وجود واضح طور پر ظاہر کرتا ہے کہ نہ صرف رودرمادیوی نے فتح حاصل کی بلکہ بیدر کے علاقے کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ امکان ہے کہ مہادیو نے شکست کا مزہ چکھنے کے بعد کاکتیہ ملکہ کے ساتھ صلح کر لی ہو گی۔ یہاں یہ کہنا مناسب نہیں ہو گا کہ کچھ یادو شہزادے، جن کا نام سارنگاپنیدیوا اور یلاندیوا تھا، کاکتیہ سلطنت میں ملکہ رودرمادیوی کے ماتحت حکومت کر رہے تھے۔ رودرم دیوی نے بھی اپنی ایک بیٹی کی شادی یلاندیوا کو کرنے کی پیشکش کی۔ دیوگیری کے یادووں پر رودرمادیوی کی فتح نے کاکتیہ سلطنت میں سکون بحال نہیں کیا، کیونکہ وہ فوری طور پر کرنول- کڈپاہ علاقوں کے کیستھ خاندان کے سب سے بڑے رکن امبدیوا کی بغاوت کی طرف اپنی توجہ ہٹانے پر مجبور ہو گئی۔ کاستھا گنگایا ساہنی کے زمانے سے ہی کاکتیہ کے ماتحت بن گئے۔ جننیدیوا اور تری پوراری گنپتی دیوا اور رودرمادیوی کے کچھ وفادار ماتحت تھے۔ تری پوراری کے بعد، اس کے بھائی امبادیو نے کاکتیہ کے اختیار کی خلاف ورزی کی ۔A.D1250. کا تریپورانتاکم نوشتہ امبادیو کے جرات مندانہ فوجی کارناموں کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ امبا دیو کو پانڈیوں اور یادووں سے کافی مدد ملی- جو کاکتیہ کے روایتی دشمن تھے۔ وہ ملیکیناڈو، ریناڈو، پیڈکالو، سکالی، اروواا ور پوٹاپیناڈو کا حاکم بن گیا۔ اس نے ولوری پٹن کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ پھر اس نے کاکتیہ ملکہ کے اختیار کو چیلنج کیا۔

رودرمادیوی جس نے امبدیو کی سرگرمیوں کا احتیاط سے مشاہدہ کیا، نے کیستھ سردار کے ساتھ ذاتی طور پر طاقت کی آزمائش کرنے کا فیصلہ کیا۔ A.D.1289 تاریخ کے چندوپتلا نوشتہ میں رودرمادیوی اور اس کے جنرل، ملیکارجن نائکا کی قابلیت کے لیے ایک بنٹو یا جنگجو کے ذریعے بھگوان سومناتھ دیو کو زمین کا تحفہ درج کیا گیا ہے، ان دونوں نے شیولوک حاصل کیا تھا، جو ان کی موت کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس طرح یہ واضح ہے کہ رودرمادیوی اور اس کے جنرل نے اپنی فوج کے ساتھ امبادیو کے خلاف جنگ لڑی اور میدان جنگ میں مارے گئے۔ یہ بہت ممکن ہے کہ رودرمادیوی نے اپنی بڑھاپے کے باوجود، امبادیو کے خلاف فوجوں کی قیادت کی اور اپنے جنرل، ملیکارجن نائکا کے ساتھ ایک مہلک انجام کا سامنا کیا۔ اگرچہ واضح نہیں ہے، لیکن تحریر میں امبادیوا کی فخریہ تعریف، 'سروان آندھرا مہیپتن رانا-مکھے-جٹا- یاسو-لابدھاون' نمایاں طور پر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ اس نے ملکہ سمیت آندھرا کے تمام بادشاہوں کو فتح کیا تھا۔ اس طرح رودرمادیوی کا شاندار دور ختم ہوا۔ رودرمادیوی کی شادی چالوکیوں کی نڈاڈوولو شاخ کے انڈ سکھارا کے بیٹے ویر بھدر نامی چالوکیہ شہزادے سے ہوئی تھی۔ ان کی تین بیٹیاں تھیں، یعنی ممدما، رودرما اور رویاما۔ سب سے بڑے کی شادی مہادیو نامی کاکتیہ شہزادے سے ہوئی تھی۔ دوسری بیٹی کی شادی یادو شہزادے کو یلندیوا کے نام سے اور آخری بیٹی انڈلوری انیا کو پیش کی گئی تھی۔ رودرمادیوی کے بعد اس کے پوتے پرتاپرودردیوا نے اقتدار سنبھالا، جو مہادیوا اور ممدما کا بیٹا تھا۔

1.2.6 پرتاپ رودرادیو (A.D. 1289–1323)

پرتاپارودردیوا کو جنوبی ہندوستان کی تاریخ کی سب سے زیادہ رومانوی شخصیات میں سے ایک سمجھا جاتا تھا۔ وہ کاکتیہ خاندان کا آخری

عظیم نمائندہ تھا۔ وہ ایک بہادر جنگجو، مضبوط انتظامی، اور فنون لطیفہ اور خطوط کے عظیم سرپرست تھے۔ لیکن اس کا دور حکومت ایک انتہائی اہم اور نازک وقت پر شروع ہوا، کیونکہ ان کی حکومت اس کی دادی رودرمادیوی کی افسوسناک اور اچانک موت کے فوراً بعد شروع ہوا۔ اگرچہ پرتاپارودردیوا کو بہت کم عمر میں ریاست کی رہنمائی کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا، لیکن اس نے خود کو فوج، انتظامیہ اور قلعوں کی تنظیم نو کا کام سونپا۔ پھر اس نے اپنی توجہ کیستھ کے سردار امبادیو کو دبانے کی طرف موڑ دی۔ یہ اچھی طرح جانتے ہوئے کہ امبادیو یادووں اور پانڈیوں کے ساتھ اتحاد میں تھا، پرتاپرودردیوا سے کچلنے کے لیے بہت احتیاط سے آگے بڑھا۔ اس کام میں اس نے امبادیو کے خلاف تین جہتی حملہ کیا۔ پہلی مثال میں، اس نے کولانو سومنتری کے بیٹے منما گنیا اور ان کے کزن انّائی دیوا، جو اندلوری پیڈ گنیا منتری کے بیٹے تھے، کی کمان میں ایک فوج ترپیورانتاکم کے علاقے میں بھیجی۔ اگرچہ ہمارے پاس مہم کی تفصیلات نہیں ہیں، لیکن یہ یقینی ہے کہ کاکتیہ افواج اس سہ ماہی میں کامیاب رہیں۔ نیلور کی تیلگو چوڈا سلطنت جو منما گنڈا گوپال کے زیر اقتدار تھی، اس کی دوسری مہم کا ہدف بن گئی۔ آدیدم ملو کی کمان میں کاکتیہ فوج نے منما گنڈا گوپال کو شکست دی اور اسے قتل کر دیا اور اس کی جگہ ایک مخصوص مدھورانتاکا پوٹاپی چوڈار نگ ناتھ کو کاکتیہ کے ماتحت کے طور پر تیلگو چوڈا سلطنت کے تخت پر بٹھایا گیا۔ تیسری مہم پرتاپرودردیوا نے ان یادووں کے خلاف بھیجی تھی جنہوں نے امبدیوا کے مقصد کی حمایت کی تھی۔ A.D.1294. کے رائے چور قلعہ کے نوشتہ میں کہا گیا ہے کہ پرتاپرودردیو کے جاگیردار گوناوٹھلا نے رائے چوردوآب میں ادوانی، تمبلم، منووا اور حلووا کے قلعوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس آثار قدیمہ کے ثبوت سے یہ واضح ہے کہ کاکتیہ نے کرشنا-تنگ بھدردوآب کے علاقے کو دیوگیری کے یادووں سے چھین لیا ہوگا۔ پرتاپارودردیوا، اگرچہ کیستھ امبدیوا اور اس کے اتحادیوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو گیا، لیکن زیادہ دیر تک امن سے لطف اندوز نہیں ہو سکا۔ انہیں فوری طور پر دہلی کے سلطانوں کی طرف سے سب سے زیادہ طاقتور بیرونی خطرے کا سامنا کرنے پر مجبور کیا گیا، اور اس کے نتیجے میں انہوں نے اپنی باقی زندگی مسلمانوں کے خلاف لڑتے ہوئے گزاری۔

تلنگانہ پر پہلا مسلم حملہ A.D.1303 میں علاؤالدین خلجی کی قیادت میں ہوا۔ اس کے نتیجے میں ان کو ناکامی ہوئی۔ لیکن علاؤالدین خلجی نے بدلہ لینے اور اپنے گرے ہوئے وقار کو بحال کرنے کے لیے ملک نائب کافور کی کمان میں ایک بڑی فوج بھیجی۔ اس مقابلے میں مسلمانوں نے کاکتیہوں پر فیصلہ کن فتح حاصل کی۔ پرتاپرودردیو نے علاؤالدین خلجی کے نائب کے ساتھ صلح کر لی اور اپنی زیادہ تر دولت اور وقار کو ہتھیار ڈال دیا۔ علاؤالدین کی موت کے بعد دہلی سلطنت میں افراتفری کے حالات پیدا ہو گئے۔ ملک نائب کافور نے علاؤالدین کے چھوٹے بیٹے شہاب الدین کو دہلی کے تخت پر بٹھایا اور اس کی طرف سے ایک ریجنٹ کے طور پر سلطنت پر حکومت کرنا شروع کر دی۔ لیکن ملک نائب کافور زیادہ دیر تک اس حیثیت سے لطف اندوز نہیں ہوئے، اور بالآخر انہیں علاؤالدین کے ایک اور بیٹے قطب الدین مبارک شاہ نے قتل کر دیا۔ ان شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے پرتاپارودردیو نے کاکتیہ سلطنت میں اپنی آزادی کا دعوی کیا اور دہلی کے اختیار کی خلاف ورزی کی۔ اس مرحلے کے دوران خسرو خان کی کمان میں کاکتیہ سلطنت کے خلاف ایک اور مہم بھیجی گئی۔ پرتاپرودردیوا نے بغیر کسی مزاحمت کے صلح کا خاتمہ کیا اور آخر کار ہاتھیوں، گھوڑوں، سونے اور قیمتی پتھروں کی شکل میں سالانہ خراج ادا کیا۔

قطب الدین مبارک شاہ کی موت سے دہلی سلطنت پر خلجی کے تسلط کا عملی طور پر خاتمہ ہو گیا۔ تغلقوں نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ منتقلی کی مدت کے دوران پرتاپ ودر نے اپنی آزادی پر زور دیا اور سالانہ خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ غیاس الدین تغلق نے دہلی میں اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کے بعد، A.D 1323 میں الغ خان کی کمان میں ورنگل کے خلاف ایک مہم بھیجی۔ یہ مہم ناکام رہی۔ لیکن غیاس الدین نے، مضبوط عزم اور عزم کا حامل ہونے کے ناطے، کوئی وقت ضائع کیے بغیر ورنگل کے خلاف ایک اور مہم بھیجی۔ پرتاپ ودر دیو نے اپنی رعایا، عوام اور سلطنت کی آزادی، سالمیت اور عزت کو برقرار رکھنے کے ارادے سے مسلم افواج کے خلاف شیر کی طرح جنگ کی، لیکن یہ حکمت بے سود ہوئی۔ وہ فاتح مسلمانوں کے ہاتھوں میں قید ہو گیا جنہوں نے فوری طور پر اسے اپنے خاندان کے ساتھ دہلی بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ یہ پرولیا نائکا کے ولاس گرانٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ پرتاپ ودر دیوا نے دریائے سومود بھاو، یعنی نرمدا ندی کے کنارے اپنی جان گنوا دی۔ کاکتیہوں کے دارالحکومت ورنگل پر مسلمانوں کا قبضہ تھا اور اس کا نام بدل کر سلطان پور رکھ دیا گیا۔ کاکتیہ سلطنت دہلی سلطنت کا حصہ بن گئی۔ اس طرح کاکتیہوں کی شان و شوکت اسلام کے میں غیر معمولی طور پر ڈوب گئی۔

1.3 فن اور فن تعمیر (Art and Architecture)

کاکتیوں نے فن تعمیر کے شعبے میں پہلوانہ کردار ادا کیا۔ کاکتیوں نے اپنی فن تعمیر کو چالوکیاوں سے حاصل کیا لیکن اس میں مقامی خصوصیت شامل کی۔ چالوکیا فن تعمیر خود اتر اور دکن بھارتی فنون کی ملاپ تھی۔ کاکتیوں نے اسے سادہ بنا دیا اور اسے زیادہ زبردست اور خوشنما بنایا۔ ان کے طویل حکومت کے دوران، کاکتیہ بادشاہ اور نواب نے کئیشاندار مندر بنائے۔ کاکتیہ مندر مختلف قسم کی زمینوں پر بنائے گئے، ان میں مٹی کی قسم کی زمینیں شامل ہیں۔ ان مندروں کی تعمیر میں عام طریقہ اختیار کیا گیا کہ مندر کے منصوبے کے مطابق ایک بڑا خندق کھودا جائے، جس پر پتھر کے تکیے رکھے جائیں۔ پھر اس بستی پر چاروں کناروں کے گرد دو دائرہ دار دیواریں بنائی جائیں اور دیواروں کے درمیان خالی جگہ رکھی جائے یا کبھی کبھار مٹیا مٹی ڈھیر بھری جائے۔ مندر کے گرد ایک پلیٹ فراہم کی گئی جو مندر کو سہارا دیتا ہے اور کنارے میں دیواروں کو مٹی کو محدود رکھنے کی اجازت دیتا ہے۔ اس تکنیک کو "مٹی کا کشن" کہا گیا۔ تاہم، چھت، روف پینلز اور روف بیمز سے آنے والے سپر اسٹرکچر لوڈ کو عمودی ستونوں پر منتقل کیا گیا، جو بعد میں یہ لوڈس بیسمنٹ مٹی بھر کے ساتھ پوری طرح منتقل کرتے ہیں۔ اس طرح، بھاری ستون بھی مٹی بھر یا قدرتی بنیادی مٹی میں گہرے تک پہنچنے والے انفرادی بنیادوں نہیں رکھتے تھے۔ مندر کی دیواریں عموماً بڑے پتھروں سے بنائی گئیں، جن میں دو پرتھوں کی دو فریموں کی عاملیں شامل ہیں۔ ان کی دار میانی جگہ خالی رکھی گئی ہے۔ اس سے مقامی طور پر ہوا کی تنظیم ہوتی ہے۔ اوپر کی چھت بھی ایک مشابہ خصوصیت رکھتی ہے۔ یہ بھاری ساخت کے بوجھ کو کم کرنے کے لیے کیا گیا ہے، بنیادی بیس پر دباؤ کم کرنے کے لیے۔ سکھرا بھاری پتھر کی بنائی گئی ہے تاکہ گربھ گرہ کی سپر سٹرکچر پر بوجھ کم ہو۔ یہ پتھریں کاکاتیوں کے تعمیر کاروں کی انجینئرنگ مہارتوں کا واقعی اظہار ہیں۔

دو قسم کے مندر ہوتے ہیں، ایک ہنگامی مندر اور دوسرا تین ہنگامی مندر، عام طور پر ٹریکوٹہ کہلاتا ہے۔ ہنگامی مندر میں پانچ اقساط

ہوتی ہیں۔ پہلی قسم میں گربھ گرہ، انترالا اور منتاپا ہوتی ہیں جس کے تین دیواروں پر تین سمتوں پر بالائیں کے تین پوچھے جاتے ہیں۔ دوسری قسم میں گربھ گرہ، انترالا اور منتاپا ایک ہنگامے کے ساتھ ہوتی ہیں۔ تیسری قسم میں صرف گربھ گرہ اور انترالا ہوتی ہے۔ چوتھی قسم میں گربھ گرہ ایک کھلے منتاپہ کے پیچھے ہوتی ہے اور آخری قسم میں صرف گربھ گرہ ہوتی ہے۔ کاکتیہ مندروں میں پالمپیٹ، ہنامکونڈا، پللامری، اور نگلپد وا اور دیگر جگہوں پر جیسے مچیرلا، گورزالا وغیرہ میں سنگیتی سرزمینیں بھری ہوئی ہیں، چھت اور کھمبے شاندار طرح سے کاروباری ہوتے ہیں، چھت اور دیواروں کی بہترین کھودائی ہوتی ہے۔ کمرانی اور کھمبے الابتاجیمشاہدہ کرتے ہیں، سیاق وسباق اور کھمبے کو عمدہ طور پر نقش بندی کی گئی ہے۔ دھڑ کی بیرونی جھیل میں اصطکاکی بینڈوں سے آراستہ ہے جس میں خدا، خداوند، رقصاں، موسیقار، ہاتھی اور پودے کے ڈیزائن شامل ہیں۔ کلون کی بندوقوں کے بیرونی روبرو میں ایک خوبصورت کالے پتھر کیچھبی ہے۔ کھمبوں میں مختلف کام کی بہترین بنیاد ہے۔ ان کے پلاک مختلف اشکال کی زیادہ سے زیادہ تنوع کا مظاہرہ کرتے ہیں، جسے جرات مندی سے چھوٹا یا انجام دیا گیا ہے۔ سب سے نمایاں خصوصیت کے بریکٹ شکلی ہوتی ہے۔ عام طور پر وہ خواتین کے رقص کرنے کے مختلف مواقف میں چھایا گیا ہے۔ شمالی دیواریوں کے کھمبے میں ایک جوڑی خواتین کے رقص کرنے والوں کی چھائیں بنائی گئی ہیں۔ بنیادی سنگیت کی اشیاء میں رقصرات اور کولٹہ سیاق وسباق کی قسمیں شامل ہیں۔ کچھ احکامی موسیقی کے ماہرین کے مطابق، یہ نمونے رقص کی اصلی شیوائیات کو ظاہر کرتے ہیں۔ مندر کے نقشات میں ایک رقاصہ فیگر کی مثالیں شامل ہیں۔ ان کے پریفورم ہاتھوں میں نقصان کی وجہ سے آگے جھکی ہوئیں، اور کمر میں ایک مختصر منحنی ہے۔ چپٹے دھاری کی صورت میں سر کے پاس میں بیدھت کا اشارہ کیا گیا ہے، اور کمر میں ایک اودھتی صورت میں پوزشن کی وجہ سے ایک بائیں ٹانگ کی موجودگی ہے اور دائیں ٹانگ مضبوط طرح زمین پر ہے۔ چیچ بند درمیان کا پرکھا گیا ہے جو مختلف تصویریں میں رقص کرتے وقت مکمل پوزیشن کو ظاہر کرتی ہیں۔

1.4 مذہب (Religion)

تمام کاکتیہ حکمرانوں میں گنپتی دیوا مذہب کا بڑا سپورٹر تھا۔ انہوں نے براہمنوں کو اگرہار اگاؤں دینے کا فیصلہ کیا اور اپنے براہمنوں کی حمایت کو تانبے کے پلیٹوں پر ریکارڈ کیا۔ کاکاتیوں کے حکومت کے دوران، مذہبی ترقی کے بہت سے مواقع دیکھے گئے، جو جینسم کی کمی اور شیوا سیکٹس کی فروغ اور ویشنوویت کے پھیلاؤ کی ویں تھا۔ کچھ عرصہ کی ترقی کا مختصر تجزیہ درج زیر ہے۔

1.4.1 بدھ مت

چھٹی صدی قبل از مسیح میں گنجنہ سیما میں بدھ مت اور جینیزم کی شروعات اور ان کی شاندار کامیابی بہت اہم ہے۔ کرمنگ ڈسٹرکٹ کے پیڈپالی کے قریب دھولیکٹا پر اثرات نمایاں ہیں کہ لوگ اس نئی مذہبی عقیدت کو خوش آمدید کرتے تھے۔ حال ہی میں اس جگہ پر ایک سنگیتی کلپ میں، جیسے کہ انفرادی ثبوت بتاتے ہیں، دوسری صدی قبل از مسیح کی دور کی ماسوائی دھولیکٹا ایک دوسرے کی ڈوم پر مبنی ہے۔ بدھے کا شروع ہوا، جو پوری طرح سے دوم کی چھڑائی پر بنایا گیا ہے۔ ہارمیکا اور چھتراولی کی طرف بھی کربینگ ممبران کے باقاعدہ اعضا چھپے ہوئے تھے، جن کیکچھ باقیات کھدائی میں ملیں ہیں۔ مجسماتی نقشوں پر پانچ فوٹی مچھلند اناگا، بودھی درخت، مہاینسکرمینا وغیرہ شامل ہیں، اور کچھ

ریلیفس دوسری صدی قبل از مسیح کی لیبل انسکرپشن کی ہیں۔ بدھ مت کا اب مذہب کے عینی وجود کا وقت کے ساتھ ختم ہو گیا تھا۔ مشہور بودھمت کے ارما بھارتی مذہبی مقامات بن گئے تھے، جو بڑی شہرت حاصل کر گئے تھے۔ ان مقامات میں گایا کی بڑھتی ہوئی پیدائش کا بڑھتا ہوا اثرات ہے۔ چند چارہ گراں مہانت پر ہندوستانی مذہب کے تمام مکاتیب کی خصوصیت ملتی ہے۔

1.4.2 جین مت

ابتدائی کاکتیوں نے جینوں کی سرپرستی کی۔ بیٹ اول کا سنیگارم نوشتہ جو کہ 1051 عیسوی میں جیانا بسادی کو تحفہ درج کرتا ہے جسے یودھاملا جنالایا کہا جاتا ہے۔ میڈرا راجا اول کا بناجی پیٹ کا نوشتہ کاکتیہ بیٹا دوم کی طرف سے جین بسادی کو ایک تحفہ درج ہے۔ پرولا II کے پدمکشی مندر کا نوشتہ 1117 عیسوی میں کدلالایا بسادی کی تعمیر اور اس کے وزیر کی بیوی میلما اور اس کے شوہر میڈارا جا II کے ذریعہ اوقاف کو ریکارڈ کیا گیا ہے۔ کدلایا پدمکشی کا کنڑ نام معلوم ہوتا ہے۔ ہنوما کونڈا کے قریب پہاڑی پر دیوی پدمکشی کسی شک سے بالاتر ہے کہ یہ ایک جین دیوتا ہے حالانکہ اس وقت اس کی پوجا سیوا مادر دیوی کے طور پر کی جاتی ہے۔ جین تیرتھکارس کی تصویروں کے درمیان واقع اس دیوی کی شبیہ کو بعد کے کاکتیوں کے سیوا جھکاؤ کے مطابق سیوا دیوی نہیں مانا جا سکتا۔ مذکورہ جین کا افسانہ بذات خود ایک سیوا میں دوبارہ تخلیق کیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دیوی اصل میں پدماوتی ہو، یا کسسووری یا پارسوناتھ کی ساسانا دیوی، تئیسویں تیرتھکارہ۔ اپیپاریا نامی ایک جین شاعر اپنے جنیندر کلیان ابیودا میں بیان کرتا ہے کہ اس نے کاکتیہ کمار رودر دیوا یعنی پرتاپ درا کے دور میں اپنا کام مکمل کیا۔ یہ اس بات کا بھی اشارہ ہے کہ کاکتیہ دور کے اختتام تک تلنگانہ میں جین مت کی ترقی ہوئی۔ ان دنوں کے کچھ جین مراکز بیزواڑا، بکاولو، گوڈیواڈا، دھرماورم، بھوگاپورم، پینو گونڈہ، رامتیرتھم (ویزاگ)، ہنمکونڈہ، دانولپاڈ (کڈپاہ) دھرماورم (اونگول) وغیرہ تھے۔ بیزواڑا ایک اہم جین مرکز تھا۔ اس جگہ پر سرولو کسریامو، کٹا کبھارانہ جنالاموو غیرہ اچھی حالت میں تھے۔

1.4.3 سیوازم

چلوکیوں کے بعد آنے والے کاکتیہ کم از کم پرولراج دوم کے والد تریبھونا ملا بیتاراج کے زمانے سے ہی شیوا کے عقیدت مند تھے۔ ودیاناتھ کے پرتاپ رودرا یاسوبھوشنم کے مطابق، خاندان کو کاکتیہ نام اس لیے ملا کیونکہ وہ کاکاتی کے نام پر دیوی دوا کی پوجا کرتے تھے۔ ورنگل میں دیوی کاکتی کے لیے ایک مندر تھا۔ بہت سے ساؤیت فرقے کاکتیوں کی سرپرستی میں پروان چڑھے۔ بیٹا اور اس کے دو بیٹے درگا اور پرولا دوم رامیشورا پنڈیتا کے شاگرد معلوم ہوتے ہیں، جو ایک عظیم کالمکھ استاد ہیں۔ گنپتی دیوا کے زمانے میں "گولکی مٹھ" نے تلنگانہ میں کئی مقامات پر اپنی شاخیں قائم کیں اور اس کے پوپ وشویشورا شیوا دیوا گنپتی کے دیکساگرو بن گئے۔ ایسے خوشگوار ماحول میں ویرا سائیوا تحریک نے زمین میں کافی ترقی کی ہے۔ ادب اور نوشتہ جات سے، ہم یہ سیکھتے ہیں کہ شیوا کی اس کی خوفناک شکلوں - بھیرواا اور میلارا - کی پوجا کاکتیہ دور میں بھی مقبول تھی۔ ایسا لگتا ہے کہ عبادت کی اس شکل نے لوگوں کو پرجوش عقیدت اور بے باک بہادری کی ترغیب دی ہے۔ سال 1261 عیسوی میں ملکاپورم کا نوشتہ، چار اہم سیوا اسکولوں کا ذکر کرتا ہے جو تیلگو کے علاقے، پاسوپتا، کلانانہ، سیوا سانا اور سیوا میں پروان چڑھے تھے۔ ان تیلگو

کے علاوہ، ادب سدھا اور ویراسائیوا اسکولوں کا تعارف کراتا ہے۔ 1290 عیسوی کے تریپورانتکم کے نوشتہ جات میں سے ایک میں ویروراتا، مہیشور، سیوا، پاسوپتا، مہاورات، کالمکھ، یاملا اور بھیروا کا ذکر ہے جو ظاہر ہے کہ سیویوں میں مختلف فرقے تھے۔ ویراورات اور مہاورات بالترتیب ویراسیواس اور کپا لیکا کے ساتھ ایک جیسے ہو سکتے ہیں۔ تاہم، یا میلوں کی شناخت فی الحال ممکن نہیں ہے۔ تاہم، زیادہ تر مجموعوں کے درمیان فرق جیسا کہ میسوراس پاسوپاتاس، سیواس اور کالمکھاس برائے نام دکھائی دیتے ہیں۔

1.4.4 وشنوازم

اس خطہ میں سری رامانوجاچاریہ کے پرچار سے بہت پہلے وشنوزم تلنگانہ میں داخل ہوا۔ دوسری صدی قبل مسیح میں دیوی ناگنیکا کا نہاگھٹ نوشتہ ناگنیکا کی دعا کے ساتھ کھلتا ہے۔ دوسری صدی قبل مسیح دوسرے ویدک دیوتاؤں کے علاوہ سنکرسن واسودیو کی دعا کے ساتھ کھلتا ہے۔ یہ شاید اس خطے میں وشنومت کا قدیم ترین ثبوت ہے۔ سری وشنوافرقہ جو ناتھمونی نے شروع کیا تھا، رامونوجاچاریہ کے تروپتی کے دوروں سے بہت پہلے تیلگو خطے میں پھیل گیا۔ 1023 عیسوی کے ایک نوشتہ سے پتہ چلتا ہے کہ باپٹلا میں بھونارائن کا مندر سری وشنواؤں کے قبضے میں تھا۔ ساحلی علاقے میں بھٹار اور کنڈادری خاندان، جو جنوب سے ہجرت کر کے آئے تھے، آباد ہوئے اور سری وشنوزم کا پرچار کیا۔ نیلور سری وشنوزم کا مرکز بن گیا اور اسے تیلگو چوڑوں کی سرپرستی حاصل رہی۔ پالناڈو کے علاقے میں، برہمنایڈو، ہری ہر ابادشاہوں کے وزیر اعظم سری وشنوزم کے سخت پرچارک بن گئے۔ انہوں نے تمام ذاتوں کی مساوات کا پرچار کرتے ہوئے معاشرے میں اصلاح کی تحریک شروع کی۔ اس نے پنچموں کے لیے بھی دروازے کھول دیے تاکہ ان کو وشنومت میں تبدیل کرنے کے بعد مچھرلا کے چننکیسوا مندر میں داخل ہوں۔

اگرچہ تلنگانہ کا خطہ ساؤیوں کا گڑھ تھا، لیکن ہم اس خطے میں وشنومت کے دخول کو دیکھ سکتے ہیں۔ لِنگا گیری، بروگوگڈا اور مکتلا میں پائے جانے والے نوشتہ جات کچھ وشنوائی اثر اور لِنگا گیری میں وشنوائی مٹھ کے وجود کی نشاندہی کرتے ہیں۔ Kridabhiramam سے مراد سریکاکولم کے مہاوشنو مندر میں تہواروں کا جشن ہے جہاں سڑکوں پر ڈرامے بنائے جاتے تھے۔ کاکتیہ بادشاہوں نے وشنو کی مورتی تریکوٹہ مندروں میں نصب کی تھی۔ انہوں نے چننا کیسوا کے مندروں کو گرانٹ دی۔ جگتیالا کے علاقے میں، دھرم پوری، بیرپور، ویلولہ، نالہ گونڈہ، نامپلی اور نرسمہلو پلے کے مندر وشنویم کے اہم مراکز ہیں جہاں نرسمہا کی شکل میں وشنو کی پوجا کی جاتی ہے۔ تلنگانہ کے علاقے میں ویلاما سرداروں نے پرتاپردرا کے زمانے میں وشنومت کی سرپرستی کی۔ سیومت کے پیروکار ہونے کے باوجود کاکتیوں اور ان کے عہدیداروں نے وشنو مندر کی بہت سی گرانٹ دے کر سرپرستی کی۔ مثال کے طور پر، پیڈانڈ یپڈو کیفیات، کاکتیہ کے وزیر گوپاراجو رمنا نے پیدانندی پاڈو گاؤں، ونوکونڈہ پاراگنا میں مدنا گوپالا سوامی کے ایک وشنو مندر کا تقدس بخشا اور دائمی روشنی کے لیے ایک میدان عطا کیا۔ ریتورو گاؤں سے ایک اور کیفیات (13 ویں عیسوی)، ونوکونڈہ پراگنا میں بتایا گیا ہے کہ ناگارجو کے ایک مخصوص لکشمی پتی بیٹے نے لکشمی نرسمہا سوامی کی تصویر کو مقدس کیا اور تہواروں اور دائمی روشنی کے لیے کچھ پتیکا زمین عطا کی۔

1.5 ادب کا ارتقا (Growth of Literature)

1100ء–1350ء کے درمیان تلگو علاقہ بڑی ادبی فعالیت کا دور تھا۔ کاویاس، پر بھندز اور دیگر قسم کی ادبی کتابیں تصنیف کی گئیں۔ بادشاہ، بادشاہیں، نواب، فوجی حکمران اور دیگر بڑے اشخاص شاعری کو اہمیت دیتے رہے۔ کاویا ادب سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ صرف بادشاہوں نے ادبی افراد کو حمایت دی لیکن شاہی لکھاؤ کی مدد سے، واضح ہوتا ہے کہ بادشاہیں اور دیگر اہم شخصیات بھی شاعروں کی حمایت کرتے تھے۔ ایسی کئی سنسکرت کتابوں اور بہت سی انکرپشنز کی بہترین مثالیں اس دور کی ادبی فعالیت کی تصدیق کرتی ہیں۔ انکرپشنز کی لکھی گئی معلومات بتاتی ہیں کہ کاکاتیوں کی ادب کی حمایت ہوئی۔ مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ ابتدائی طور پر تلگو زبان ایفیشل زبان نہیں تھی اور وہ ابھی بھی سنسکرت پر انحصار کرتے تھے۔ بہت کم تلگو کی کتابیں انکرپشنز کی طرف سے حمایت کی گئی تھیں۔ کاکاتیوں کے راج محکمہ سے کوئی کام نہیں رپورٹ کیا گیا جو تلگو کا تھا۔ کاکتیہ کورٹ میں دو سو تلگو شاعروں کی موجودگی کا حوالہ ہے، جن کے انتہائی اہم حصول اور دیگر تفصیلات معلوم نہیں ہیں۔ کئی ذیلی حکومتی خاندانوں، فیوڈل افسران اور فوجی جنرلز نے اپنی سطح پر تلگو ادب کو فروغ دینے کی کوشش کی، لیکن ہمیں مرکزی خاندان کی حمایت میں پیدا ہونے والی تلگو کی کتابوں کا مکمل علم نہیں ہے۔ اس دوران جاری ریکارڈز کی تعداد اور اس دوران پیش کی گئی ادب، ہمیں سنسکرت اور تلگو ادب کی حیثیت کا تخمین لگانے کی اجازت دیتی ہیں۔

1.5.1 سنسکرت ادب

سنسکرت کی دوسرے الفاظ میں کاکاتیا دور کی ادبی فعالیت میں سب سے پہلی جگہ ہے۔ کاکاتیوں اور ان کے ذیلی حکمرانوں کے کئی ریکارڈز سنسکرت کی افضل حیثیت کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس دور میں اچھی صلاحیت کا اظہار کیا گیا اور مختلف سنسکرت ریکارڈز میں چھوٹے کاویوں، سخت کور اندراجی کو میوزیشنز اور غیر معمولی بندھوں کو فریم کرنے میں عظیم مواہبت دی گئی۔ اچنتیندرا، نرسنگھ، نگادیو، ہرہراریا، گنگادھر، میور سوری، ایشورا بھٹوپادھیا، دیوا نبھٹا، نادیمتر، بالا بھارتی اور کوبچکرورتی اس دور کے اہم انکرپشنل شاعر تھے۔ ادب کی بات کرتے ہوئے، پرتپارودریامیاپرتپارودریاسو بھوشنم وڈیاناتھا کی رہنمائی میں لکھی گئی ایک مشہور کتاب ہے۔ اس کے علاوہ اس دوران کئی دیگر کتب بھی معروف ہیں۔ سکالیاملہ، جو پرتپارودریا کے دار بار میں بھی تھے، نے اداتاراہو و کویا اور نیر و شتیارامایناکھیں۔ گندی بھٹّو نے ایک ایڈوائٹا کی کتاب کھنڈن-کھنڈ-خدیا پر شرح لکھی۔ وڈیادھر نے ایکاولی لکھی۔

کاکتیوں کے ادبی حامیوں کے علاوہ، فوجی جینرلز، صاحبان وراجے بھی سنسکرت ادب کی فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ جیپ، جنرل اور گنپتی دیوا کے بھائی، نرترتناولی میں نٹیا، ابھینیا، کرن، انگاہرا وغیرہ پر بات ہوئی۔ انہوں نے موسیقی اور موسیقی کے سازوں پر بھی کتابیں لکھیں۔ بادشاہ پرتپارودرا خود بھی ایک عالم اور شاعر تھے اور ان کا معلوماتی کتاب، یایاتی چرترا اور اوشار گودیہرا لکھی گئیں۔ کولانی رودرا نے اپنی مخدوم کتاب، سلوکاوارٹی- کویا خوا لکھی۔ روپاتی تریپورنیکا نے ایک وڈھی، پریمبھرمام، لکھی۔

1.5.2 تلگوادب

تلگو کے مقام کے بارے میں مختلف انکرپشنز تصنیف کی گئیں تھیں تاکہ ان کے شاعروں کی معلومات اوران کی شاعری کی تحصیل کی تصدیق ہو سکے۔ رددردیوہ اور کیتتنیاکا، گناپتیدیو کے جنرل، کی زمانے کی بہترین مثالیں ہیں۔ تلگو زبان کے پرانے اور نیا طریقوں کی کئی باتوں کی تصدیق ہوتی ہے۔ ایک گاؤں کی بات ہے کہ "تلگو کو زبان، ثقافت اور ادب کی بہترین مثال کا انقلابی عمل" ملے ہے۔ اس علاقے کی مرکزی حیثیت ڈیکن کی طرف سے اس کی مدد کرتی ہے۔ ٹکانا کی 'نریوچن اٹرارامایانا' اور 'آندھر مہابھارت'، جنھوں نے کاکاتیا کورٹ کا دورہ کیا، اس دور کی تلگو ادب کو تخمینہ لگانے میں پہلے ذکر کے لائق ہیں۔ کمار ردرا، مرایاصاحنی کا بیٹا، جو بادشاہ پرتپاروودرا کے جنرل کا ایک حصہ تھا، بھاسکار رامایان کے ایوڈیہ کانڈاکا مصنف قرار دیا جاتا ہے۔ گونابدراجا، جو کاکاتیوں کی بیٹی کے ذیلی خاندان کا تھا، نے رانگناتھ رامایان لکھا، جو ویراسیوا شاعروں کے ڈوپاڈہ شیل میں تھا۔ کمرا سمبھو ویجنا نشوریام اور داسکمراچرتر تلگو میں کئی کاویوں میں سے پہلی کوششوں کے طور پر ادبی ہیں۔ مارانا اپنے 'مارکنڈیاپرانم' کو بھوت پرتپاروودرا کے ایک جنرل، گننیا، کے نام پر وقف کرتے ہیں، جو مسلمان فتح کے بعد اپنا مذہب تبدیل کرتے ہیں۔ مدیکی سنگانا نے اپنی 'سکالانیتی سماتم' میں حکومت کی گئی سیاست کے بارے میں کئی شاعری کا حصہ شامل کیا۔ اگرچہ مکمل متن دستیاب نہیں ہے، لیکن اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں کئی سیاست کی کتابیں لکھی گئیں۔ نیتیسار، کمنڈکا، پورشار تھسارا، نیتیشاستر مکتاوالی اور سومتسا تکاان معروف کتابوں کی مثالیں ہیں۔ کاکاتیوں کی ریکارڈز میں ذکر ہوتا ہے کہ پرتپاروودرا نے نیتیسار لکھا اور پورشار تھسارا سیوادیوے، پرتپاروودرا کے وزیر نے، لکھی۔ سیوادیوے کے علاوہ انہوں نے 'پراپراوساین' اور سٹاکا کے ساتھ سیوادیوے لکھیں۔ بعد کے لکھنے والوں نے سرابھرجاکوی نے سیوادیوے کی تعریف کیا جو سنکرتنتھر کو یاپتھامہ کہلایا۔

1.5.3 رقص

قبائلی لوگوں، عوام اور افراد کی درجہ بندی میں رقص کی ہنر کو بہترین طریقے سے مزید اہمیت دینے کی ضرورت پیش آئی، جس نے مارگا (بڑے روایاتی) اور دیسی (خفیف روایاتی) دونوں میں رقص کے فن کی تصویر کو شروع کیا۔ کاکاتیا میناروں کی دیواروں پر رقص کرنے والے سنگتوں اور نٹاراجا، رقص کے بادشاہ، کی تصاویر اس کے اہمیت کو ظاہر کرتی ہیں۔ معاصر ادبی اثاثے جیسے 'پنڈیتراڈھیاچارتر' اور 'بسویا پورانم' میں موجود مختلف رقص انداز کی وضاحت کی گئی ہے۔ رقص کے فن کی دو شاخیں، مارگا اور دیسی، جمع کرتے ہوئے خفیف اور قبائلی رقص کو کلاسیکی رقصوں کے مترادف بنایا۔ کلاسیکی رقص کو مردانہ تانداوا اور عورتوں کا لسیہ کو دھیان میں رکھتے ہوئے ترقی دی گئی۔ ٹکانا تلگو مہابھارت میں کئی رقص اندازوں کا ذکر کرتے ہیں جیسے ڈنڈالاساکا، کنڈالی، پریمکھانا اور پرینی۔ اس دوران، دیسی رقص کا انداز بہت مقبول تھا۔ جے پاسینانی نے اپنی 'نرتترتنوالی' میں دیسی رقص کے انداز کی وضاحت کی ہے جیسے پوشپامجلی، گودھلی پیرنی، پریمکھانا، کارکاری، رساکم، سیواپریا چنتو، کنڈکا، بھنڈیکا، غنٹیسانی، چارو، بہوروپا اور کولاٹا۔ گونڈلی کو کنالیسز تیا کی ایک قسم کہا جاتا تھا۔ یہ ناٹیا دونوں مارگا اور دیسی انداز میں کھیلا جاتا تھا۔ جوان عورتیں اور لڑکیاں اسے ہیلے یا چھریوں میں خود کو رکھ کر کھیلتی تھیں۔ 'نرتترنوالی' کہتی ہے کہ مغربی چالوکیا بادشاہ، بہلوکاملا سومیسوارا، اس قسم کے رقص کا ابتدائی موجد تھا۔ چنڈوساویت گروپ رقص ہے جس میں رقاصین دو صفوں میں تقسیم ہوتے ہیں، ہر ایک

دوسرے کے مخالف یا گردش کرتے ہیں جبکہ مردانی رقاصین نسوانی رقاصین کی جگہوں کی باریوں میں الٹی روٹیں ہوتی ہیں۔ کولاٹا بسویا پورانم میں ذکر ملتا ہے۔ اسے مردان اور عورتوں دونوں نے ہاتھ کی چھڑیوں کے ساتھ کھیلا۔ زیادہ تر یہ رقص پروسیشنل دیوتاؤں کے سامنے کھیلا جاتا تھا، کاکاتیا میناروں کی دیواروں پر مثالی تصاویر عموماً اس رقص کے فارم کو ظاہر کرتی ہیں۔ کنڈوکرداد وسری قسم کا رقص تھا جس کو بالوں کے ساتھ کھیلا جاتا تھا۔ 'کردا بھرنم' میں جوان لڑکیوں کے بالوں کے ساتھ کھیلنے کا خوبصورت بیان دیا گیا ہے۔ پلنٹیو یر چاریتر امیں، اس کھیل کا حوالہ ہے۔ پالا پیٹ کی ایک مدانیکا نے کنڈوکا بھینیا (رقص کا اشارہ) ادا کیا۔ اُس کا دایاں ہاتھ اُس کے سر کے اوپر بلند کیا گیا اور ایک بال (کنڈوکا) پکڑا۔ 'نرتتر نوالی' کے مطابق، یہ بالوں کو سونے، چاندی، پیتلیا لکڑی سے بنائے گئے تھے، جن میں چھوٹے لوہے کے بال بھری ہوتی تھیں جو جھنکارنے کی آواز پیدا کرتے تھے۔

'کردا بھیرامم' دوسری قسم کے رقص کا حوالہ دیتا ہے جس میں ایک نوجوان رقص گرل پیچھے سے قدم رکھتے ہوئے، ایک ناک کے زیور کو پانی کے گھونگھری کے نیچے رکھتی ہے، اپنی ناک کو اس کے ساتھ زیور دینے کے لئے، اور اپنی زبان سے جلدی جلدی چھوٹے سیاہ شیشے کو گردن میں تھراتیہے، جبکہ رقص کے عمل کو منظم کرتے ہوئے۔ پالا پیٹ، غنپور اور بیجاملی کی مندروں میں موجود مجسمہ جات انتہائی خوبصورتی سے رقص کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ کاکاتیا دوران رقص کی فن کی بلندی کی سطح کی تصدیق کرتے ہیں۔ یہ رقصی مجسمات کو عموماً تین اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، یعنی۔ 1. رقصیں، 2. رقص کے موقع پر خدائی اور خدائیاتی اور 3. دیسی رقص کی متنوع اشکال میں مختلف شخصیات۔ پالا پیٹ مندر میں رقص کی شخصیات میں، دروازے کی دھجی کے ساتھ دیگر رقص گرل کے ساتھ ناگنی کے خوبصورت شکلیں موجود ہیں۔ ناگنی کو دائیں ہاتھ میں ایک سانپ پکڑتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ بائیں پاؤں زمین پر مضبوط ہے، کمر کو دائیں طرف شگاف دی گئی ہے اور دونوں ہاتھ سر کے اوپر بلند کیے گئے ہیں۔ اگرچہ یہ مارگار قص کے کسی کارنے کی تصویر نہیں ہے، لیکن یہ ایک خوبصورت مقام کی چند خواتین رقاص کی خوبصورت پوزیشن کو ظاہر کرتی ہے۔ مرکزی شخصیت اور دائیں والی پہلی شخصیت معمول کی طرح بہترین لباس پہنا ہوا ہے؛ بائیں کولہا اُن خواتینی پروسیشنل اُپریٹر کرنے کے لیے بلند کیا گیا ہے۔ دایاں ہاتھ سر کے اوپر بلند کیا گیا ہے، جبکہ بائیں کوہنی کی جھکائی گئی ہے۔ غنپور مندر کی ایک رقص گرل کی شخصیت، جس کی پہلوانیاں نقصان دار ہوئی ہیں، سر کے ساتھ ایک طرح کا وضاحت کرتی ہے، اور کمر میں اُدواحت کی اصطلاحات؛ بائیں ٹانگ کو مچھلی کی طرح باہر کھینچا جاتا ہے جبکہ دایاں ٹانگ مضبوط طرح زمین پر رکھی جاتی ہے۔ پالا پیٹ مندر کے Sanctum Sanctorum کے سامنے کا چھل نمایاں رقص کی پوری پوزیشن کو مختلف تصاویر میں چھ صفوں میں پیش کرتا ہے۔ رقص گرل کو چھاکوں سے دیکھا جاتا ہے جبکہ مردانی اور عورتوں کو بھی تھپڑوں کے ساتھ رقص کرتے دکھایا گیا ہے۔ مدرس کو دیکھا جاتا ہے کہ ایک مدل سے دوسری میں مدرس کو دیکھا جاتا ہے، جو رقص کی پوزیشن کو مکمل شکل میں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

1.6 معاشی حالات (Economic Conditions)

کاکتیہ دور میں کھیتی باڑی لوگوں کا سب سے اہم پیشہ تھا۔ کاکتیہ شاہوں کی معاشی حالات کئی خارجی مسافروں نے اپنی تحریروں کے

ذریعے رپورٹ کی۔امیر خسرواور مارکوپولو جیسے خارجی مسافروں نے اپنی تحریروں کے ذریعے کاکتیہ شاہوں کی معاشی حالات کی خبریں دیں۔ کاکتیہ کیوں کاٹیاس نے کھیتی کے لئے ٹینک کھودے، جیسے کہ سیٹی سمندرم، کیری سمندرم، جگت کیسری سمندرم، وغیرہ۔ گنپتیدیو کے فوج کے چیف، رودر دیو نے پکالا ٹینک کھودا۔ راماپا ٹینک کو رچیرلا رودرا نے کھودا۔اس دوران، چاول، گندم، جوار، جوار، گنا، تیل کے بیج زیادہ تر کاشت کی جاتی تھی۔ مارکوپولو کی تحریرات سے لگتا ہے کہ خوشبو دار چاول اور گللو میں کاشت کیا جاتا تھا۔ کاکاتیہ سلطنت میں، اندھرا علاقہ خوبصورت کپڑوں اور کلمکاری ساریوں کے لئے مشہور تھا۔ رتنکمبلز اور مخمل کپڑے اور گللو میں اہم تھے۔ گٹھی کونڈا اور پلناتیسیما میں لوہے کی صنعتیں تھیں۔ مارکوپولو نے بتایا کہ گولکونڈا میں ہیرے کے کان کھدائے گئے۔ کاکاتیہ دوران، چندن، کھوپر کا تیل، کافور کا تیل، ہاتھی دانت، موتی، مونگے، پنگو گو، کالی مرچ اور کافور کو زیادہ تر برآمد کیا جاتا تھا۔ ریشمی کپڑے، کافور، عطر اور عربی گھوڑے اس دوران درآمد کیا جاتا تھا۔ گنپتیدیو کے ابھیائہ انسکرپشن موٹوپلی میں کاکاتیہ دوران کے برآمد اور درآمد کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے۔ کاکاتیہ دوران درآمد اور برآمد پر 30/1 واں کرایہ لگایا جاتا تھا۔ خارجی اور داخلی تجارت کو ویشیاس اور بالیجاس کے ذریعے منظم کیا جاتا تھا۔ان کے دوران، سونے کے سکے جسے گڈیانا یا نشکہ بھی کہتے تھے، میں دائرہ وار تھے۔

1.8 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

کاکتیہ کلیانی کے چالوکیوں کے جاگیر دار تھے۔ ریاست کاکتیہ کے بانی، پرتاپ رودر اول، 12 ویں صدی کے دوسرے نصف (c. A.D. 1162) کے دوران چالوکیہ حکمران، تلپاسوم کو شکست دینے میں کامیاب ہوئے۔ وہ 1185 کے آس پاس ویلانتی سرداروں سے کرنول ضلع پر قبضہ کرنے میں بھی کامیاب ہوا۔ گنپتی دیو (A.D.1199–1262) رودرمادیوی (A.D. 95–1262) اور پرتاپ رودر دوم (A.D. 1295–1326) خاندان کے دیگر اہم حکمران تھے۔ان کی حکمرانی آندھرا کے بیشتر علاقے میں گوداوری، کانچی، کرنول اور کڈپاہ اضلاع تک پھیلی ہوئی تھی۔ الغ خان (بعد میں محمد تغلق) نے A.D. 1322 میں پورے خطے پر قبضہ کر لیا اور اس طرح کاکتیہ کی حکمرانی کی قسمت پر مہر لگادی۔ کاکتیہ کی طویل حکمرانی کے دوران ثقافتی ترقی طویل عرصے سے اور مختلف شعبوں میں رہی ہے۔ فن اور فن تعمیر کا ارتقاء ان کے بنائے ہوئے مندروں کی وسیع رینج میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ادب، رقص اور مذہب کی ترقی کے علاوہ کئی صدیوں تک قائم رہنے والے اداروں کی تعمیر میں ان کا بے پناہ تعاون رہا۔

1.9 کلیدی الفاظ (Keywords)

آندھرادیسہ	:	منٹپا
تریکوٹا	:	بسدی
پنچامس	:	پربھنداس
کولادیوتا	:	پاسوپتی

1.10 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

1.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. کازیپیٹ انسکرپشن کس نے جاری کیا؟
2. ہنوما کونڈا انسکرپشن کس نے جاری کیا؟
3. کاکتیہ کوئین جس کو عام طور پر 'رایہ گج کیسری' کہا جاتا ہے؟
4. ہزار ستون والا مندر کس نے بنایا؟
5. پرتاپ رودرا سوبھوشنم کا مصنف کون تھا؟
6. *Nrittaratnavali* کا مصنف کون ہے؟
7. *Kridabhiramam* کا مصنف کون ہے؟
8. بسوا پورانم کا مصنف کون تھا؟
9. کاکتیہ دور کا مشہور رقص فارم کیا تھا؟
10. رامپا مندر کہاں واقع ہے؟

1.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. کاکتیہ حکمران رودر دیو کے بارے میں نوٹ لکھیں۔
2. کاکتیہ ملکہ رودرامادیوی کے فوجی فتوحات کا تفصیلی بیان کریں۔
3. کاکتیوں کی تاریخ میں پرتاپ رودر دیو کی شانداری کا جائزہ لیں۔
4. کاکتیہ دور میں ساؤسزم کی حیثیت کا جائزہ لیں۔
5. کاکتیوں کا تیلگو زبان اور ادب میں کردار کی وضاحت کریں۔

1.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. گنپتی دیوا کے زیر حکومت کاکتیوں کی سیاسی توسیع کی وضاحت کریں۔
2. کاکتیہ دور کے مذہبی حالات کے بارے میں لکھیں۔
3. کاکتیوں کی فن و معماری میں شراکت کی تفصیلی وضاحت کریں۔

1.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Jha, Bishwambhar, *Kakatiyas of Warangal, Circa A.D. 1000–1323*, Janaki Prakashan, Patna, 1994.
2. Krishna Reddy, N., *Social History of Andhra Pradesh (Seventh to Thirteenth Century)*, Agam Kala Prakashan, Delhi, 1991.
3. Nilakanta Sastri, K.A., *A History of South India: From Prehistoric Times to the Fall of Vijaynagara*, Oxford University Press, London, 1958.
4. Parabrahma Sastry, P.V., *Kakatiyas of Warangal*, Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 1978.
5. Ramakrishna, V. et al eds., *History of Telangana*, Andhra Pradesh History Congress in association with Potti Sreeramulu Telugu University, EMESCO Books, Hyderabad, 2016.
6. Rao, Somasundara ed., *Comprehensive History and Culture of Andhra Pradesh*, *Vol. IV*: *Medieval Andhra Desa*, *A.D. 1000–1324*, Andhra Pradesh History Congress in association with Potti Sreeramulu Telugu University, Tulika Books, New Delhi, 2011.
7. Sherwani, H.K. ed., *History of Medieval Deccan* (*1295–1724*), Two Vols., The Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 1973.
8. Sundaram, K., *Studies in Economic and Social Conditions of Medieval Andhra (A.D. 1000–1600)*, Triveni Publishers, Machlipatnam, 1968.
9. Talbot, Cynthia, *Pre-colonial India in Practice: Society, Region and Identity in Medieval Andhra*, Oxford University Press, New Delhi, 2001.
10. Yazdani, G. ed., *The Early History of the Deccan*, *Parts VII – XI*, Department of Archaeology and Museums, Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 2013 (first pub. in 1960).

اکائی 2۔ انتظامی آلات اور ریاست کی نوعیت: تسلسل اور تبدیلی

(Administrative Apparatus and the Nature of State: Continuity & Change)

اکائی کے اجزا

2.0 تمہید

2.1 مقاصد

2.2 مرکزی انتظامیہ

2.2.1 وزراء اور حکام

2.2.2 جُزوِی حکمران اور محکُوم

2.2.3 درمیانی عہدیدار

2.2.4 محکُوم اتحادی

2.2.5 گاؤں کی انتظامیہ

2.3 فوجی انتظامیہ

2.4 مالیاتی انتظامیہ

2.5 اکتسابی نتائج

2.6 کلیدی الفاظ

2.7 نمونہ امتحانی سوالات

2.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

2.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

2.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

2.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

2.0 تمہید (Introduction)

کاکتیہ بادشاہوں نے تلگو علاقے میں نیا جغرافیائی رجحان قائم کیا۔ انہوں نے پہلے خشک علاقے پر کنٹرول حاصل کیا اور پھر آہستہ آہستہ اپنے اثرات کو گنجان آباد اور خوشحال ساحلی علاقوں تک پھیلایا۔ یہ پچھلے سیاسی دوروں سے مختلف تھا جو کہ کرشنا اور گوداوری ندی کے ساحلی ڈیلٹا میں شروع ہوئے اور پھر اندرونی علاقوں کی طرف پھیل گئے۔ علاقائی لحاظ سے کاکتیہ ریاست کا ڈھانچہ پہلے کی چالوکیہ سلطنت سے مختلف تھا۔ کاکتیہ انتظامیہ کے مطالعہ کے ذرائع نوشتہ جات کے علاوہ مندرجہ ذیل عصری کاموں سے آتے ہیں۔:

1. رودردیوا Rudradeva کی کتاب "نیتی سارمو Neethi Saaramu "
2. بڈڈینا Baddena کی کتاب "نیتی سارامکتوالی Neethi Saara Mukthavali "
3. شیودیا Sivadevayya کی کتاب "پروشارد ھاسارم Purushaardha Saaram "
4. مڈکی سنگانا Madiki Singana کی کتاب "سکالانیتی ساتھم Sakalaneethi Sammatham "

انتظامیہ کی آسانی کے لیے کاکتیہ ریاست کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا: ناڈو Naadu (صوبے)، ستھلم Sthalam (اضلاع) اور گراما Grama (گاؤں)۔ ناڈو کی مثالیں رینا ڈو Renaadu ، پاکانا ڈو Paakanaadu ، کمانا ڈو Kammanaadu، سبینا ڈو Sabbinaadu ، مولکی ناڈو Muliki Naadu ہیں، جن کا ذکر مختلف کتبوں میں ہے۔ ناڈو کے مترادف سیمہ Seema ہے، جیسے گنڈیکوٹا سیمہ Gandikota seema ، سکلی سیمہ Sakili seema وغیرہ۔ ستھلم کی مثالیں گرندالا ستھلم Gurindaala Sthalam ، پنگالی ستھلم Pingali Sthalam ، مگتھلا ستھلم Magathala Sthala، گنگاپورہ ستھلم Gangapura Sthala ہیں۔ گاؤں سب سے نچلی سطح کی انتظامی اکائی ہے۔

2.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

یہ اکائی کاکتیہ سلطنت کے انتظامیہ پر بات کرتا ہے، جو کہ ایک مرکزی بادشاہت تھی جہاں حکمراں بادشاہ سب سے اوپر اور اس کے ماتحت افسران نیچے ہوتے تھے۔ یہ اکائی نایانکار انظام nayankaras system پر بھی روشنی ڈالتا ہے، جو کہ کاکتیہ دور میں شروع ہوا اور بعد میں وجے نگر Vijaynagar سلطنت نے اسے اپنایا اور تبدیل کیا۔ اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ :

- کاکتیہ انتظامیہ کے مختلف پہلو کو جانے گے
- مرکزی، صوبائی اور مقامی سطح پر انتظامیہ کے افسران
- نایانکار انظام کا ظہور
- کاکتیہ سلطنت کی فوجی انتظامیہ

- کاکتیہ دور کا ٹیکس نظام

2.2 مرکزی انتظامیہ (Central Administration)

دیگر علاقائی ریاستوں کی طرح کاکتیہ ریاست بھی حکومت کی ایک مرکزی شکل تھی۔ جیسا کہ دیگر ریاستوں میں تخت عموماً والد سے بیٹے کو منتقل ہوتا تھا۔ لیکن کاکتیہ سلطنت کے آخری دور میں حکمران بادشاہ اپنے جانشین کو ریاست کی حکومت میں شامل کرنے لگے تھے۔ اپنے آخری سالوں میں گنپتی دیوا Ganapatideva نے اپنی بیٹی ردرمادیوی Rudramadevi کو اپنے ساتھ شریک حکمران مقرر کیا۔ ردرمادیوی نے بھی اپنے پوتے پرتھاپاردر Prataparudra کو شاہی انتظامیہ میں شامل کیا۔ ریاست کا سب سے بڑا سربراہ، بادشاہ یا ملکہ، حکومتی نظام کا مرکز ہوتا تھا۔ تمام طاقت بادشاہ سے آتی تھی لیکن اس کی حکمرانی مکمل آمریت نہیں تھی۔ یہ دھرم اور پرانے مقامی رسم و رواج کی پابندیوں کے تحت تھی۔ بنیادی دھرم جو اسے ماننا ہوتا تھا وہ ورن دھرم Varnadharama تھا، یعنی ذات سے متعلق دھرم۔ بادشاہ کی ذمہ داری تھی کہ ہر ذات کا ہر فرد اپنے مخصوص دھرم کی پابندی کرے اور جو ایسا نہ کرے اسے سزا دے۔

2.2.1 وزراء اور حکام (Ministers and Officials)

کاکتیہ حکمرانوں کی مدد کے لیے بہت سے وزراء ہوتے تھے۔ اس دور کے کتبے اور تلگو ادب میں مہاپرادھان mahapradhans، پردھان pradhans، پریگیداس preggedas، اماتیا amatyas، اور منترین mantrins کا ذکر ملتا ہے، لیکن ان کے تنظیمی ڈھانچے یا بادشاہ کو ریاستی امور میں کس طرح مدد کرتے تھے، اس کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہیں۔

انتظامیہ بہتر بنانے کے لیے 72 نیوگا niyogas (شاخیں) بنائی گئی تھیں۔ ان کی نگرانی ایک سینئر افسر بہتتارا نیوگادھپتی Bahattara Niyogadihpati کرتا تھا۔ 1251ء میں گنپتی دیوا نے کاستھا چیف Kayastha chief گنگایاشینی Ganagayashini کو اس اہم عہدے پر مقرر کیا اور اسے نلگنڈا Nalgonda ضلع کے پانگل Pangal سے کولار Kolar ضلع کے کیورم Kaivaram قلعے تک کا علاقہ دیا۔

کاکتیہ حکمرانوں نے وزراء کو مختلف برادریوں سے منتخب کیا، کسی ایک برادری تک محدود نہیں رہے۔ مثال کے طور پر، ملا یالا ہیمادری ریڈی Malayala Hemadri Reddi اور میپیدینائیکا Muppidinayaka، جنہوں نے گنپتی دیوا اور پرتھاپا رودرا کی نمائندگی کی ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے وزراء کو اپنے لوگوں کی اہم ذاتوں اور طبقات سے منتخب کرتے تھے۔ عوامی خدمت کے عہدوں کے لیے منتخب کرنے کا عمل غالباً قابلیت پر مبنی تھا۔ ویلنکی گنگادھارا Vellanki Gangadhara کی مثال لیجئے، جنہوں نے پرولادوم کے تحت شاہی محل میں بطور عہدیدار کیریئر کا آغاز کیا اور بعد میں اپنی ثابت قدمی اور فرائض کی مؤثر کارکردگی کی وجہ سے اماتیا amatya, (وزیر) کے عہدے پر ترقی پائی۔ وزیر کی تقرری ہمیشہ خاص نشانات سے کی جاتی تھی جیسے پالکین palanquin، سفید

چھتری white umbrella ،اور خاص لباس۔اس کے علاوہ، جیوِتا jivita, یا ورتی vritti (زمین) بھی عطا کی جاتی تھی جو نیوگا niyoga(عہدہ) سے متعلق ہوتی تھی۔اس کے ساتھ قیمتی زیورات اور خوشبو کا تحفہ بھی دیا جاتا تھا۔کتنے وزراء بادشاہ کی خدمت میں ہوتے تھے اس کی صحیح تعداد معلوم نہیں۔ سکلانیتی سمرتامو Sakalanitisammatamu کے ایک حصے میں کہا جاتا ہے کہ پرانے تیلگو میں کامندا کموجو ,Kamandakamu کا ترجمہ ہے اور اس میں اکیس تیرتھس tirthas یا وزیروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن حقیقت میں اس نے صرف اٹھارہ کا نام لیا ہے جو نیچے دیے گئے ہیں۔:

1. منترین Mantrin
2. پروہت Purohit
3. منتری-جن-ادھیکشہ Mantri-jan-adhyaksha
4. سینیادھینائک Sainyadhinayaka
5. سنّیدھاتری Sannidhatri
6. آتاویکا Atavika
7. پراسسترا Prasastra
8. آیادھینائک Ayadhanayaka
9. ویواہریکا Vyavaharika
10. سماہاتری Samahatri
11. دھنادپالا Dahnadapala
12. درگاپالا Durgapala
13. پرانتاپالا Prantapala
14. پردیشتری Pradeshtri
15. کرمناتیکا Karmnatika
16. انتروامسک-ادھیکارا Antarvamsik-adhikara
17. یوراجہ Yuvaraja
18. دووریکا Dauvarika

یہ بات دلچسپ ہے کہ تیرتھس tirthas کی فہرست سنسکرت اور تیلگو کامندا kamandakas کی موجودہ ایڈیشنوں editions میں نہیں پائی جاتی۔ لغت نگاروں کے مطابق، تیرتھا کی اصطلاح 18 وزیروں کے گروپ کو ظاہر کرتی ہے، جو منترین

mantrin سے شروع ہوتے ہیں اور بادشاہ کی خدمت کرتے ہیں۔ 18 تیر تھوں کا ادارہ آندھرا سیاست میں بھی معروف ہے۔ مشرقی چالوکیان Chalukyan بادشاہ امادوم وجے آدتیاس ششم Amma II Vijayadityas VI (945-970 عیسوی) کے Mangallu plates منگلو کتبے 18 ایسے ہی تیر تھوں کا ذکر کرتے ہیں، جن میں منترین، پروہت، سیناپتی اور یوو راج شامل ہیں۔ جبکہ ان کے بڑے بھائی دانارنو Danarnava ااور ان کی اولاد کے کتبے داوریکا dauvarika ،پردانا pradana اور ادھیاکشا adhyaskha کے علاوہ دیگر وزیروں کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ اگرچہ کاکتیہ کتبوں میں اٹھارہ تیر تھوں میں شامل بعض وزیروں کا ذکر موجود ہے، لیکن یقین کے ساتھ یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ یہ ادارہ کاکتیہ دور میں واقعی پروان چڑھا تھا۔ تاہم یہ ممکن ہے کہ کاکتیہ وزیروں نے ایک کونسل یا کابینہ تشکیل دی ہو، کیونکہ پوروشارتاسارم Purushahtasaram کے مطابق بادشاہ کو روزانہ کے معمول میں وزیروں کے ساتھ ریاست کے امور پر باقاعدگی سے مشاورت کرنی چاہیے۔

اس تناظر میں ایک اور قابل ذکر ادارہ نیوگاس niyogas کا ہے۔ عدالت کے تمام طبقوں کے افسران چاہے وہ سول civil ہوں یا فوجی، اور شاہی خاندان کے افراد، جو ایک اعلیٰ عہدے دار کی نگرانی میں تھے، بہاتترانیوگادیپیٹھی Bahattaraniyogadhipathi کہا جاتا تھا۔ یہ قدیم عہدہ ابتدائی چالوکیان دور سے چلا آرہا ہے۔ مشرقی چالوکیان کے کتبوں میں اما اول Amma I کے دور تک نیوگادھکرتا niyogadhikrithai کا ذکر موجود ہے، نیوگادھکرتاہی niyogadhikrithai بعد میں مغربی چالوکیان دور کے بہتترانیوگادھیپتی Bahattaraniyogadhipati کا پیشرو تھا۔ کاکتیہ، جو اپنی تاریخ کے ابتدائی مرحلے میں مغربی چالوکیوں کے جاگیردار تھے، نے اپنے آقا سے نیوگاس کے افسران کی درجہ بندی سمیت دیگر سیاسی ادارے وراثت میں حاصل کیے۔

2.2.2 جُزوِی حکمران اور مَحکُوم (Petty Chiefs and Subordinates)

تلگو بولنے والے لوگوں کی تاریخ میں کاکتیہ حکمرانی کئی طریقوں سے منفرد ہے۔ ان حکمرانوں نے پہلی بار آندھرا ادیسا کو جغرافیائی شناخت دی۔ دکن کی معلوم تاریخ میں کاکتیہ حکمرانوں نے ایک نئے قسم کی سیاست کو فروغ دیا جہاں کوئی شان و شوکت، کوئی بڑے بڑے القابات اور کوئی بالادستی نہیں تھی۔ کاکتیہ حکمرانوں نے اپنی عظیم الشان حیثیت کا دعویٰ نہیں کیا۔ ان کے عام تعریف نامے یا ستائش میں بڑے بڑے القابات شامل نہیں تھے، جیسے کہ مہاراجادھیراج پرمیشور Maharajadhiraja Prasamesvara وغیرہ، جو اس وقت کے چھوٹے حکمران بھی اپنے ریکارڈ میں ضرور شامل کرتے تھے۔

مثال کے طور پر، چیرکو Cheruku حکمران جو شروع سے ہی رودر دیوا Rudradeva کے دور میں کاکتیہ حکمرانوں کی خدمت کرتے تھے، انہوں نے امرآباد Amarabad میں اپنے کتبے میں کاکتیہ حکمرانوں کا ذکر نہیں کیا۔ ایسا لگتا ہے کہ بہت سے ماتحت اور کبھی کبھار عہدیدار اپنے ریکارڈ میں حکمران بادشاہ کا ذکر کرنا بھول جاتے تھے۔ دوسری طرف کچھ اہم حکمران خود کو لمبے تعریف ناموں سے

سراہتے اور کاکتیہ حکمران کا سادہ لقب 'مہامانڈلیشور Mahamanadalesvara 'استعمال کرتے تھے۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ کاکتیہ حکمرانوں نے ماند لیکا Mandalika حکمرانوں کی قیمت پر سلطنتی طاقت کا استعمال کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کچھ مثالیں ایسی بھی ہیں جہاں ان کے اپنے عہدیدار بادشاہ کا نام نہیں لیتے تھے۔ مہاریا سکالا سیناپتی رودر دیوا Maharayasakala senapati Rudradeva نے اپنے درگی Durgi کتبے میں 1297ء میں پرتھاپارودر دیوا Prataparudradeva کا ذکر نہیں کیا۔ مذکورہ رودرا سیناپتی Rudra senapati پرتاپرودرا Prataparudra کے قابل اعتماد سپہ سالار تھے، جنہوں نے تریپورنتکم Tripurantakam کے علاقے میں امبادیو Ambadeva کو زیر کیا۔ اسی طرح، گنپتی دیوا Ganapathideva کے کمانڈر پڈایا Peddaya اور پوٹایا Potaya نے کرشنا ضلع کے کولاوینو میں ایک کتبہ نصب کیا، جس میں ان کے مالک کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ ایسی مثالیں اور بھی ہو سکتی ہیں۔ یہ رویہ عہدیداروں کی بادشاہ سے بے وفائی کو ظاہر نہیں کرتا، اور نہ ہی اس کا مطلب ہے کہ بادشاہ کا ان پر کوئی کنٹرول نہیں تھا۔

کاکتیہ حکمرانوں اور ان کے ماتحتوں کے درمیان یہ منفرد قسم کا سیاسی تعلق تقریباً دو صدیوں کے دوران ایک نئی قسم کی سیاست کو متعارف کرانے کی کوشش کو ظاہر کرتا ہے، جو سلطنت پسندی سے مختلف تھی۔ ماتحت حکمرانوں کو تمام معاملات میں آزادی دی گئی تھی، سوائے فوجی معاملات کے۔ بادشاہ کا واحد مقصد ان کی طاقت کو قابو میں رکھنا تھا۔ ان کے ریکارڈز اور ماتحتوں کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوعیت سے ہمیں یقین کرنا پڑتا ہے کہ انہوں نے محدود مرکزی نفاذ کے ساتھ غیر مرکزی قسم کی انتظامیہ کو ترجیح دی۔ وہ ہمیشہ مہامانڈلیشور Mahamandaleswaras کے طور پر رہے اور کبھی بھی اپنے ماتحت حکمرانوں پر سلطنتی طاقت کا استعمال کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ماتحت حکمرانوں کو چار اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1. سنگتی محکوم Associate subordinate جو جو شروع سے کاکتیہ حکمرانوں کے ساتھ وابستہ تھے، جب وہ کلانی کے چالوکیہ حکمرانوں کے ماتحت تھے، جیسے ویریالا viriyala اور نتاوادی حکمران Natavadi ۔
2. محکوم جو کسی خاص علاقے پر حکمرانی کے لیے مقرر کیے گئے تھے، جیسے ریچیرلا ریڈیز Recherla Reddies ، ملایالا Malayala، چیرکو Cheraku ، کاستھا Kayasthas ، اندلوری حکمران Indului chiefs ، ویلاما Velama اور گونا حکمران Gona chiefs ۔
3. محکوم جو جنگ کے ذریعے زیر کیا گیا اور علاقوں کے الحاق کے ذریعے، جیسے کوٹا Gona chiefs خاندان۔
4. محکوم جو شادی کے اتحاد کے ذریعے ماتحت بنے، جیسے ندوداولو کے چالوکیہ، ویریالا، نتاوادی، کوٹا اور اندلوری حکمران۔

ان چار اقسام کے ماتحتوں میں سے گیارہ خاندان کاکتیہ سیاست میں شامل تھے۔ کاکتیہ حکمرانوں نے اپنے حکمرانی کو ہموار بنانے کے لیے ان ماتحتوں کو اپنے کنٹرول میں لیا، جنہوں نے بدلے میں اپنے حکمرانوں کو مضبوط کیا۔ ماتحت حکمران سیاست، معیشت اور انتظامیہ میں اہم کردار ادا کرتے تھے، اور اس طرح انہوں نے کاکتیہ حکمرانی کی کامیابی میں کئی طریقوں سے مدد کی۔

حکمرانوں اور شہزادوں کے ساتھ اتحاد تلاش کرنا، جن میں سے کئی میدان جنگ میں شکست کھا چکے تھے، کاکتیہ حکمرانوں کی ایک تسلیم شدہ حکمت عملی تھی۔ زیر کیے گئے اشرافیہ کو اپنے وراثتی علاقوں میں اختیار برقرار رکھنے کی اجازت دی گئی، اور ان کے رعایا انہیں اب بھی بادشاہ سمجھتے تھے۔ دھرم وِجَیا Dharmavijaya ، ایک قسم کی خیراتی فتح، اتحاد بنانے کی ایک آزمودہ حکمت عملی تھی۔ کاکتیہ حکمرانوں نے کئی زیر کیے گئے اشرافیہ سے شادی کر کے اسے ایک قدم آگے بڑھایا۔ فوجی حمایت کے علاوہ کاکتیہ حکمران کو اپنے ماتحت اشرافیہ حمایتیوں سے اپنے بالادستی کی تصدیق کے طور پر کتبے ملتے تھے۔ آخری ساٹھ سالوں میں کاکتیہ حکمرانوں نے ابتدائی کاکتیہ بادشاہوں کے اصولی سیاسی نظریات کو ترک کر دیا۔ کاکتیہ ماتحتوں کی فیصد اور مقدار جو کسی شہزادے یا اہم خاندان سے نہیں آتے تھے، میں نمایاں اضافہ ہوا۔ بہت کم اشرافیہ حمایتی رہ جانے کے بعد افسر طبقہ کاکتیہ حکمرانوں کے لیے اہم حمایت کا ذریعہ بن گیا۔ ماتحت کی قسم میں تبدیلی کے ساتھ حکمران اور ماتحت کے تعلقات کی نوعیت بھی بدل گئی۔ یہ کاکتیہ حکمرانوں اور ان کے عہدیداروں کے درمیان پہلے سے زیادہ مضبوط تھا۔

اس صورت حال میں رودرمادیوی تلنگانہ اور کوسٹل Coastal آندھرا کے اشرافیہ خاندانوں سے زیادہ حمایت کی توقع نہیں کر سکتی تھیں، جو کاکتیہ حکمرانوں کے روایتی اتحادی تھے۔ اس وقت، انہوں نے معروف جنگجوؤں اور دیگر قابل لوگوں سے حمایت حاصل کرنے کے لیے نیا نیکارا پیش کرنے کی حکمت عملی اپنائی جو اشرافیہ نہیں تھے۔ اکامرانا تھا Ekamranatha پراتاپا رودرا چرترا Prataparudra Charitramu کے مطابق، پہلے مقرر کیے گئے لوگوں کی کمیوں کی وجہ سے پراتاپارودرا Prataparudra نے نئے ماتحتوں کا ایک ٹولہ نیایاکاس nayakas کے طور پر منتخب کیا۔ کئی کہانیاں بتاتی ہیں کہ آخری کاکتیہ حکمران نے نیایاکار نامی جنگجوؤں کا ایک ٹولہ جمع کیا۔ دارالحکومت شہر کی حفاظت کا کام پڈمانایاکاس Padmanayakas کو سونپا گیا۔ ان نئے منتخب پڈمانایاکاس نے پراتاپارودرا Prataparudras کے اعتماد کو ثابت کیا۔ انہوں نے کبھی بھی اپنی مضبوط دفاع میں کمی نہیں کی۔

2.2.3 درمیانی عہدیدار (Intermediate Officers)

کاکتیہ دور کی ریاستی سیاست کے کردار کو سمجھنے کے لیے درمیانی عہدیدار کی شناخت کرنا ضروری ہے جو انتظامیہ میں اہم کردار ادا کرتے تھے۔ دو بڑے ذیلی گروپ دیکھے جا سکتے ہیں: وہ جو شاہی حیثیت کا دعویٰ کرتے تھے اور دوسری وہ جو ایسی کوئی خواہش نہیں رکھتے تھے۔ ان دونوں کے درمیان سب سے نمایاں فرق ان کے نسب پر زور دینے کا ہوتا تھا۔ پہلے درجے کے امرا اکثر معروف خاندانوں جیسے چالوکیہ، چولا، یا پلاپا خاندان سے تعلق کا دعویٰ کرتے تھے جو کہ کشتریار Kshtriya تبے کے حامل تھے۔ کاکتیہ کے ماتحت اتحادی مختلف گروہوں سے تعلق رکھتے تھے؛ کچھ بڑے خاندانوں سے تھے جن کے پاس اپنے وسائل اور حامی تھے۔ جبکہ دیگر کا نسب بھی شاہی خاندانوں سے تھا اور وہ اپنی طاقت کے لیے کاکتیہ پر منحصر تھے۔ بارہویں، تیرہویں، اور چودہویں صدی میں کاکتیہ کے قائم کردہ اتحاد میں اشرافیہ اور افسران دونوں اہم تھے۔ لیکن اس وقت کے دوران اشرافیہ اور افسران کی شمولیت کا تناسب یکساں نہیں تھا۔ کاکتیہ کے زیر قیادت سیاسی نیٹ ورک میں جیسا کہ اتحادوں کا حجم اور ان کا اثر و رسوخ بڑھتا گیا، اس کا ڈھانچہ بھی ڈرامائی طور پر تبدیل ہوتا گیا۔ تاہم کاکتیہ کے آخری دو بادشاہوں نے اپنے پیشروؤں کی بالادستی قائم کرنے کی حکمت عملی کو ترک کر دیا اور علاقائی رہنماؤں اور سلطنتوں کے ساتھ ذیلی اتحاد بنائے۔ 1199-1323

عیسوی کے دوران، افسران کی اہمیت میں بتدریج اور نمایاں اضافہ ہوا۔ جبکہ کاکتیہ سیاسی نیٹ ورک میں حلیف حکمرانوں اور شہزادوں کا مقام کم ہوتا گیا۔

گنپتی دیوا کی حکمرانی کے بعد کاکتیہ طاقت کے ڈھانچے کی ایک ڈرامائی تنظیم نو کی نشاندہی ہوتی ہے جس میں کتبوں میں افسران کی تعداد میں اضافہ اور حلیف حکمرانوں اور شہزادوں کی سرگرمیوں میں کمی آئی۔ بعد کے عہدے داروں کے عنوانات اور القابات میں تبدیلی سیاسی درجہ بندی میں تبدیلی کا مزید ثبوت فراہم کرتی ہے۔ رودرما دیوی کے تحت ایک بالکل نئی فوجی دستہ تشکیل دی گئی جو 'انگرکش ' angarakshas یا محافظ bodyguard کہلاتی تھی۔ دوسرے طبقے کے افراد کی خاصیت یہ تھی کہ ان کے خاندانی ورثے کی نسبتاً کم اہمیت ہوتی تھی۔ 'افسر ''officer'' کا لفظ دوسرے گروپ کے لیے استعمال ہوتا تھا کیونکہ اس کا مطلب ہوتا تھا کہ فرد کی طاقت کا واحد ذریعہ ان کا آقا ہوتا تھا۔ برخلاف حکمرانوں اور شہزادوں کے جو اپنے خاندان کے بانی تک اپنا نسب بتا سکتے تھے۔، افسران عموماً صرف ایک یا دو نسل پہلے تک اپنے نسب کا پتہ لگا سکتے تھے۔ چونکہ ہمیں عموماً کسی افسر کے خاندان کے متعدد افراد کے ریکارڈ نہیں ملت۔، اس کے برعکس حکمران اور شاہی خاندانوں کے ہم فرض کر سکتے ہیں کہ افسران کے نسب نے ان کی حیثیت کے قیام میں بہت کم کردار ادا کیا۔

عہدے اور اس کی اہمیت سے منسلک عنوانات کی مقدار اور قسم ایک اور پہلو ہے جہاں امرا اور افسران مختلف ہیں۔ سب سے مشہور عنوانات 'پریگدا variantpradhan ' اور 'مہاپردھان mahapradhani ' تھے۔ عموماً کلرک کے معانی والے عنوانات جیسے 'کرنم Karanam '(کتاب رکھنے والا) کو پہچانا جا سکتا ہے۔ فوجی کردار کی طرف اشارہ کرنے والے عہدے، جیسے 'سینا پتی ' Senapati(فوجی کمانڈر)، 'ساہنی Sahini '(گھڑ سوار دستے کا قائد)، اور 'کوموپتی Comupati '(فوجی کمانڈر)، 'سنکادھیکار ' Sunkadhikar(ٹول کلیکٹر) اور 'بھندارو Bhandaru '(خزانچی سپروائزر) ہیں۔ 'نایکا Nayaka ' کا اعزازی عنوان، جو جنگی قیادت کی نشاندہی کرتا تھا، افسران کے لیے سب سے زیادہ استعمال ہوتا تھا۔ 'لینکا Lenka '، جو قرون وسطیٰ کے کرناٹک اور آندھرا میں ایک جنگجو کو ظاہر کرتا تھا، بھی ایک عام اعزازی عنوان تھا۔ لہذا کاکتیہ سیاسی نیٹ ورک میں مختلف درجات کے تعلقات شامل تھے جو محض وفاداری اور خدمت کے ذاتی تعلقات سے منسلک تھے۔ اپنی طبقے کے مطابق ماتحتوں کی کاکتیہ حکمران کے ساتھ اپنے تعلق کی شناخت مختلف ہوتی تھی۔ کاکتیہ کتبوں میں حوالہ جات بے ترتیب نہیں ہوتے تھے، کیونکہ اس میں بہت زیادہ تغیر پایا جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں، اتحادی حکمرانوں اور شہزادوں کے مقابلے میں، افسران کاکتیہ بادشاہ کے ساتھ اپنی وفاداری کو دوگنا ظاہر کرتے تھے۔

2.2.4 محکوم اتحادی (Subordinate Allies)

کاکتیہ حکمرانوں کے ماتحت اتحادی مختلف گروہوں سے تعلق رکھتے تھے؛ کچھ معروف سرداروں یا شہزادوں کے خاندانوں سے تھے جن کے اپنے وسائل اور حمایتی تھے، جبکہ دوسرے اسی طرح کے نسب کے حامل تھے اور اپنی طاقت کے لیے بنیادی طور پر کاکتیہ پر منحصر تھے۔ بارہویں، تیرہویں، اور چودہویں صدی میں کاکتیہ کے قائم کردہ اتحاد میں اشرافیہ اور افسران دونوں اہم تھے۔ لیکن اس وقت کے

دوران اشرافیہ اور افسران کی شمولیت کا تناسب یکساں نہیں تھا۔ کاکتیہ کے زیر قیادت سیاسی نیٹ ورک میں، جیسا کہ اتحادوں کا حجم اور ان کا اثر و رسوخ بڑھتا گیا، اس کا ڈھانچہ بھی ڈرامائی طور پر تبدیل ہوتا گیا۔

ابتدائی کاکتیہ سیاست کی بنیاد اہم اور شاہی خاندانوں کے ساتھ اتحاد تھا۔ جنگ میں فتح کاکتیہ کے اشرافیہ اتحادیوں کو حاصل کرنے کے اہم طریقوں میں سے ایک تھا۔ ابتدائی کاکتیہ حکمران اکثر زیر نگین اشرافیہ خاندانوں کو اقتدار میں رہنے کی اجازت دیتے تھے۔ ان شکست خوردہ خاندانوں کے ساتھ تعلقات کو مضبوط بنانے کے لیے شادی کے رشتے بھی اکثر قائم کیے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر، رودر دیوا کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی ابتدائی زندگی میں مہبنگر کے کانڈوری چودا Mahabubnagar Kanduri Choda قبیلے کو شکست دی تھی۔ سابق سردار کانڈوری بھیما Kanaduri Bhima کی جگہ کانڈوریودایا چودا نے لی، جن کی بیٹی پدما Padma نے رودر دیوا سے شادی کی۔ کاکتیہ کے آخری دو بادشاہوں نے اپنے پیشروؤں کی بالادستی قائم کرنے کی حکمت عملی کو ترک کر دیا اور علاقائی سرداروں اور سلطنتوں کے ساتھ ذیلی اتحاد بنائے۔ گنپتی دیوا کی حکمرانی کے بعد کاکتیہ طاقت کے ڈھانچے کی ایک ڈرامائی تنظیم نو کی نشاندہی ہوتی ہے جس میں کتبوں میں افسران کی تعداد میں اضافہ اور حلیف حکمرانوں اور شہزادوں کی سرگرمیوں میں کمی آئی۔ بعد کے عہدے داروں کے عنوانات اور القابات میں تبدیلی سیاسی درجہ بندی میں تبدیلی کا مزید ثبوت فراہم کرتی ہے۔

2.2.5 گاؤں کی انتظامیہ (Village Administration)

گاؤں سب سے نچلی انتظامی اکائی ہے اور اس کی نگرانی بارہ ayagars آیاگار کرتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

1. کرنم (Karanam)
2. ریڈی یا پیڈا کاپو (Reddy or Pedda Kaapu)
3. تلاّری (Talaari)
4. پُروہیت (Purohita)
5. کملری (Kammari)
6. کمسالی (Kamsaali)
7. وڈّرنگی (Vadrangi)
8. کملری (Kummari)
9. چاکلی (Chaakali)
10. منگلی (Mangali)
11. سیٹّی (Setti)

12. چرمکارا (Charmakaara)

ان بارہ آیاگارaayagar میں سے کچھ سرکاری خدمت میں تھے جبکہ باقی دیہات کی خدمت میں مصروف تھے۔ان آیاگار کو "آیامو aayamu "دیاجاتاتھا،جوان کی خدمت کے بدلے میں زرعی پیداوار سے ایک حصہ ہوتا تھا۔

2.3 فوجی انتظامیہ (Military Administration)

کاکتیہ حکمرانوں کی زیادہ تر توانائی اپنی سلطنتوں کو غیر ملکی حملوں اور اندرونی جھگڑوں سے بچانے پر مرکوز تھی۔کاکتیہ فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا: "شاہی فوج "Royal force"اور "نائیکا فوج"Nayaka force"۔ان فوجوں کی تنظیم اور قیادت کے بارے میں زیادہ معلومات دستیاب نہیں ہیں۔پوری فوج کا اصل کمانڈر بادشاہ تھا۔رودر دیوااور مہادیوادونوں جنگ میں مارے گئے کیونکہ بادشاہ خود فوج کی قیادت کرتے اور میدان جنگ میں اترتے تھے۔ مشہور تاریخ کے مطابق، رودراما دیوی بھی مہا دیوا یدووا Mahadevi, Ganapatideva بادشاہ کے ساتھ براہ راست لڑائی میں مشغول تھیں۔ گنپتی دیوا کو ان کے والد کے ساتھ لڑتے ہوئے گرفتار کیا گیا تھا۔ سکالا سیناپتی Sakala Senapati یا کمانڈر ان چیف بادشاہ کے بعد دوسرا سب سے بڑا عہدہ تھا۔پرتھاپرودرا Prathaparudra کے ساتھ امبادیوا Ambadeva کے ساتھ جنگ میں سکالا سیناپتی سومایاجولو Somayajulu رودر دیوا تھے۔اسی طرح، سومایا لنکا Somaya Lenka اور آدیداموملو Adidamu Mallu بھی اس عہدے پر فائز رہے۔ہاتھی اور گھوڑوں کی تربیت عام تھی، جیسا کہ گجاساہنی اور اشواساہنی افسران کے قیام سے ظاہر ہوتا ہے۔

لینکاس Lenkas کے غلاموں نے اپنے مالک کے ساتھ ایک عہد کیا کہ وہ صرف اس کی خدمت کریں گے۔انہوں نے قسم کھائی کہ اپنے آقاؤں کو اس دنیا اور اگلی دنیا میں اپنا خدا اور گرو سمجھیں گے۔اپنی جائیداد اور جان کو اس کی خدمت میں نظر انداز کریں گے اور خطرے کے وقت اس کے ساتھ کھڑے ہوں گے۔اس کی جنگیں لڑیں گے اور اس کے ساتھ لڑائی میں مر جائیں گے یا اگر وہ بچ گئے تو اپنی جان لے لیں گے۔ لیکن تلگو علاقے میں کسی بھی لنکا کے مالک کی موت کے بعد خود سوزی کا کوئی دستاویزی ثبوت نہیں ہے۔ لنکاLenka سے بہت زیادہ توقعات رکھی جاتی تھیں۔ لنکا Lenka کو ان کی اجتماعی ذمہ داریوں کے لئے لنکاوالی کے طور پر تسلیم کیا گیا، اور ان کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے بدلے بادشاہ نے انہیں جائیدادیں دیں جن سے انہیں اپنا گزارہ کرنا ہوتا تھا۔ لنکا کی مدد بادشاہ کے ماتحتوں، نائکہ اور شاہی جاگیرداروں سے بھی کی جاتی تھی۔اس طرح یہ رکنے والے افراد آندھرا کی درمیانی عمر کی معاشرت کا ایک عام حصہ بن گئے۔

رودراما دیوی نے نائنگارا nayankara نظامِ فوجی انتظام قائم کیا، جسے ان کے جانشین پرتاپارودرا Prataparudra نے مہارت سے منظم کیا۔کاکتیہ حکمرانوں نے نائنگارا نظامِ فوجی تنظیم قائم کیا، جو جنوبی کے نائکہ بادشاہوں، خاص طور پر مدھورا Madhura نائکہ کے تحت پھلا پھولا، اور برطانویوں کی آمد تک جاری رہا۔ یہ بعد کی وجے نگر انتظامیہ کا ایک اہم پہلو تھا۔ غیر ملکی بیانات کے مطابق نائنگارا نظام جو رودراما دیوی نے ویلاما Velama رہنماؤں کی مدد سے قائم کیا، کاکتیہ کے تاریخ میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ ویلاما سرداروں، خاص

طور پر پرسادیتیا Prasaditya ، کو اس نظام کے قیام کا سارا کریڈٹ جاتا ہے، جس کے سیاسی اور انتظامی اہمیت تھی۔ اگر یہ نظام بعد میں وجے نگر کے رایاس کے لئے ایک نمونہ بن گیا، تو یہ اس ادارے کی قوت اور قابلیت کی وجہ سے تھا۔ لگتا ہے کہ کاکتیہ نے اپنی زمینیں کئی فوجی رہنماؤں یا نائکاس کے درمیان تقسیم کیں۔ کاکتیہ کی تحریروں میں کئی نائکاس اور نائکا-ستھالاس nayaka-sthalas یا نائکاسٹھالا-ورٹیز nayakasthala-vritties کا ذکر ہے، جو نائکاس کو دی جانے والی جائیدادیں تھیں تاکہ وہ اپنے فرائض کو صحیح طریقے سے انجام دینے کے لئے ضروری مالی بنیاد حاصل کر سکیں۔ یہ دلچسپی کی بات ہے کہ دو قسم کے گاؤں تھے، چھوٹے اور بڑے، جہاں جاگیر دار ماتحت رہتے تھے۔ انہیں تنخواہ کی بجائے زمینیں دی جاتی تھیں۔ وہ اپنی گزر بسر کے لیے نقدی یا جنس کی صورت میں کرایہ وصول کرتے تھے۔ نایکوں کو اپنی نجی فوجی دستے کے طور پر ایک زیادہ طاقتور فوج رکھنی پڑتی تھی تاکہ وہ اپنے سامنتا سے زیادہ طاقتور رہے، ورنہ بغاوت یا نافرمانی کی صورت میں وہ اپنی اتھارٹی قائم نہ رکھ سکیں۔ ان کی آمدنی بڑی جاگیروں سے ہوتی تھی۔ کاکتیہ حکمران ہمیشہ اپنے نایکس nayakas کی طاقت کے بڑھنے سے بہت فکر مند رہتے تھے، اس لیے وہ انہیں کسی ایک جگہ رہنے اور جڑ پکڑنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

بہترانیوگادھیپتی Bahattaraniyogadhipati یا 72 نایکس nayakas کے صدر کا عہدہ عام طور پر ماتحت سرداروں کو دیا جاتا تھا جو نایکس تھے۔ گنگایاساہنی Gangayasahini کو کاکتیہ نایکس کے لیے نایانکارا نارائنا nayankara narayana یا وشنو Vishnu کہا گیا ہے۔ اس طرح کاکتیہ دور میں نایکس کو فوجی خدمت اور سلطنت کی حفاظت کے ذریعے بادشاہ کے ساتھ وابستہ کیا گیا۔ اس کے باوجود، یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ نایکس نہ صرف فوجی بلکہ انتظامی ذمہ داریاں بھی نبھاتے تھے۔ محصول کی وصولی فوجی دستوں کی دیکھ بھال اور دیگر شہری اور فوجی فرائض ان کی ذمہ داری تھی۔

ایسا لگتا ہے کہ نایکس لوگوں سے مختلف ٹیکس وصول کرتے تھے تاکہ زیادہ سے زیادہ فنڈز funds اکٹھے کیے جا سکیں۔ ان کا مالی موقف مضبوط اور مستحکم رہنا ضروری تھا۔ نایکس دیگر ٹیکس بھی وصول کرتے تھے جیسے چراگاہ ٹیکس۔ مثال کے طور پر، پلاری Pullari نامی ٹیکس جو مویشی پالنے والوں پر لگایا جاتا تھا تاکہ بھیڑ، بکریاں، اور دوسرے گھریلو جانور جنگلات میں چرنے کے لیے لے جا سکیں، وہ لوگوں سے وصول کرتے تھے۔ صنعتی ٹیکس بھی نایمکاپوارو nayamkapuvaru کے ذریعے وصول کیے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر، تیل کے کاریگر اور بنکر صنعت چلانے اور اپنی مصنوعات مارکیٹ میں فروخت کرنے کے لیے ٹیکس ادا کرتے تھے۔ نایانکارا اس کو تیل کے کارخانوں پر سرومانیہ نوعیت کے استثناء دینے کا حق تھا۔ 1269 عیسوی کے ایک کتبے کے مطابق، نایامکارا ملیکارجنا nayamakara Mallikarjuna جو تیل کے کارخانوں پر عائد ٹیکس جیسے آری ari ، سُمکامو sumakamu ، پانو panu اور کنی کا kanika جمع کرنے کا حقدار تھا۔ انھوں نے تیل کے کارخانے کو مندر کو عطیہ کرتے وقت یہ ٹیکس معاف کیے۔ اس طرح نایانکارا کو اپنے حق میں ٹیکس معاف کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ نایانکارا کو اور بھی ذمہ داریاں نبھانی پڑتی تھیں۔ زمینوں پر خراج کے علاوہ، امرانایکا Amaranayaka نے بادشاہ کو تحفے دیے جب اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا یا جب اس نے اپنے بچوں کی شادی کی۔ نیا سال بھی بادشاہ کو تحفے دینے کا موقع ہوتا تھا۔ نایانکارا مرکزی اتھارٹی کے تابع رہتے تھے جب تک کہ بادشاہ مضبوط ہوتا اور سلطنت کے عناصر کو کنٹرول میں رکھتا۔

لیکن جیسے ہی وہ دیکھتے کہ بادشاہ کی طاقت کمزور ہو گئی ہے، وہ اس کا فائدہ اٹھاتے اور بغاوت کرتے۔ اگرچہ یہ عام نہیں تھا، لیکن بعض بغاوتیں جیسے کہ کیاستھانایکس اور امبادیوا کی بغاوت مثالیں ہیں۔ کاکتیہ دور میں نایانکاراشپ مستقل عہدہ نہیں تھا اور یہ بادشاہ کی مرضی پر منحصر تھا۔ جب بادشاہ نایکس کی کارکردگی سے ناراض ہوتا تو اسے اس کی جاگیر سے محروم کر دیتا۔ بعض صورتوں میں اسے کسی دوسری جاگیر میں منتقل کر دیا جاتا اور ظاہر ہے کہ وہ زمین کا مستقل مالک نہیں بن سکتا تھا۔ نایکس اقتصادی میدان میں مؤثر کردار ادا کرتے تھے۔ انہوں نے تالاب بنائے، نہریں کھودیں، زمین کو قابل کاشت بنایا اور زراعت کو بہتر بنایا۔

2.4 مالیاتی انتظامیہ (Financial Administration)

کاکتیہ ریاست کے ٹیکس نظام کو سمجھنا ریاست کی نوعیت کو سمجھنے کے لیے بھی اہم ہے۔ کاکتیہ حکومت کی آمدنی کا اہم ذریعہ ٹیکس کے ذریعے حاصل ہونے والی آمدنی تھی۔ اگرچہ کاکتیہ نے یہ نظام اچھی طرح قائم چالکیا Chalukya انتظامیہ سے وراثت میں پایا، لیکن بہت سے پہلوؤں میں کافی فرق تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ کاکتیہ نے پچھلی حکومت کے مقابلے میں اپنے رعایا پر زیادہ تعداد میں ٹیکس نافذ کیے۔ بنجر زمین کی بحالی اور آبپاشی کی سہولیات فراہم کرنے نے شاید زمین پر نئے ٹیکس عائد کرنے کی ضرورت پیدا کی۔

ہم کتبوں میں ایسے کئی ٹیکسوں کا ذکر پاتے ہیں جو کاکتیہ نے پہلے کے مقابلے میں زیادہ تعداد میں متعارف کرائے تھے، جو مختلف اقسام کے ٹیکسوں کو ظاہر کرتے ہیں جن میں سے کئی کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ درج ذیل اصطلاحات اس سلسلے میں ایک اندازہ دیتی ہیں: سومکامو اور پانو Sumkamuand pannu ، سنکاکانیکا Sunkakaknika ، پلاری Pullari اور پلاری کانیکا Pullari Kanikat، تالاری پانو Talary pannu اور پلاری-انیکا Palari-Anika ۔ جب ایسی اصطلاحات ایک ہی ریکارڈ میں آتی ہیں تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مختلف اقسام کے ٹیکسوں کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ یہ تمام اصطلاحات 1317 عیسوی کے سکل ویدو Sakalvidu کتبے میں موجود ہیں۔ دوسری بات یہ کہ ہمارے پاس ٹیکسوں کی درست قیمت جاننے کے لیے کوئی براہ راست ثبوت نہیں ہے، خاص طور پر زمین کے ٹیکسوں کی۔ انہیں صرف برہمنور تیوں Brahmanavrittis اور مندر کی زمینوں پر ایسے ٹیکسوں کی معافی یا تحائف سے سمجھا جا سکتا ہے۔ کاکتیہ دور میں ٹیکس بڑی حد تک پانچ اقسام کے تھے: 1. زمین کے ٹیکس، 2. صنعتی اور جائیداد کے ٹیکس، 3. پیشہ ورانہ ٹیکس، 4. تجارتی ٹیکس، 5. مختلف ٹیکس۔

زمین کی ملکیت کا حق ویگنانیشورم .Vigananaesaram میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ "اگر کسی کی زمین کو بیس سال تک مسلسل کوئی دوسرا استعمال کرتا ہے، اور اگر کوئی اس پر جان بوجھ کر یا لاعلمی میں خاموش رہتا ہے، تو یہ اس کی ملکیت بن جاتی ہے جو اس کا استعمال کر رہا ہے"۔ یہ بھی بیان کیا گیا کہ کسی کو یا تو خود زمین کاشت کرنی چاہیے یا کسی دوسرے کو کاشت کے لیے دینی چاہیے۔ اگر کوئی یہ دونوں کام کرنے میں ناکام رہتا ہے تو ویگنانیشورم کے مطابق اس پر ٹیکس وصول کیا جانا چاہیے۔ نجی زمین کے مالک خود زمین کاشت کر سکتے تھے یا اسے کرائے پر دے سکتے تھے، گروی رکھ سکتے تھے، یا بیچ سکتے تھے، اور جب وہ اپنی زمین بیچتے تھے تو وہ اپنے تمام حقوق منتقل کر دیتے

تھے۔ نجی زمین کے مالک اور مندر دونوں ٹائٹل ڈیڈز title deeds کھتے تھے، جیسا کہ کتبوں میں کئی حوالہ جات دکھاتے ہیں۔ ویگنا نیشورم کے اوپر دیے گئے اقتباس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ 13ویں صدی کے دوران ملکیت کے بغیر زمین کا استعمال غلط سمجھا جاتا تھا؛ اس کا مالک یہ دکھانا چاہیے کہ یہ یا تو خریدی گئی تھی یا وراثتی جائیداد کے طور پر حاصل ہوئی تھی۔

عام اصطلاحات میں زمین تین اقسام کی ہوتی تھی (a: وہ جو براہ راست ریاست سے حاصل کی گئی ہو، یعنی ریاست کو براہ راست محصول ادا کرنا، (b وہ جو ریاست کے افسران یا ریاست کے وفادار جاگیرداروں کے پاس ہو، اور (c وہ جو لوگوں کے گروپ یا ادارے جیسے مندر وغیرہ کے پاس ہو، جو ریاست کو کچھ بھی یا معمولی رقم بطور محصول ادا کرتے ہوں۔ انہیں اگرہار agrahara ، برہما دیہ brahmadeya یا دیودان devadana زمینیں کہا جاتا تھا۔ ریاستی افسران یا جاگیردار نجی زمینوں پر ٹیکس جمع کرتے تھے، ٹیکس زمین کی نوعیت کے مطابق کل پیداوار کا آدھا یا تہائی، ہوتا تھا۔ سروس ٹینیورز service tenures پر، یعنی جنگجوؤں، نائکاس، وزیروں، جرنیلوں، انگراکشا تنتر پالاس angaraksha tantrapalas (محافظ)، کارانام karanam اور دیگر کئی افسران جو ریاست کی انتظامیہ میں خدمات انجام دیتے ہیں، ان کو دی جانے والی زمینیں یا گاؤں۔ ان دنوں کا نظام یہ تھا کہ ان کی خدمات کے مطابق انہیں کچھ گاؤں یا زمینیں دی جاتی تھیں۔ وہ یہ زمینیں اس وقت تک رکھتے تھے جب تک وہ خدمت میں ہوتے تھے۔ اس لیے وہ ان زمینوں کے مالکان نہیں تھے کہ انہیں خرید و فروخت کے حقوق حاصل ہوں۔ لیکن ان پر مالیاتی اور دیگر اختیارات نے انہیں عملی طور پر مالکان بنا دیا۔

بادشاہ کے حقوق بعض اوقات صرف زمین کے مالک کو منتقل کیے جاتے تھے بغیر کاشتکاروں کو تبدیل کیے۔ گنپتی دیوا کی بیٹی گنپامبا کی موگالوتلا Mogalutla گرانٹ grant اس سلسلے میں بہت فائدہ مند مثال ہے۔ بادشاہ کے پاس اپنی زمینیں ہوتی تھیں جنہیں رچاپولامو Rachapolamu (شاہی زمینیں) کہا جاتا تھا، جنہیں وہ اپنی مرضی سے بیچ سکتا یا منتقل کر سکتا تھا۔ ایسی زمینیں تقریباً مستقل بنیادوں پر کاشتکاروں کو کرائے پر دی جاتی تھیں، کرایہ زمین کی نوعیت کے مطابق کل پیداوار کا آدھا، تہائی، چوتھائی یا چھٹا حصہ ہوتا تھا۔ کاکتیہ دور کے کتبوں کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ زمین کو تخمینے کے لیے خشک) والی-ولامو vali-volamu یا والی-چینو(vali-chenu ، گیلی) نیرو-نیلا(niru-nela ،اور باغی علاقوں) ٹومٹا-بھومی (tomta-bhumi میں تقسیم کیا گیا تھا، مٹی کی نوعیت اور زرخیزی کے مطابق تقسیم کیا جاتا تھا۔ ٹیکس اناج اور پیسے دونوں میں جمع کیا جاتا تھا۔ خشک زمین اور باغی علاقے کا ٹیکس ہمیشہ نقد میں ادا کیا جاتا تھا اور انہیں بالترتیب پٹیپاہندی Puttipahindi اور ٹومٹا سنکامو Tomatasunkamu کہا جاتا تھا۔ زمین کے ٹیکس کے لیے عام اصطلاح آری تھی اور جو کسان اس کے تحت تھے انہیں آریگاپولو کہا جاتا تھا۔ ریاست نے ایسی تمام اشیاء یا جانوروں پر ٹیکس لگایا جو فروخت کے لیے خریدے جاتے تھے۔ اسے امبو بادی سنکام Ammubadi Sunkam یا فروخت ٹیکس کہا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ، فروخت سے حاصل ہونے والی آمدنی پر بھی ٹیکس عائد کیا جاتا تھا۔ اسے اڈاوتا سنکام Adavatta sunakam کہا جاتا تھا۔ اس طرح زمین اور آبادی پر ٹیکس کے علاوہ تجارت اور کاروبار پر ٹیکس کاکتیہ ریاست کے لیے آمدنی کا اہم ذریعہ بن گیا۔

مجموعی طور پر کتبوں کے پھیلاؤ سے کاکتیہ حکمرانوں کے اثر ورسوخ کے علاقے کا پتہ چلتا ہے، جو تلنگانہ اور اس کے دارالحکومت کے شمال-جنوب اور مغربی حصے پر مضبوط کنٹرول کی نشاندہی کرتا ہے۔ لیکن پراتارپدرہ اول Peraraprudra I اور مہادیوا Mahadeva کے تحت، کاکتیہ طاقت کی تیزی سے ترقی کی مضبوط بنیادیں رکھی گئیں۔ ابتدائی کاکتیہ کتبوں کی نقشہ سازی ان کے علاقے میں اثر ورسوخ کی تصدیق کرتی ہے۔ بعد میں گنپتی دیوا نے اپنی طویل حکومت (1199-1262 عیسوی) کے دوران کاکتیہ طاقت کو سب سے اعلیٰ طاقت کے طور پر قائم کرنے کی ذمہ داری سنبھالی۔

2.5 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

کاکتیہ حکمرانوں نے اپنی ذاتی اپیل اور مشہور جنگجو سرداروں کی وفاداری حاصل کرنے کی صلاحیت کے ذریعے ایک بڑے اور وسیع اتحاد کی کمانڈ کی۔ یہ جنگجو کاکتیہ ریاست کی بنیاد تھے۔ کاکتیہ ریاست ایک ڈھیلے منظم لیکن مضبوط سیاسی، مذہبی اور فوجی مالیاتی نظام کا جال تھا جو افسران کی ایک درجہ بندی پر مشتمل تھا اور سلطنت کے ہر گوشے میں گہرا سرایت کر گیا تھا۔ یہ حالات بادشاہت، سیاسی معیشت اور اس کے نتیجے میں نئی معاشرتی تشکیلوں کو متاثر کرتے تھے۔ اس ڈھانچے سے پیدا ہونے والے سیاسی رجحانات بہت متحرک تھے اور یہ نیانکرا nayankara نظام کے ابھرنے میں مزید ظاہر ہوتا ہے جو کاکتیہ حکمرانوں اور دیگر طاقت کے مراکز کے درمیان ایک رابطہ بن گیا۔

2.6 کلیدی الفاظ (Keywords)

Naadu	:	ناڈو
Sthalam	:	ستھلم
Grama	:	گرام
Varnadharama	:	ورن دھرم
Nayankara	:	نینکرا
Petty Chiefs	:	جُزوی حکمران
Subordinate Allies	:	محکُوم اتحادی

2.7 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

2.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. انتظامی مقصد کے لیے کاکتیہ سلطنت کو کتنے حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا؟
2. تیرتھس tirthas کی اصطلاح کی وضاحت کریں۔

3. نیوگیس niyogis پر ایک نوٹ لکھیں۔
4. پراستھی prasastii سے کیا مراد ہے؟
5. کاکتیہ فوج کی دو اہم تقسیمات کیا ہیں؟
6. کاکتیہ فوجی انتظامیہ میں انگراکشش angarakshas کون ہیں؟
7. کاکتیہ دور میں تخمینے کے لیے زمین کو کتنی اقسام میں تقسیم کیا گیا تھا؟
8. پرتاپارودرہ چریترا Prataparudra Charitramu کے مصنف کون ہیں؟
9. دیوادانہ devadana زمینوں سے کیا مراد ہے؟
10. کاکتیہ دور میں زمین کے ٹیکس کے لیے عمومی اصطلاح کیا استعمال ہوتی تھی؟

2.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. کاکتیہ انتظامی نظام کے بارے میں ہمیں معلومات فراہم کرنے والے معاصر کاموں کے نام بتائیں۔
2. نینکرا Nayankara نظام کی ابتدا پر تبصرہ کریں۔
3. کاکتیہ انتظامیہ میں جُرُوِی petty سرداروں کا کردار بیان کریں۔
4. م محکُوم subordinate حکمرانوں کی چار اقسام کی وضاحت کریں جو کاکتیہ حکمرانوں کی خدمت کرتے تھے۔
5. کاکتیہ دور میں وصول کیے جانے والے ٹیکسوں کی پانچ اقسام کیا تھیں؟

2.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. کاکتیہ انتظامیہ میں مختلف وزراء اور افسران کی تفصیل بیان کریں۔
2. نینکرا Nayankara نظام کی تفصیل سے وضاحت کریں اور اس کا کاکتیہ حکمرانوں کے تحت کام کرنے کا طریقہ بیان کریں۔
3. کاکتیہ دور میں ٹیکس نظام کا جائزہ لیں۔

2.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Ghosh, Soma, *Glory of the Kakatiyas*, Falcon Publishing, Hyderabad, 2018.
2. Jha, Bishwambhar, *Kakatiyas of Warangal, Circa A.D. 1000–1323*, Janaki Prakashan, Patna, 1994.
3. Kesharwani, Pradeep Kumar, Jitendra Kumar Tiwari, and Ankit Kumar Prajapati, *Political History of South India (100 AD to 1300 AD)*, Thakur Publication Private Limited, 2023.
4. Krishna Reddy, N., *Social History of Andhra Pradesh (Seventh to Thirteenth Century)*, Agam Kala Prakashan, Delhi, 1991.
5. Nilakanta Sastri, K.A., *A History of South India: From Prehistoric Times to the Fall of*

Vijaynagara, Oxford University Press, London, 1958.
6. Parabrahma Sastry, P.V., *Kakatiyas of Warangal*, Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 1978.
5. Ramakrishna, V. et al eds., *History of Telangana*, Andhra Pradesh History Congress in association with Potti Sreeramulu Telugu University, EMESCO Books, Hyderabad, 2016.
6. Rao, Somasundara ed., *Comprehensive History and Culture of Andhra Pradesh*, *Vol. IV*: *Medieval Andhra Desa*, *A.D. 1000–1324*, Andhra Pradesh History Congress in association with Potti Sreeramulu Telugu University, Tulika Books, New Delhi, 2011.
7. Sastry, Padmanabha, *Administration in Andhra: From the Earliest Times to 13th Century A.D.*, B.R. Publishing Corporation, New Delhi, 1990.
8. Sharma, R.D., *Administrative Culture in India*, Anamika Publishers & Distributors, New Delhi, 2000.
9. Sherwani, H.K. ed., *History of Medieval Deccan* (*1295–1724*), Two Vols., The Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 1973.
10. Sundaram, K., *Studies in Economic and Social Conditions of Medieval Andhra (A.D. 1000–1600)*, Triveni Publishers, Machlipatnam, 1968.
11. Talbot, Cynthia, *Pre-colonial India in Practice: Society, Region and Identity in Medieval Andhra*, Oxford University Press, New Delhi, 2001.
12. Yazdani, G. ed., *The Early History of the Deccan*, *Parts VII – XI*, Department of Archaeology and Museums, Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 2013 (first pub. in 1960).

اکائی 3۔ قیام اور توسیع

(Foundation and Expansion)

اکائی کے اجزا

3.0		تمہید
3.1		مقاصد
3.2		مآخذ
3.3		قیام اور توسیع
	3.3.1	سنگم شاہی خاندان
	3.3.2	سالووا شاہی خاندان
	3.3.3	تلووا شاہی خاندان
	3.3.4	اراودو شاہی خاندان
3.4		اکتسابی نتائج
3.5		کلیدی الفاظ
3.6		نمونہ امتحانی سوالات
	3.6.1	معروضی جوابات کے حامل سوالات
	3.6.2	مختصر جوابات کے حامل سوالات
	3.6.3	طویل جوابات کے حامل سوالات
3.7		تجویز کردہ اکتسابی مواد

3.0 تمہید (Introduction)

وجے نگر کی تاریخ جنوبی ہندوستان کی تاریخ کا عہد زرّیں ہے۔ جنوب میں بہمنی ریاست کے قیام کے ساتھ ہی وجے نگر مملکت کا قیام عمل میں آیا۔ چودھویں صدی کی دوسری چوتھائی میں پانچ بھائیوں کی ایک جماعت نے اس مملکت کو قائم کیا۔ جنوب پر محمد بن تغلق کے حملے سے جنوبی ہندوستان میں جو حالات پیدا ہوئے اس نے وہاں کے ہندو راجاؤں کے درمیان سیاسی اتحاد پیدا کیا جس کے نتیجہ میں بالآخر مملکت وجے نگر کا قیام عمل میں آیا۔ مملکت وجے نگر نے مذہب، ادب، فنون لطیفہ اور سیاست کے میدان میں بہت کچھ کیا ہے جس کی مستقل قدر و قیمت ہے۔ مملکت وجے نگر نے جس کا قیام ہندو تہذیب کے تحفظ کے لئے ہوا تھا، اس نے اول مسلم حکمرانوں کے حملے سے مملکت کو محفوظ رکھا۔ دوسرے عیسائی مذہب کے بڑھتے اثرات کو روکا۔ سلطنت میں عمدہ نظم و نسق بحال ہوا۔ ملک میں ایسے پرامن حالات پیدا ہوئے جس سے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں روز افزوں ترقی ہوئی۔ سلطنت میں ادب، آرٹ اور فن تعمیر نے جلا پائی۔ ان کے سلاطین نے بہت سی تعمیرات کرائیں۔ یہ تعمیرات اپنی تفصیل، آرائش، نقاشی اور مصوری کے لحاظ سے مکمل فن کا نمونہ ہیں۔ تعمیرات کے معاملے میں اسلامی تہذیب کے زیر اثر نئے تجربات کیے گئے۔ وجے نگر کی انتظامی اور سماجی تاریخ بھی بہت اہم ہے۔

3.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- آپ کو ایسی مملکت سے تعارف کرانا ہے جس نے جنوبی ہندوستان کی تاریخ میں ان مٹ نقش چھوڑے ہیں۔
- آپ یہ جانیں گے کہ محمد بن تغلق کے عہد میں جنوب میں مرکزی حکومت کی گرفت کمزور ہونے کے سبب وجے نگر ریاست قائم ہوئی۔
- یہ تین سے زاید صدیوں (1336-1650) تک قائم رہی۔
- اس کی بناہری ہر اور بُکّا نام کے دو بھائیوں نے رکھی تھی۔
- دو صدیوں تک کامیابی کے ساتھ حکومت کرنے کے بعد اس میں زوال کے آثار پیدا ہوئے۔
- اس کے بعد بھی یہ حکومت سَو سال تک اور قائم رہی۔
- کل ملا کر چار شاہی خاندانوں نے اس پر حکومت کی۔

3.2 مآخذ (Sources)

وجے نگر کی تاریخ کے مآخذ کے دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ غیر ادبی مآخذ اور ادبی مآخذ۔ غیر ادبی مآخذ میں اس عہد کے، تانبے کی تختیاں اور مختلف حکمرانوں کے عہد کے کتبے دستیاب ہیں۔ ادبی مآخذ کی تقسیم ملکی اور غیر ملکی ادب کے طور پر کی جا سکتی ہے۔

غیر ادبی مآخذ

سکے : وجے نگر کے متعدد بادشاہوں کے پیگوڈاسکوں کے بارے میں واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ سکے چھوٹے اور موٹے ہوتے تھے۔ ان کے نصف اور چوتھائی کے سکے بھی ہوتے تھے۔ شروع میں ان پر جو روایتیں کندہ تھیں وہ کنڑیا ناگری رسم الخط میں تھیں لیکن بعد کے بادشاہوں نے صرف ناگری رسم الخط کو ہی استعمال کیا۔

تانبے کی تختیاں : وجے نگر شہنشاہوں کے عہد کی تانبے کی تختیاں ملتی ہیں جو اس عہد کے تاریخ پر روشنی ڈالتی ہیں۔ ان تختیوں میں اکثر ناگری رسم الخط کی مختلف قسمیں استعمال کی گئی ہیں جو سنسکرت کا نندی ناگری کہلاتا ہے۔

کتبے : وجے نگر کے مختلف علاقوں اور مختلف حکمرانوں کے عہد کے کتبے ملتے ہیں جو اس وقت کی معیشت، معاشرہ، تجارت، نظم ونسق اور مذہبی حالات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ جنوبی آندھرا سے ملے 1340 کے ایک کتبے سے ٹیکس وصولی کی معلومات حاصل ہوتی ہے۔ ضلع میسور سے ملنے والا 1373 کا ایک کتبہ بتاتا ہے کہ مقامی سردار کس طرح ٹیکس وصولی میں مدد کرتے تھے۔ میسور ضلع ہی سے 1408 کے سکے ایک کتبے میں کاشتکاروں کو بسانے کی بات کہی گئی ہے۔ جنوبی آندھرا سے ملا 1340 کے ایک کتبہ سے پتا چلتا ہے کہ جنگل میں زمین نکالنے اور وہاں ایک گاؤں بسانے والا ایک شخص اس کا ریڈّی یا مکھیا ہوگا۔ 1410 کے ایک کتبے کے مطابق راجہ دیورائے اول نے شہر کے لوگوں کو ہدایت دی تھی کہ وہ اپنی دولت سے ہر دراندی کے کنارے باندھ بندھوائیں۔ ضلع بیلاری کرناٹک سے 1419 کا ایک کتبہ ملا ہے جو یہ بیان کرتا ہے کہ کس طرح جنگل کاٹ کر ایک گاؤں بسایا گیا تھا۔ اس طرح کے متعدد کتبے ملتے ہیں جو سلطنت کے مختلف امور سے متعلق جانکاری فراہم کرتے ہیں۔

ادبی ماخذ: وجے نگر ریاست سے متعلق واقفیت حاصل کرنے کے لیے ادبی ماخذ دوسرا اہم ذریعہ ہے۔ یہ ماخذ ملکی اور غیر ملکی دونوں صورتوں میں ملتے ہیں۔ وجے نگر کی تاریخ کے لیے ہندوستانی ادبی ماخذ کافی ضخیم ہے۔ اس ادبی ماخذ کا بیشتر حصہ مدراس یونیورسٹی کے پیش کردہ چیدہ مآخذ کے دو سہل مجموعے دسترس پذیر ہیں۔ اگرچہ اس قسم کی تصنیفات جیسے کال گیان جس میں روشن ضمیر افراد کے مستقبل کے بارے میں پیش گوئی کی گئی ہے حسب امید کارآمد نہیں ثابت ہو سکتے۔ پھر بھی اس ادب کی اہمیت کا مکمل طور پر اندازہ اس طرح لگایا جاسکتا ہے کہ یہ بہمنی سلطنت اور اس کے بعد منقسم ریاستوں کے مسلم مورخین کے مخالفانہ یا جانب دارانہ بیانات کی ضروی تصحیح بہم پہنچاتی ہیں۔ وجے نگر کے قیام کے سلسلے میں قدیم ترین سنسکرت ماخذ ''راج کال ہزنے'' اور ''وِدّیارنیہ کال گیان'' ہیں۔ ان میں مذکور ہے کہ مملکت کے بانی ہری ہر اور بکا پانچ بھائیوں کے ایک خاندان کے افراد تھے۔ یہ پانچوں بھائی سنگم کے بیٹے تھے اور قبل میں وارنگل کے کاتیہ حکمراں پرتاپ رودر دیو ثانی کے افسر مالیات تھے۔ وجے نگر کی تاریخ کے لیے غیر ملکی یوروپی سیّاحوں کے سفر نامے بہت کارآمد ہیں۔ ان سیاحوں کے ذریعہ پیش کردہ معلومات یہاں پر مختصراً پیش کی جارہی ہیں۔ چودھویں صدی میں وجے نگر حکومت کے عروج اور اس کے کچھ بعد مشرق میں پرتگالیوں کی طاقت کے عروج کے بعد بہت سے غیر ملکی ہندوستان آئے جس کی بنا پر وجے نگر سے متعلق غیر ملکی شہادت کی ضخامت اور دلچسپی میں زبردست اضافہ ہو جاتا ہے۔

نکولی کونٹی(1420-22): اٹلی کا باشندہ نکولی کونٹی پہلا یوروپی سیاح تھا جو 1420-21 میں وجے نگر آیا۔ اس نے یہاں کے بارے میں خود کچھ تحریر نہیں کیا ہے لیکن اپنے مشاہدات پوپ کے ایک سکریٹری کو بتائے جس نے انہیں اپنے آقا کی واقفیت کے لیے لاطینی زبان میں قلم بند کر دیے۔ اس کے بعد اس تحریر کا پرتگالی زبان میں اور پرتگالی زبان سے اطالوی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ اصل لاطینی نسخہ محفوظ نہیں ہے۔ نکولی کونٹی نے وجے نگر کے دربار، اس کے جشن، مروجہ سکّوں اور دوسرے اُمور کا ذکر کیا ہے۔ نکولی کونٹی ہی سب سے پہلے وجے نگر میں ستی رواج کا ذکر کرتا ہے۔

عبدالرزاق سمرقندی (1442–44): ایرانی سفیر عبدالرزاق وجے نگر آیا۔ اسے ایران کے بادشاہ شاہ رخ نے ایک اہم مقصد سے زمورن کے پاس بھیجا تھا۔ عبدالرزاق 1442 میں ارمنز سے کالی کٹ کے لیے جہاز پر روانہ ہوا۔ کالی کٹ کو اس نے پسند نہیں کیا۔ اسے اپنے قیام کی مدت میں کمی بھی کرنی پڑی کیوں کہ وجے نگر کے بادشاہ نے اسے بلا تاخیر دارالسلطنت آنے کے لیے کہا تھا۔ وہ منگلور ہوتے ہوئے وجے نگر پہنچا۔ اس کا زبردست خیر مقدم کیا گیا۔ یہاں اس نے مہانومی کا جشن دیکھا۔ وہ 1443 کے اخیر میں وجے نگر سے منگلور کے لیے روانہ ہوا اور 1444 میں منگلور سے ایران چلا گیا۔ اس نے نظام حکومت اور اس زمانہ کے سماجی حالات پیش کیے ہیں جن سے اس کے مشن کی تاریخی شہادت کی تصدیق ہوتی ہے۔

اتھے نیسیس نکیتین(1470–74): روسی تاجر نکیتین تقریباً 1470 کے قریب محمد سوم کے عہد میں بہمنی سلطنت میں آیا۔ وہ ہندوستان آنے والا پہلا روسی تھا۔ وہ روسی گھوڑوں کا تاجر تھا۔

لیوڈووکوڈی وارتھیما: وہ ایک اطالوی رئیس اور سپاہی تھا جسے پرتگالیوں نے ''سر'' کے خطاب سے نوازا تھا۔ اس نے 1502 سے 1508 کے درمیان ہندوستان کی سیاحت کی اور اپنے تجربات کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس نے گوا، کالی کٹ اور مغربی ساحل کے دوسرے بندرگاہ اور ان مقامات پر پرتگالیوں کے اثر، وجے نگر سلطنت اور وجے نگر شہر کے بارے میں جو کہا ہے وہ بہت دل چسپ اور قابل قدر ہے۔

دوآرت باربوسا(1500–1516): پرتگالی باشندہ دوآرت باربوسا کرشن دیورائے کے عہد میں ہندوستان آیا۔ ملیالم زبان سے بخوبی واقف تھا اور اس زبان میں اچھی طرح بات چیت کر سکتا تھا۔ 1502 میں وہ کنیانور میں ایجنٹ تھا۔ اس نے 1503 میں کنیانور کے بادشاہ اور فرنسسکو البوقرق کے درمیان ترجمان کی حیثیت سے کام کیا۔ البوقرق نے اس کی قابلیت کی بنا پر اسے اپنے یہاں ملازم رکھ لیا۔ وہ 1517-18 کے درمیان پرتگال واپس چلا گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی کتاب پر نظر ثانی کی۔ اپنی کتاب میں اس نے وجے نگر کا مکمل حال بیان کیا ہے۔

دومنگوپائس(1522): پرتگالی سیاح کرشن دیورائے کے عہد میں ہندوستان آیا۔ اس نے اپنے روزنامچے میں وجے نگر کا بہت تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اس نے اس وقت کے حکمرانوں کے ساتھ ساتھ شہروں، بازاروں، تالابوں کی تفصیلات پیش کی ہیں۔

فرناؤ نیونز (1535–37): نیونز اچیت دیورائے کے عہد میں ہندوستان آیا۔ وہ گھوڑوں کا تاجر تھا۔ اس نے وجے نگر میں تین سال گزارے۔ اپنے روزنامچے میں وہ وجے نگر کے بازاروں کا تفصیل سے ذکر کرتا ہے۔

سیزر فیڈرک (1567–68): اٹلی کا یہ سیاح سداشو کے عہد میں ہندوستان آیا۔ وہ تالی کوٹ جنگ کے دو سال بعد 1567 میں وجے نگر آیا۔ سولہویں صدی میں وجے نگر آنے والا یہ آخری سیاح تھا۔

رالف فچ (1583–1591): وہ تقریباً 9 سال تک ہندوستان میں رہا۔ اس کے ذریعہ پیش کردہ معلومات بہت دل چسپ ہیں۔

ان کے علاوہ مینول باراؤس، نکولس بیمیشا، جان ہٹی گین، وان لنکوئن وغیرہ دوسرے مصنفین ہیں جنھوں نے جنوبی ہند کے بارے میں ہماری واقفیت میں اضافہ کیا ہے۔ ان کی تحریروں سے سترہویں صدی کے ابتدائی زمانہ کے سیاسی واقعات کے بارے میں سرسری مگر واضح معلومات فراہم ہوتی ہیں۔

3.3 وجے نگر سلطنت کا قیام (Foundation of the Vijayanagara Empire)

سلطنت وجے نگر کی تاریخ تین سے زاید صدیوں (1336-1650) پر محیط ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جنوبی ہند کے لوگوں جو کبھی غیر ملکی تسلط میں نہیں آئے تھے کے سیاسی و ثقافتی کارنامے اپنی انتہا کو پہنچے۔ سلطنت اپنی انتہائی توسیع کے بعد عملی طور پر موجودہ پوری مدراس پریسڈینسی پر محیط تھی جس میں اس علاقہ کی ہندوستانی ریاستیں بھی شامل تھیں۔ ایک زمانہ میں اس کی سرحدیں سیلون اور برما کے بعض علاقوں تک جا پہنچی تھیں۔ اس فراموش شدہ سلطنت کی تاریخ کا خاکہ سب سے پہلے رابرٹ سیول نے اپنی مشہور تصنیف میں پیش کیا تھا جو 1900 میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد سے مدراس، میسور اور تراونکور کے محکمہ آثار قدیمہ کی سرگرمیوں کی وجہ سے بہت سے نئے مواد کا مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ متعدد زبانوں میں بہت سی ادبی تصنیفات اور سفرناموں کی اشاعت، مختلف حکومتوں کے دفاتر سے دستیاب عوامی دستاویزات کی تفصیل، ان کی ترتیب و تالیف، مخطوطات کے ماخذوں کے قدیم مجموعوں کے از سر نو مطالعے اور ان کی توضیحات سے وجے نگر کی تاریخ کے نئے گوشے سامنے آتے ہیں۔ 1914 مدراس یونیورسٹی کے قیام کے ساتھ یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ ہند اور محکمہ آثار قدیمہ کے مشاغل میں وجے نگر کی تاریخ کے مطالعے کو ناگزیر طور پر ایک اہم حیثیت حاصل ہو گئی۔ اس کے پہلے پروفیسر ایس کرشنا سوامی اینگر نے وجے نگر کی تاریخ کے چند ماخذوں کی محققانہ اشاعت کر کے اس سلسلے میں اہم پیش رفت کی اور نمایاں کارنامے انجام دیے۔ اس کے بعد ڈاکٹر این وینکٹ رامانیہ نے دو کتابیں شائع کیں جن کے نام تھے "وجے نگر شہر اور مملکت کی ابتدا" اور "وجے نگر کے تیسرے شاہی خاندان کا مطالعہ"۔ جناب مہالنگم کی کتاب *The Third Dynasty* نے تامل کے پہلو سے سماجی اور انتظامی مسائل کے مطالعے میں اضافہ کیا ہے۔ کے اے این شاستری نے "وجے نگر کی تاریخ کے مزید مآخذ (*Further source of Vijaynagar History*)" لکھ کر بڑا کارنامہ انجام دیا۔

وجے نگر کے قیام کا مقصد ایک طاقت ور اور ہندو ریاست قائم کرنا تھا۔ اس سلطنت کی سیاسی تاریخ مختلف شاہی خاندانوں کی تبدیلی اور اندرونی خلفشار کی تاریخ ہے۔ اس سلطنت میں کل ملا کر چار شاہی گھرانوں کی حکومت رہی جنہوں نے 1336 سے لے کر 1616 تک حکومت کی۔ سب سے پہلا شاہی خاندان سنگم شاہی خاندان تھا۔ اس خاندان نے 1336 سے لے کر 1485 تک حکومت کی۔ اس میں کوئی تیرہ حکمران ہوئے۔ دوسرا شاہی خاندان سلوُوا شاہی خاندان تھا جس نے 1485 سے 1504 تک حکومت کی۔ سلوُوا نرسنگھ اس کا بانی تھا۔ امادی نرسنگھ اس کا آخری حکمراں تھا۔ تیسرا شاہی خاندان تلوُوا شاہی خاندان تھا۔ اس شاہی خاندان نے 1504 سے 1565 تک حکومت کی۔ اس میں کل پانچ حکمران ہوئے۔ ویر نرسنگھ اس کا پہلا حکمراں تھا جب کہ سداشِورائے اس کا آخری حکمراں تھا۔ چوتھا شاہی خاندان ارادو شاہی خاندان تھا۔ جس نے 1565 سے 1616 تک حکومت کی۔ اس خاندان کا پہلا حکمراں تیرو مل تھا، جب کہ آخری حکمراں شری رنگ سوم تھا۔ چاروں شاہی خاندانوں نے دکن کی تاریخ میں ان مٹ نقش چھوڑے ہیں۔ آئندہ صفحات میں ہم مختلف شاہی خاندانوں کے ذریعہ حکوت کی گئی توسیع کا مطالعہ کریں گے۔ وجے نگر سلطنت کا قیام سنگم کے بیٹے ہری ہر اور بُکّا نے کیا۔ بتایا جاتا ہے کہ 1327 میں جب تغلق حکمراں نے کمپلی پر قبضہ کر لیا تو ان دونوں بھائیوں کو قید کر کے دلی لے جایا گیا۔ یہاں انہوں نے مذہب اسلام قبول کر لیا۔ بہت جلد انہوں نے سلطان کا اعتماد بھی حاصل کر لیا۔ سلطان نے انہیں کمپلی کے نظم و نسق کے لیے واپس بھیج دیا۔ یہاں آنے کے کچھ دنوں بعد انہوں نے مذہب اسلام ترک کر دیا اور خود مختار ہندو ریاست کے لیے کوششیں شروع کر دیں اور بہت جلد وجے نگر سلطنت قائم کر دی۔ سلطنت کے قرب و جوار کے علاقوں نے ان کے اقتدار کو تسلیم کرنا شروع کر دیا۔

3.3.1 سنگم شاہی خاندان

ہری ہر اول (1336–1356): ہری ہر اول نے 1336 میں ہمپی ریاست کی بنیاد ڈالی جو بعد میں وجے نگر ریاست بنی۔ اس میں تنگ بھدرا ندی کے جنوبی ساحل پر واقع انے گونڈی کو سلطنت کا پہلا دارالخلافہ بنایا۔ سات سال کے بعد (1342-43) میں اس نے گونڈی کے بجائے وجے نگر کو دوسرا دارالخلافہ بنایا۔ گنّی جس پر وجے نگر کے ابتدائی ایام سے ہی ہری ہر کا اقتدار مضبوط تھا، اس کا بھائی بُکّا یہاں کا حکمراں رہا۔ 1356 کے تھوڑے عرصے کے بعد ہری ہر کی حکومت ختم ہو گئی۔ اپنی موت سے قبل ہری ہر نے اپنے بھائیوں میں سب سے قابل بھائی کو اپنا جانشیں مقرر کر دیا۔ در حقیقت اسے ''حکومت کا سہارا'' کہا گیا۔ وہ 1346 تک مشترک حکمراں کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ ہری ہر اول نے سب سے پہلے ہوئے سل حکمراں ولّال سوم کو 1335 میں شکست دی۔ 1346 میں ہری ہر اور اس کے بھائیوں نے ہوئے سل ریاست کو وجے نگر میں شامل کر لیا۔ اس کے فوراً بعد مغربی ساحل پر قائم تامل ناڈو کو جیت لیا گیا۔ وجے نگر کے قیام کے دس برسوں میں ہری ہر کے سبھی بھائیوں نے اپنے اقتدار کی توسیع کرنے اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو اپنا اقتدار تسلیم کروانے پر مجبور کر دیا۔ 1340 میں بادامی اس کا حصہ بن چکا تھا۔ 1347 میں کرناٹک میں واقع کادمب ریاست کو جیت کر وجے نگر سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔ 1352-53 میں ہری ہر اول نے مدورا پر فتح حاصل کر لی۔ حالانکہ اس کا انضمام نہ کیا جا سکا۔

بُکّا اوّل (1356–1377): بُکّا اول نے ہری ہر اول کے ساتھ مشترکہ طور سے 1346-1356 تک گنّی کو دارالخلافہ بنا کر حکمرانی کی

تھی۔ دراصل ہری ہر کے منصوبے بکا کے ذریعہ ہی عمل میں لائے جاتے تھے۔ بُکا کے عہد کا سب سے اہم کارنامہ مدورا کو وجے نگر میں شامل کرنا تھا۔ اس فتح کی مہم کا آغاز 1370-71 میں اس کے بیٹے کمار کمپن نے کیا تھا۔ اس فتح سے وجے نگر سلطنت کی سرحد رامیشورم (سیتو بندھ) تک پہنچ گئی اور تامل اور کیرل کے علاقے کے بشمول پورا جنوبی ہندوستان وجے نگر میں شامل ہو گیا۔ بُکا اوّل نے 1367 میں سب سے پہلے رائچور دوآب کے علاقوں کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے وارنگل کے حکمراں کے ساتھ مل کر جنگ کا آغاز کیا۔ اس کے بعد بُکا نے ریڈی ریاست کے بانی پرولے ویم کے بیٹے سے کونڈودو چھین لیا۔

ہری ہر دوم (1377–1404): بُکا اول کے بعد اس کا بیٹا ہری ہر دوم تخت نشیں ہوا۔ اس نے ستّائیس سال تک حکومت کی۔ اس نے پورے جنوبی ہند پر وجے نگر سلطنت کا اقتدار قائم کیا۔ اس نے اپنے چچازاد بھائیوں کو ہٹا کر اپنے بیٹوں کو صوبوں کا گورنر بنایا۔ ہری ہر نے 1390 میں وارنگل کے علاقے پر دوبارہ حملہ کیا۔ اس حملے کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ سات سال کے بعد پنگل پر قبضہ ہو گیا۔ یہ جیت اس لیے اہم معلوم ہوتی ہے کہ بُکا دوم کو مستقبل میں تلنگانہ کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے ایک صدر مقام حاصل ہو گیا۔ اس کے عہد میں دوسرے اطراف میں بھی توسیع ہوئی۔ شمال مغرب میں مسلم حکومت سے گوا، چول اور دابھول اور کھرے پٹن کے بندرگاہ چھین لیے گئے۔ کچھ عرصے کے لیے وجے نگر سلطنت کی شمالی سرحد دریائے کرشنا تک پہنچ گئی۔ بعد ازاں کوڈو کے ریڈّیوں سے کرنول، نیلور اور گنتور کے کچھ حصّے بھی چھین لیے گئے۔ جنوب میں شری لنکا تک دھاوا بولا گیا اور اسے خراج دینے پر مجبور کیا گیا۔ اس طرح وجے نگر کا جنوب میں اثر بڑھ گیا۔

99–1398 میں ہری ہر دوم اور بہمنی حکمراں فیروز شاہ کے درمیان خوفناک جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں فیروز نے وجے نگر کی فوج کو کرشنا ندی کے ساحل دارالخلافہ تک کھدیڑا۔ بالآخر دونوں طاقتوں کے درمیان معاہدہ ہو گیا جس کی رو سے دونوں سلطنتوں کے حدود پہلے جیسی رہنی طے پائی۔ 1397-98 میں پانگل کو جیت لیا گیا مگر بدقسمتی سے جلد ہی یہ مقام ہاتھ سے نکل گیا۔ ہری ہر دوم سے قبل کے حکمرانوں نے کسی طرح کے شاہی القاب اختیار نہیں کیے تھے۔ وہ پہلا حکمراں تھا جس نے ''مہاراجادھیراج'' اور ''راج پرمیشور'' جیسے القاب اختیار کیے۔ وہ بذات خود بڑا عالم بڑا معمار اور عالموں کی سرپرستی کرنے والا تھا۔ اس کے حلقہ اختیار میں مشرقی، جنوبی اور مغربی سمندری علاقہ سے گھرا ہوا عظیم سامراجیہ تھا۔ اس کی سلطنت کی وسعت کا اندازہ اس حقیقت سے لگتا ہے کہ اس کے دور اقتدار کے کتبے میسور، دھاروار،، کانچی پورم، چنگل بُٹ اور ترچناپلی میں پائے گئے ہیں۔ حالاں کہ وہ وِیروپکش (شکل کی شکل) کا پجاری تھا، پھر بھی اس نے ویشنووں اور جینیوں کی سرپرستی کی۔

دیورائے اول (1406–1422): 1404 میں ہری ہر دوم کی موت کے بعد اس کے بیٹوں کے درمیان اقتدار کے لیے رسّہ کشی شروع ہوئی جس میں ویروپکش اور بُکا علی الترتیب تھوڑے دنوں کے لیے حکمران بنے۔ اخیر میں دیورائے اول حکمراں بنا۔ اس نے 5؍نومبر 1406 کو اپنا جشن تاجپوشی منایا۔ پرتگالی مورخ نونیز کے مطابق دیورائے نے وجے نگر شہر کی بڑی توسیع کی۔ اس نے شہر کے اندر کئی دیواریں، مینار اور ترتیب کے ساتھ قلعے تعمیر کروائے۔ سیول کے مطابق اس کا اہم ترین کام دریائے تنگ بھدرا پر ایک بہت بڑا باندھ اور دریا سے پندرہ

میل دور ایک نہر تعمیر کروانا تھا۔

دیورائے کو اپنی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں بہمنی سلطنت فیروز کے ساتھ جنگ کرنی پڑی۔ ابتداءً جنگ میں فیروز کو شکست کا سامنا کرنا پڑا مگر بعد میں امن قائم ہو گیا۔ دونوں کے درمیان معاہدہ ہو گیا۔ صلح کے شرائط دیورائے کے لیے شرم ناک تھے۔ اسے بانک پور کا قلعہ جو خوبی نقطہ نظر سے بہت اہم تھا فیروز کو دینا پڑا۔ دیورائے کو اپنی ایک بیٹی کی شادی بھی فیروز کے ساتھ کرنی پڑی لیکن اس طرح کی شادی سے بھی امن قائم نہیں ہو سکا۔ کرشنا گوداوری وادی کے سوال پر وجے نگر، بہمنی سلطنت اور اڑیسہ کے درمیان دوبارہ رسہ کشی شروع ہو گئی۔ کرشنا او گوداوری کے درمیان علاقے کا تیلگو سردار انادیو فیروز کا حلیف تھا۔ اس کے اثر کو ختم کرنے کے لیے دیورائے نے اپنے بہنوئی راجامیندرورمن سے دوستی کرلی۔ 1415ء میں لڑائی چھڑ گئی۔ اس میں دیورائے کی فوج کو شکست ہوئی۔ فیروز کی تلنگانہ میں فرماں روائی برقرار رہی۔ دیورائے نے پنگل پر قبضہ کر کے اس کا انتقام لے لیا۔ اس کے بعد بہمنی فوج نے شہر کا دو سال تک محاصرہ کیا۔ کئی وجوہات کی وجہ سے دیورائے کو 1419ء میں مکمل طور پر فتح حاصل ہو گئی۔ 1420ء میں کونڈویڈو کو دیورائے اور راجہ کونڈ کے ویلموں نے آپس میں بانٹ لیا۔ اس طرح کونڈویڈو حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

وجے رائے (1420–26): دیورائے کے 1422ء میں انتقال کے بعد اس کا بیٹا رام چندر کچھ مہینوں کے لیے تخت پر بیٹھا۔ اس کے بعد اس کا بھائی ویروجے رائے تخت نشیں ہوا۔ اس نے کوئی پانچ سال تک حکومت کی۔ اس کا عہد حکومت بہت قابل ذکر نہیں ہے۔ نونیز کا خیال ہے کہ اس نے کوئی قابل ذکر کام نہیں کیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا تخت نشیں ہوا۔

دیورائے دوم (1426–1446): دیورائے دوم 1426 میں تخت نشیں ہوا۔ وہ سنگم خاندان کا عظیم ترین حکمراں تھا۔ اس نے اپنا لقب ''گج بتیکار'' اختیار کیا تھا۔ 1428ء میں اس نے کونڈوڈو پر حملہ کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد دیورائے نے اڑیسہ کی گج پتی ریاست پر بھی حملہ کیا۔ دیورائے نے کیرل پر بھی حملہ کیا اور کوئلن اور دوسرے سرداروں کو مغلوب کر کے اپنا اقتدار قائم کیا۔ ایرانی سیاح عبدالرزاق کا خیال ہے کہ کالی کٹ کا بادشاہ اگرچہ اس کا ماتحت نہ تھا پھر بھی وہ دیورائے سے بہت ڈرتا تھا۔ اس کے مطابق پورے جنوبی ہندوستان پر دیورائے کا ہی اقتدار اعلا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ دیورائے کی سلطنت شری لنکا سے گلبرگہ تک اور بنگال (اڑیسہ) سے مالابار تک پھیلی ہوئی تھی۔ نونیز کے مطابق دیورائے کو ئیلن، شری لنکا، پولی کٹ، پیگو، تناسرم اور دوسرے مقامات کے حکمرانوں سے خراج وصول کرتا تھا۔ دیورائے کی طویل اور کامیاب حکومت 1446 میں اس کے انتقال کے بعد ختم ہو گئی۔

ملّکارجن (1446–1465): یہ کمزور اور نکمّا حکمراں تھا۔ اس کے تخت پر بیٹھتے ہی ملک میں ہر جگہ ابتری پھیل گئی۔ اس کے دورِ حکومت میں وجے نگر کا زوال شروع ہو گیا۔ ملکارجن کے دور حکومت میں بہمنی سلطان نے تلنگانہ میں واقع ویلموں کے دارالخلافہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے نتیجے میں ویلما ویلوگو (ضلع کرنول) میں آکر مستقل طور پر آباد ہو گئے۔ ملکارجن کا انتقال 1465ء میں ہو گیا۔

ویروپکش(1465–1485): ملکارجن کے انتقال کے وقت اس کا بیٹاراج شیکھر کم سن تھا۔ راج شیکھر کے چچازاد بھائی ویروپکش دوم نے تخت پر قبضہ کرلیا۔ وہ پرتاپ دیورائے کا بیٹااور دیورائے دوم کا چھوٹا بھائی تھا۔ ویروپکش اچھا حکمراں نہیں تھا۔ نونیز کا کہنا ہے کہ ''وہ بدکاری کا عادی تھا۔ عورتوں کا رسیا تھااور شراب پی کر بدحواس پڑا رہتا تھا۔ اس کے عہد میں سلطنت کا بڑا حصہ اس کے اقتدار سے نکل گیا۔ مرکزی حکومت روز بروز کمزور ہوتی چلی گئی۔ صوبائی گورنروں کی کوشش سے ہی سلطنت کو منتشر ہونے سے روکا جاسکا۔ ویروپکش دوم نے 1485 کے وسط تک حکومت کی۔ اس کے بعد اس کے بڑے بیٹے نے اسے قتل کردیا۔ باپ کو قتل کرنے کے بعد وہ خود تخت پر نہیں بیٹھا بلکہ اپنے چھوٹے بھائی پیدیاراؤ کو تخت پر بٹھایا۔ نئے بادشاہ نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے اس بھائی کو جس کی بدولت اسے تخت حاصل ہوا تھا قتل کروادیا۔ اس کے بعد وہ عیّاشی میں پڑ گیااور سلطنت کے کام سے غفلت برتنے لگا۔ حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے نرسنگھ نے شاہی خاندان کے خاتمے کاارادہ کرلیا۔ چنانچہ اس نے اپنے جنرل نرس نایک کو وجے نگر پر حملہ کرنے اور اس پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجا۔ اس نے بغیر کسی مزاحمت کے شہر پر قبضہ کرلیا۔ نونیز نے پورے واقعے کو بہت تفصیل سے پیش کیاہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے آقا سالووانرسنگھ کو حکمرانی کے لیے مدعو کیا۔ وجے نگر کی تاریخ میں اختیار غصب کرنے کا پہلا واقعہ تھا۔ نرسنگھ کے تخت پر قبضہ کرنے کے ساتھ ہی وجے نگر پر دوسرے شاہی خاندان سالووا خاندان کی حکومت شروع ہوگئی۔

3.3.2 سالووا خاندان

سلووانرسنگھ (1486–1490): سالووا شاہی خاندان کا بانی سلووانرسنگھ اس خاندان کا سب سے قابل حکمراں تھا۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے وجے نگر کو ممکنہ تباہی سے بچالیا۔ اسے اپنی حکومت کی ابتدا میں پیرانی پاڈو (کُوپّا ضلع) کے سامونیوں، میسور کے نزدیک واقع پولی گاروں وغیرہ باغی جاگیرداروں کی بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ پولیگاروں کے ساتھ اسے لمبی جدوجہد کرنی پڑی۔ مگر اندرونی بے اطمینانی کو مکمل طور پر ختم کرنے سے قبل ہی 1489 میں گجپتی پروشوتم نے وجے نگر پر حملہ کردیا۔ اس نے نیلوّر ضلع میں واقع کنڈل کمپاندی تک اڑیا کے جنوبی مشرقی ساحل علاقے کو جیت لیا۔ اورادے گری قلعے پر حملہ کرکے سالووانرسنگھ کو قید کرلیا۔ آزادی کی درخواست پر اسے رہائی تو مل گئی مگر ادے گری کا قلعہ گجپتیوں کے قبضے میں چلا گیا۔

امّادی نرسنگھ (1490–1506): سالوانرسنگھ نے اپنی موت سے قبل تُلوا ایشور کے بیٹے اور اپنے قابل اعتماد سپہ سالار نرس نایک کے دو کم عمر بیٹوں۔ تِمابھوپ اور اِمّادی نرسنگھ کا سرپرست بحال کیا۔ نرس نایک نے پہلے تمابھوپ کو راجا بنایا مگر نرس نایک کے حریف تِمّرس نے تمابھوپ کو مرواڈالا۔ اس کے بعد امادی نرسنگھ کو تخت پر بٹھایا گیا مگر نرس نایک نے ایجنٹ کی شکل میں اقتدار کا حقیقی کنٹرول اپنے ہاتھ میں رکھااور شاہی القاب اختیار کیے۔ ایسی حالت میں بادشاہ اور اس کے درمیان ان بن ہوگئی جس میں اور سختی آتی گئی۔ 1492ء میں باہمی ان بن اس نوبت کو پہنچی کہ نرس نایک فوج کے ساتھ پینو گوندے وجے نگر کا محاصرہ کرنے کے لیے روانہ ہوگیا۔ امادی نرسنگھ کو صلح کی قیمت ادا کرنے کے سلسلے میں تمارس کو چھوڑنا پڑا۔ تمارس کو موت کی سزا دی گئی۔ بادشاہ کو پینو گوند بھیج دیا گیا جہاں اس پر سخت نگرانی رکھی جانے لگی۔ دراصل اختیارات غصب کرنے کا یہ دوسرا واقعہ تھا جس کی بناء پر لازمی طور سے ملک کے اندر نئی نئی مصیبتیں اٹھ کھڑی ہوئیں جو نرس نایک کو بارہ تیرہ

سال کے زمانہ حکومت میں برابر پیش آتی رہیں۔

نرس نایک نے اگلے بارہ تیرہ سال تک حکومت کا نظم ونسق دیکھااور بیجاپور، بیدراور مدوراوغیرہ کے خلاف کامیابی کے ساتھ مہم جوئی کی۔اس کوسب سے بڑی کامیابی رائچور دوآب میں ملی جب اس نے بیدر کے قاسم برید کے ساتھ مل کر رائچور دوآب کے کئی قلعوں پر قبضہ کرلیا۔ وجے نگر کی سب سے بڑی کامیابی گجپتیوں کے خلاف تھی۔نرس نایک نے پرتاپ رودر گجپتی کے ذریعہ جنوب کی جانب اپنے سامراج کو وسعت دینے کے سارے منصوبوں کو ناکام کردیا۔1496ء میں نرس نایک نے فوج کے ساتھ جنوب کی طرف کوچ کیااور ترچنا پلی اور تنجور کے گورنر کو نے تی راجہ کو، جس کی شری رنگم کے ویشنوں نے شکایت کی تھی، پست کرکے اس کی زیادتیوں پر کنٹرول قائم کیا۔اس کے بعداس نے کماری انتریب کے چیرااور پانڈیہ حکمرانوں کو وجے نگر کی بالادستی قبول کرنے پر مجبور کیا۔اس نے ویری ندی پر پل بناکر شری رنگ پٹّم پر بھی حملہ کیااور وہاں کے جاگیردار کو خودسپردگی کے لیے مجبور کیا۔ 1505 میں ویر نرسنگھ سالووا خاندان کے آخری حکمراں امادی نرسنگھ کا قتل کرکے وجے نگر کے تخت پر بیٹھا۔اس طرح اس نے تیسرے شاہی خاندان تلووا خاندان کی بنیاد ڈالی۔ وجے نگر کی تاریخ میں اس واقعہ کو دوسرا غاصبانہ قبضہ کہا جاتا ہے۔

3.3.3 تلواخاندان

ویر نرسنگھ (1505–1509): امادی نرسنگھ کے بعد ویر نرسنگھ تخت نشیں ہوا مگر اس کی تخت نشینی کو آسانی سے قبول نہیں کیا گیا۔ نونیز کا بیان ہے کہ نرس نایک کی وفات کے بعد پورے ملک میں کپتانوں کی قیادت میں بغاوت شروع ہوگئی۔ بادشاہ کے قتل اور اس کے بعد تخت پر غاصبانہ قبضے کے بعد ویر نرسنگھ کی حیثیت میں کوئی بہتر تبدیلی نہیں آئی۔اس کی چھے سالہ حکومت لڑائیوں میں گذری اور اسے ہمیشہ کامیابی بھی حاصل نہیں ہوئی۔ 1509ء میں جب ویر نرسنگھ اُمّتور پر حملے کی تیاری کررہا تھا، اس کی موت ہوگئی۔ مقامی روایتوں کے مطابق ویر نرسنگھ نے اپنی موت سے قبل کرشن دیورائے کو اپنا جانشیں منتخب کیا تھا۔

کرشن دیورائے (1509–1529): کرشن دیورائے سے متعلق سب سے پرانے کتبے پر 26؍جولائی 1509ء کی تاریخ درج ہے۔ مگر اس کی تاج پوشی پندرہ دن بعد کرشن جنم اشٹمی کے دن اس خیال سے کی گئی کہ عوام اس کو کرشن کا اوتار سمجھیں۔ کرشن دیورائے نرسنگھ کا چھوٹا بھائی اور نرس نایک کا بیٹا تھا۔اس کا عہد حکومت وجے نگر سلطنت کے لیے سب سے بڑی کامیابیوں کا اور زرین عہد کہلاتا ہے۔اس کی فوج کو ہمیشہ کامیابی ملی اور شہر سب سے زیادہ خوش حال تھا۔ وہ وجے نگر کے حکمرانوں میں سب سے زیادہ قابل تھا۔اس کے عہد میں وجے نگر کی سب سے زیادہ توسیع ہوئی۔ کرشن چندر رائے کی تخت نشینی کے وقت سلطنت کی حالت قابل اطمینان نہ تھی۔اماتور کا باغی سردار میسور کے بہت بڑے حصّے کا مالک ہوجانے کے لیے جنگ کرتا رہتا تھا۔اڑیسہ کے گجپتی شمالی علاقوں پر قبضہ جمائے ہوئے تھے۔پرتاپ رودر بھی حملہ کرنے کے لئے تیار رہتا تھا۔شمال کی جانب سے بیجاپور کی طرف سے حملے کا خدشہ برقرار تھا۔ نئی ابھرتی ہوئی طاقت یعنی پرتگالی مغربی ساحلی علاقوں پر اپنا کنٹرول قائم کرتے جارہے تھے۔ان تمام دشواریوں کے باوجود کرشن دیورائے دس برس کی مدّت میں پورے علاقے میں وجے نگر کا اقتدار قائم کرنے

میں کام یاب ہو گیا۔اس کی سلطنت میں اب نہ تو بغاوت کا خدشہ تھا اور نہ ہی بدامنی پائی جاتی تھی۔پرتگالی بھی اس کے دوست بن گئے تھے۔

کرشن دیورائے نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اس نے بہمنی فوجوں کے حملے کو ناکام بنادیا۔اس نے پرتگالیوں سے تعلقات استوار کر لیے اور اس کو بہمنیوں کے خلاف استعمال کیا۔اس نے اپنی فوج کو دوبارہ منظم کرنے اور جاگیرداروں کے فوجی دستوں کو مؤثر طور پر جنگ جو بنانے کا کام یاب تجربہ کیا۔اس نے بیجاپور اور بہمنی سلطان کے باہمی اختلافات کو ایک غنیمت موقع سمجھ کر رائچور دوآب پر حملہ کر دیا اور رائچور قلعہ فتح کر لیا۔ 1511ء کے بعد اس نے گلبرگہ کی جانب پیش قدمی کی اور اس پر قبضہ کر لیا۔اس کے بعد وہ بیدر کی جانب روانہ ہوا اور اسے بھی کچھ عرصہ کے محاصرے کے بعد جیت لیا۔کرشن دیو نے اپنے دوسرے دشمنوں کے خلاف بھی جنگ جاری رکھی۔بہمنی حملہ کو پسپا کرنے کے بعد اس نے اماتور کے گنگارائے سے جنگ شروع کر دی۔یہ لڑائی اگست 1510ء سے 1512ء کے آخر تک چلتی رہی۔اس نے پینو گونڈا کے مستحکم قلعہ کو فتح کر لیا۔اس کے بعد اماتور اور شِون سمدرم جو گنگارائے کا صدر مقام تھا پر حملہ کیا۔اس کی تسخیر میں ایک سال لگ گیا۔ گنگارائے سے نپٹنے کے بعد کرشن دیورائے نے اڑیسہ کے گجپتیوں کے خلاف کوچ کیا اور انہیں شکست دی۔1513ء میں اس نے ادے گری کا محاصرہ کیا۔ڈیڑھ سال کے محاصرے کے بعد اس پر قبضہ جمالیا۔پھر اس نے گجپتیوں کے تحت کونڈاودو کا محاصرہ کیا۔کونڈاودو کرشنا ندی کے جنوب میں واقع گجپتیوں کا اہم شہر تھا۔کئی مہینوں کے محاصرے کے بعد اس پر قبضہ کر لیا گیا اور یہاں کا انتظام سالووا تما کے سپرد کر دیا۔اس کے بعد کرشن دیو نے گجپتیوں کے خلاف ایک بار پھر کوچ کیا اور وجے واڑہ پر قبضہ کر لیا۔اس کے بعد کونڈاپلی کے مستحکم قلعے کا محاصرہ کیا گیا۔کرشنا ندی کے کنارے ہوئی جنگ میں پرتاپ رودر کو شکست حاصل ہوئی اور کونڈاپلی کے ساتھ ہی قلعوں اور نل گونڈا اور نگل کے بہت بڑے حصّے پر کرشن دیوارائے کا قبضہ ہو گیا۔

گجپتیوں کے تحت تلنگانہ میں واقعہ علاقوں پر مؤثر انداز سے قبضہ کرنے کے بعد کرشن دیورائے نے گجپتیوں کے خاص علاقے کلنگ ریاست پر توجہ مرکوز کی۔اس نے راج مندری شہر پر قبضہ کیا۔اس کے بعد اس کی جیت کی مہم پوتنور سنہادری تک جاری رہی۔یہاں اس نے 1516 میں ایک فتح کا مینار نصب کیا۔اس کی حملہ آور فوج آگے بڑھتی گئی اور کلنگ ہوتے ہوئے کٹک تک پہنچ گئی۔پرتاپ رودر نے صلح کی درخواست کی۔ کرشن دیورائے نے فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پرتاپ رودر کو دریائے کرشنا کے شمال میں واقع کل علاقہ واپس لوٹادیا۔ 1520ء میں بیجاپور کے سلطان اسماعیل عادل خاں نے اڑیسہ کے گجپتیوں سے اتحاد کر کے رائچور دوآب کو حاصل کر لیا۔اس پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لیے کرشن دیورائے نے زبردست تیاری کی۔نونیز کے مطابق اس نے دس لاکھ کی فوج کے ساتھ کوچ کر کے رائچور دوآب کا محاصرہ کر لیا۔دونوں فوجوں کے درمیان زبردست جنگ ہوئی۔شروعات میں عادل خاں کی فوج کا پلڑا بھاری رہا مگر بعد میں پانسہ پلٹ گیا۔کرشن دیورائے کی فوج کے زبردست حملے سے گھبرا کر عادل خاں کی فوج تتر بتر ہو گئی۔عادل شاہ نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔اس کے بعد بیجاپور کے سلطان کے دل میں کرشن دیورائے کا زبردست خوف قائم ہو گیا اور اس نے دوبارہ مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں کی۔ کرشن دیورائے رائچور واپس آگیا اور کچھ عرصہ بعد اس پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔اس طرح 1523ء تک کرشن دیورائے نے وجے نگر کے سارے دشمنوں کو ہرا کر وجے نگر کی ناقابل تسخیر طاقت کا قیام کیا۔ نیونز کا بیان ہے کہ 1524 میں کرشن دیورائے نے اپنے چھ سالہ بیٹے تِرو ملائی

کوراجابنادیااور خود وزیر کے طور پر کام کرنے لگا۔ مگر سلوٗواتِملا کے ذریعہ زہر دیے جانے کی وجہ سے اس کی موت ہوگئی۔اس بزدلانہ حرکت کی وجہ سے کرشن دیورائے نے اس کو خاندان سمیت قید خانے میں ڈلوادیا۔اس کے بعد اپنی موت (1529) سے قبل اپنے ایک دوسرے کم عمر بیٹے کو وارث نہ بنا کر اپنے چچازاد بھائی اچیت رائے کو اپنا جانشیں مقرر کیا۔

اچیُت دیورائے (1529–1542) : نیونزجواچیت دیورائے کے دربار میں کچھ دنوں تک مقیم رہا کے مطابق نیا حکمراں بری عادتوں کا مالک اور ظالم و جابر قسم کا انسان تھا۔اس میں سچائی اور ہمت کا فقدان تھا۔ عوام بادشاہ کی بد چلنی اور بدکاری کے رجحانات سے سخت پریشان تھے۔اس کے برعکس اچیت دیورائے کے درباری شاعر راج ناتھ ڈنڈم کے مطابق اس میں کچھ غیر معمولی اور قابل تعریف صلاحتیں موجود تھیں۔ حقائق پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ اچیت دیورائے اتنا خراب بادشاہ نہیں معلوم ہوتا ہے کیوں کہ کرشن دیورائے نے خاص طور پر اسے اپنے آٹھ ماہ کے لڑکے پر ترجیح دے کر جانشینی کے لیے منتخب کیا تھا۔البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جانشینی کے وقت اس کی حالت بہت نازک تھی۔اسے خانہ جنگی جیسے حالات کا سامنا کرنا پڑا۔

وجے نگر کے اندرونی معاملات کا فائدہ اٹھا کر اڑیسہ کے گج پتی پرتاپ رودر اور بیجاپور کے اسماعیل عادل خاں نے وجے نگر پر حملہ کر دیا۔ گج پتی حملے کو تو ناکام کر دیا گیا مگر اسماعیل عادل خاں نے ناگلاپور کو منہدم کر کے رائچور اور مُدگل کے قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ مگر 1534 میں اچیت رائے نے بیجاپور کے اندرونی بدنظمی کا فائدہ اٹھا کر رائچور اور مدگل پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔1536-37 میں گنّڈی میں ہوئی ایک بغاوت کو فرو کیا گیا۔اچیت رائے جب تروپتی کے مندر کی زیارت کے لیے گیا ہوا تھا، رام رائے نے پرانے ملازمین کو برخاست کر کے اپنے عزیزوں کو اہم عہدوں پر فائز کر کے اپنی حالت بہتر بنالی۔اچیت دارالخلافہ لوٹا تو اسے قید کر لیا گیا۔رام رائے نے خود کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ لیکن امرا کی مخالفت کی وجہ سے اس کو ارادہ بدلنا پڑا۔اب اس نے اچیت کے بھتیجے سداشو کو بادشاہ بنایا اور اس کے نام پر خود حکومت کرنے لگا۔ جنوب میں بغاوت ہونے کی وجہ سے رام رائے کو دارالخلافہ چھوڑنا پڑا۔اس لیے اچیت کو ایک قابل اعتماد ملازم کی نگرانی میں چھوڑ دیا گیا۔ رام رائے کو بغاوت کو فرو کرنے میں زیادہ دیر ہوگئی۔اس دوران رام رائے کے ملازم نے اچیت کو رہا کر دیا اور خود وزیر اعلا بن گیا۔ بہر کیف سلک راجو ترومل نے اسے بہت جلد ہٹادیا اور خود سلطنت کے امور کی دیکھ بھال کرنے لگا۔ایسی صورت میں رام رائے نے جلد از جلد دارالخلافہ واپس لوٹنے میں ہی عین مصلحت سمجھی۔ بعد کے دنوں میں اچیت اور رام رائے کے درمیان تصفیہ ہوگیا۔ یہ قرار پایا کہ اچیت بادشاہ ہوگا لیکن رام رائے کو اپنی ریاست میں کسی مداخلت کے بغیر حکومت کرنے کا اختیار ہوگا۔اچیت کی حکومت کا تمام وقت رام رائے کی حوصلہ مندی، سازباز، بیرونی حملوں اور اندرونی بغاوتوں کی بنیاد پر ناسازگار حالات کے خلاف کش مکش میں گذرا۔ تجارت کو نقصان پہنچا۔ زائرین کا سفر کم ہوگیا، ڈاکوؤں کی سرگرمیاں بڑھ گئیں۔اچیت نے ان مشکلات کا بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔اچیت رائے کی موت کے بعد اس کا نابالغ بیٹا وینکٹ اول حکمراں بنا مگر حقیقی اقتدار اس کے ماموں سکل راج ترِومل کے ہاتھ میں رہا۔رام رائے نے ابراہیم عادل شاہ سے مل کر ترومل کو مار ڈالا۔اس نے گنّڈی کے قید خانے سے سداشِو کو آزاد کر کے اس کی تاج پوشی کی۔

سداشو (1543–1567): وہ کرشن دیورائے کا بیٹا اور تلوُ خاندان کا آخری حکمراں تھا۔ وہ نام محض کا بادشاہ تھا۔ حقیقی اقتدار تین افراد پر مشتمل گروہ کے ہاتھوں میں تھی جس میں رام رائے خاص تھا۔ رام رائے نے شاہی القاب اختیار کرنا شروع کر دیے۔ رام رائے اور اس کے دونوں بھائی ترومل اور وینکٹ روی دکھاوے کے لیے سال میں ایک دن بادشاہ کے سامنے جاتے اور سجدہ ریز ہوتے تھے۔ رام رائے نے حکومت میں پرانے امرا کے زور کو ختم کر کے اپنے خاندان کے لوگوں کو اہم عہدوں پر فائز کیا۔ اس نے فوج میں بڑی تعداد میں مسلمانوں کو بھی بھرتی کرنا شروع کر دیا۔ اس نے پرانی پالیسی کو ترک کر کے مسلمانوں کو ذمہ داری کے عہدوں پر بھی مقرر کیا۔ اس نے دکن کی مسلم ریاستوں کے معاملات میں مداخلت کرنا شروع کر دیا۔ ایسا کرنے والا وہ پہلا شخص تھا۔ رام رائے اپنے پورے دور اقتدار میں کسی نہ کسی ریاست کے اندرونی معاملوں میں مداخلت کرنے میں مشغول رہا جو بالآخر وجے نگر سلطنت کے لیے مہلک ثابت ہوا اور اس کے زوال کی وجہ بنا۔ پرتگالیوں کے ساتھ رام رائے کے تعلقات ہمیشہ خوش گوار نہیں رہے۔ رام رائے کے عہد کا ایک اہم واقعہ تالی کوٹ یا رکشش تنگدُی کی جنگ ہے جس میں وجے نگر کی شرم ناک ہار ہوئی۔ یہ جنگ ہندوستان کی تاریخ کے سب سے زیادہ تباہ کن جنگوں میں سے ایک ہے۔ حالاں کہ جنگ کے بعد وجے نگر سلطنت ایک صدی تک قائم رہی مگر اس کی عظمت اور طاقت برباد ہو گئی۔ رام رائے کا بھائی ترِومل سداشورائے کو لے کر اینو گونڈا بھاگ گیا۔ کچھ دنوں کے بعد سداشورائے کو قتل کر کے ترومل خود حقیقی حکمراں بن گیا۔ اس نے وجے نگر کے دوبارہ تعمیر کی کوشش کی مگر اسے جزوی کام یابی ہی مل سکی۔

3.3.4 آرودو خاندان

ترومل (1570–1572): اس نے تلووا خاندان کے سداشورائے کا قتل کر کے وجے نگر کے چوتھے شاہی خاندان آرودو خاندان کی بنیاد ڈالی اور اینگونڈا کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔ اس نے زوال پذیر کرناٹک سامراج کا ادارک لقب اختیار کیا۔ اس نے زبان کی بنیاد پر سامراج کو تین حصّوں میں تقسیم کر کے اس پر اپنے تین بیٹوں کا کنٹرول اور نگرانی قائم کی۔ بڑے بیٹے شری رنگم اول کو تلگو علاقے کے لیے، دارالخلافہ اور اینو گونڈا، دوسرے بیٹے رام کو کنڑ علاقے کے لیے اور دارالخلافہ، شری رنگ پٹّم اور سب سے چھوٹے بیٹے وینکٹ دوم کو تمل علاقے کے لیے اور دارالخلافہ چندر گیری کے لیے مخصوص کیے۔

شری رنگم اوّل (1572–1585): اس کے دور اقتدار میں بیجاپور کے علی شاہ نے دارالخلافہ اینو گونڈا پر 1576 میں حملہ کیا۔ اس کے دفاع کی ذمہ داری اس نے سپہ سالار چھینپا کو سونپا اور خود چندر گیری چلا گیا۔ چھینپا نے بیجاپور کی فوج کو شکست فاش دی۔ 1579 میں گول کنڈہ ریاست کے مراٹھا برہمن مراری راؤ نے اہوبلم کے نرسنگھ مندر کو لوٹ لیا۔ گول کنڈہ کے سلطان نے حملہ کر کے بینو کود، کونڈودو، اور ادے گری کے قلعوں کو ہڑپ لیا۔

وینکٹ دوم (1586–1614): شری رنگ اول کی موت کے بعد جگّادیورائے کی قیادت میں سرداروں نے وینکٹ دوم کو حکمراں بنایا۔ اس نے سب سے پہلے وجے نگر کے کھوئے ہوئے علاقوں کو دوبارہ حاصل کرنے کی طرف دھیان دیا۔ گول کنڈہ کے قلی قطب شاہ سے اس نے

گٹّی، گنڈی کوٹ اور ادے گیری چھین لیے۔ کرشنا ندی کو دونوں سلطنتوں کے درمیان سرحد تسلیم کرلیا گیا۔ وینکٹ دوم نے دارالخلافہ اینو گونڈا سے چندر گیری تبدیل کی۔ وینکٹ نے سامراج کے شمالی ضلعوں کو پھر سے مستحکم کرنے کے لیے کسانوں کو آسان شرطوں پر زمین پٹّے پر دی۔ نتیجے کے طور پر رعیت اپنے قدیم پیشوں کی طرف پھر سے لوٹ آئی۔ اس نے گرام سبھاؤں کی گرتی ہوئی طاقت کے عروج اور غیر جانب دار انصاف دلانے کے نظم کے لیے کوشش کی۔ 1612 میں اڈیار کے راجا نے وینکٹ دوم سے اجازت لے کر میسور ریاست کا قیام کیا۔ وینکٹ دوم کے بعد زیادہ تر نایکوں نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ وینکٹ دوم کے بعد علی الترتیب شری رنگ دوم (1614)، رام دیو (1614–1630)، وینکٹ سوم (1630–1641) اور شری رنگ سوم (1642–1672) حکمراں ہوئے۔ شری رنگ سوم وجے نگر کا اور آرودو، خاندان کا آخری حکمراں ہوا۔ اس کے عہد میں میسور، بیدنور، مدورا اور تنجور جیسی آزاد ریاستیں وجود میں آئیں۔ وجے نگر ریاست حتمی طور پر شواجی کے ذریعہ ختم کر دی گئی۔

3.4 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

وجے نگر کی تاریخ جنوبی ہندوستان کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ وجے نگر سلطنت نے جنوبی ہندوستان بالخصوص اور ہندوستان کی تاریخ پر بالعموم گہرے نقش مرتب کیے ہیں۔ یہ سلطنت دہلی سلطنت کے جنوب پر حملوں سے پڑنے والے اثرات کے دفاع میں قائم ہوئی تھی۔ اس سلطنت کا قیام 1336 میں ہری ہر اور بکا نام کے دو بھائیوں نے کیا جن کا تعلق سنگم خاندان سے تھا۔ اس خاندان کے مختلف حکمرانوں نے سلطنت کی توسیع اور استحکام میں اہم کردار ادا کیا۔ 1485 میں اس خاندان کے آخری حکمراں کو ہٹا کر سالووانر سنگھ نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح وجے نگر پر سالووانام کے دوسرے شاہی خاندان کی حکومت شروع ہو گئی۔ سالووانر سنگھ اس خاندان کا سب سے قابل حکمراں تھا۔ اس کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے وجے نگر کو ممکنہ تباہی و بربادی سے بچالیا۔ اس خاندان نے بھی سلطنت کے استحکام میں اہم اقدامات کیے۔ 1505ء میں ویر نرسنگھ سالووا خاندان کے آخری حکمراں امادی نرسنگھ کا قتل کر کے وجے نگر کے تخت پر بیٹھا۔ اس طرح اس نے تیسرے شاہی خاندان یعنی تلووا خاندان کی بنیاد ڈالی۔ کرشن دیورائے اس خاندان کا ہی نہیں بلکہ وجے نگر سلطنت کا سب سے قابل حکمراں ثابت ہوا۔ اس کا عہد وجے نگر کی تاریخ کا زرین عہد کہلاتا ہے۔ اس خاندان کے آخری حکمراں، سداشو کے عہد کا اہم واقعہ تالی کوٹ کی جنگ (1565) ہے۔ اس جنگ نے وجے نگر کی عظمت کو شدید نقصان پہنچایا۔ حالاں کہ سلطنت بہت دنوں بعد تک قائم رہی۔ ترومل نے سداشو کا قتل کر کے وجے نگر کے چوتھے شاہی خاندان کی بنیاد ڈالی۔ شری رنگ سوم اس خاندان کا اور وجے نگر کا آخری حکمراں ہوا۔ اس کے عہد میں وجے نگر کی سلطنت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گئی۔

3.5 کلیدی الفاظ (Keywords)

آرائش : سجاوٹ

کندہ : کھدا ہوا

ضخیم : موٹی چیز

مروجہ : رائج

تسلّل : قبضہ

3.6 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

3.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. وجے نگر سلطنت کب قائم ہوئی؟
2. وجے نگر سلطنت کے بانی کا نام بتایئے۔
3. وجے نگر کا پہلا شاہی خاندان کون تھا؟
4. ہری ہر دوم نے کون سے القابات اختیار کیے تھے؟
5. دیورائے اول کا جشن تاج پوشی کب ہوا؟
6. کس بادشاہ کے عہد کو وجے نگر کا زریں عہد کہا جاتا ہے؟
7. وجے نگر سلطنت کے قیام کے بارے میں قدیم ترین سنسکرت ماخذ کا نام بتایئے۔
8. وجے نگر آنے والا سب سے پہلا یورپی سیّاح کون تھا؟
9. ایرانی سفیر عبدالرزاق ہندوستان کب آیا تھا؟
10. اس پرتگالی باشندے کا نام بتایئے جو کرشن دیورائے کے عہد میں ہندوستان آیا تھا؟

3.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. وجے نگر سلطنت سے متعلق غیر ادبی ماخذ پر روشنی ڈالیے۔
2. وجے نگر سلطنت سے متعلق ادبی ذرائع سے واقفیت کرایئے۔
3. وجے نگر سلطنت کا قیام کس طرح عمل میں آیا؟
4. امادی نرسنگھ کے عہد حکومت پر روشنی ڈالیے۔
5. اچیت دیورائے کے عہد میں کون سے اہم واقعات رونما ہوئے؟

3.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. وجے نگر سلطنت کے قیام اور استحکام میں سنگم شاہی خاندان کے کردار پر ایک مضمون لکھیے۔

2. سالوواشاہی خاندان کے عہد کے اہم واقعات بیان کیجیے۔
3. آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ کرشن دیورائے کا عہد وجے نگر کا زریں عہد تھا؟
4. آرودوشاہی خاندان کے عہد میں کون سے واقعات رونما ہوئے؟

3.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Asian Educational Services, *The Vijayanagar Empire*: *Chronicles of Paes and Nuniz*, Asian Educational Services, New Delhi, 1991.
2. Filliozat, Vasundhara ed., *Vijayanagar as seen by Dorningos Paes and Fernao Nuniz (16 Century Portuguese Chroniclers) and Others*, National Book Trust, India, 2015 (first pub. in 1977).
3. Nilakanta Sastri, K.A., *A History of South India*: *From Prehistoric Times to the Fall of Vijayanagar*, Oxford University Press, New Delhi, 1997 (first pub. in 1955).
4. Nilkantha Shastri, K.A., and N. Venkata Ramanayya, *Further Sources of Vijayanagara History*, Madras, 1946.
5. Pillai, Manu S., *Rebel Sultans*: *The Deccan from Khilji to Shivaji*, Juggernaut, New Delhi, 2018.
6. Reddy, Srinivas, *Raya*: *Krishnadevaraya of Vijayanagara*, Juggernaut, New Delhi, 2020.
7. Ritti, Shrinivas and Y. Subbarayalu eds., *Vijayanagara and Krishnadevaraya*, Indian Council of Historical Research, Southern Regional Centre, Bangalore, 2010.
8. Sewell, Robert, *A Forgotten Empire (Vijayanagar)*: *A Contribution to the History of India*, Asian Educational Services, New Delhi, 2000 (first pub. in 1900).
9. Sherwani, H.K. ed., *History of Medieval Deccan* (*1295–1724*), Two Vols., The Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 1973.
10. Stein, Burton, The New Cambridge History of India: Vijayanagara, Cambridge University Press, New Delhi, 1990.
11. Verghese, Anila and Anna L. Dallapiccola eds., *South India under Vijayanagara*: *Art and Archaeology*, Oxford University Press, New Delhi, 2011.
12. Yazdani, G. ed., *The Early History of the Deccan*, *Parts VII – XI*, Department of Archaeology and Museums, Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 2013 (first pub. in 1960).

اکائی 4۔ سماج اور معیشت بشمول تجارت

(Society and Economy including Trade)

اکائی کے اجزاء

4.0		تمہید
4.1		مقاصد
4.2		مآخذ
4.3		معاشرہ
	4.3.1	ذات پات
	4.3.2	سماجی رسمیں (رسومات)
	4.3.3	عورتیں (خواتین)
	4.3.4	طرز رہائش، غذا اور لباس
	4.3.5	سامان تعیش
	4.3.6	کھیل کود اور تفریحات
	4.3.7	غلامی
4.4		معیشت
	4.4.1	زراعت
	4.4.2	صنعت
	4.4.3	مندروں کا معاشی کردار
4.5		تجارت
4.6		اکتسابی نتائج
4.7		کلیدی الفاظ
4.8		نمونہ امتحانی سوالات

4.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

4.0 تمہید (Introduction)

وجے نگر کا قیام ہندو ثقافت اور مذہب کے تحفظ کے مقصد سے کیا گیا تھا۔اس لیے تانبے کی ایک پلیٹ(Copper Plate)میں بکا(Bukka) کو کرشن کا اوتار سمجھا گیا ہے جو لوگوں کو ملیچھوں (یہاں مسلمانوں سے مراد ہے) سے آزاد کرانے کے لیے زمین پر پیدا ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وجے نگر کا سماج ہندو مذہب کے بنیاد پر ورنا نظام پر مبنی تھا۔ ورن کے علاوہ کئی ذاتیں اور ذیلی ذاتیں بھی موجود تھی۔ لیکن کچھ سماجی برائیاں بھی سماج کا اہم حصہ بن گئی تھیں، مثلاً ستی (Sati) جس کا غیر ملکی مسافروں (سیاحوں) نے کھل کر بیان کیا ہے۔ دکن و جنوبی ہندوستان میں بہمنی اور وجے نگر سلطنتوں کا 200 سال سے زائد عرصہ تک غلبہ رہا۔ان سلطنتوں کے حکمرانوں نے نہ صرف شاندار دارالخلافہ اور شہروں کی بنیاد ڈالی اور ان کی خوبصورتی پر دھیان دیا بلکہ انہوں نے شاندار عمارتیں بنوائیں، علوم اور فنون کی ترقی میں اپنا اہم رول ادا کیا۔ قانون میں بہتری کی اور امن وامان بحال کرنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ صنعت و حرفت اور تجارت کی ترقی میں بھی اپنا اہم تعاون ادا کیا۔ اس وقت شمالی ہندوستان میں انتشار کی طاقتیں دھیرے دھیرے جگہ بنا رہی تھیں مگر دکن اور جنوبی ہندوستان میں ایک لمبے عرصے تک مستحکم حکومت قائم رہی۔ وجے نگر سلطنت کا زوال اس وقت ہوا جب بہمنی ریاست کی مختلف طاقتوں نے متحد ہو کر وجے نگر کو شکست دی۔ اسی درمیان ہندوستان کی تاریخ میں نئی تبدیلی آئی۔ اوّل تب جب پرتگیز جنوب مغربی ہندوستان میں داخل ہوئے اور اپنی کوششوں سے انہوں نے ہندوستان کے بحری راستوں پر غلبہ حاصل کر لیا۔ دوسرے، شمالی ہندوستان میں مغلوں کا اقتدار قائم ہوا۔ مغلوں کی آمد نے شمالی ہندوستان میں استحکام کے دوسرے دور کو جلا بخشی اور ایک لمبے عرصے تک ایشیائی طاقتیں جن کا خشکی کے علاقے پر دبدبہ رہا اور یورپی طاقتیں جو بحری راستوں پر غالب تھیں، کے درمیان مزاحمت شروع ہوئی۔

4.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- وجے نگر سلطنت جس نے تقریباً 250 برس تک جنوبی ہندوستان میں حکومت کی' کے دور میں مختلف علوم وفنون کو ترقی ہوئی۔
- معاشرے میں مختلف طبقوں اور ذاتوں کے درمیان توازن بنایا۔
- زراعت، صنعت اور تجارت کو فروغ دے کر خوش حال معیشت قائم کرنے میں نمایاں رول کو سمجھ پائیں گے۔
- اس باب میں ہم وجے نگر سلطنت کے عہد میں جنوبی ہندوستان کی معاشرتی اور معاشی زندگی کا مطالعہ کریں گے۔

4.2 آخذ (Sources)

وہ خطہ جس پر وجے نگر کے حکمرانوں کا غلبہ تھا وہ کثیر لسانی تھا۔ تلگو' کنڑ' تمل اور ملیالم اس خطے میں بولی جاتی تھی لیکن ساتھ ہی

سنسکرت درباری زبان تھی اور چول دور سے متعدد بادشاہوں نے سنسکرت کی سرپرستی کی۔ یہاں کے حکمراں خود علم دوست تھے اور بہت سے علماء، شعراء اور فلسفیوں کی سرپرستی بھی کرتے تھے۔ ان بادشاہوں میں سلووانر سمہا اور کرشنا دیورائے قابل ذکر ہیں۔ سلووانر سمہا نے راما بھیودیم (*Ramabhyudayam*) نامی ایک اساطیری کہانی لکھی، جس میں وجے نگر کے بادشاہوں کے شجرہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ کرشن دیورائے نے بہت سی مختلف زبانوں میں مثلاً تمل، تلگو، سنسکرت اور کنڑ وغیرہ میں کتابیں لکھیں، جن میں امکت مالیدا (*Amuktamalyada*)، جامبوتی کلیانم (Jambavati Kalyanam)، ستیہ ودوپرینائے (Satyavadu Parinaya) اور رسا منجری (Rasa Manjari) وغیرہ شامل ہیں، جو وجے نگر کی سیاسی، سماجی اور ثقافتی تاریخ کے بارے میں اہم معلومات فراہم کرتی ہیں۔ امکتمالیدا میں نظم کی ہیروئن گودادیوی (Goda Devi)، کلاسیکی طرز کے مطابق بھگوان ہری (Krishna) کی تصویر کو بناتے ہوئے دکھایا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہذب خواتین مصوری میں بھی ماہر تھیں۔ زیورات اور ملبوسات پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔

ادبی ذرائع کے علاوہ بہت سے غیر ملکی سیاحوں اور تاجروں نے بھی اپنے سفر ناموں میں وجے نگر کے بادشاہوں کے انتظامی، معاشی، سماجی، مذہبی، ثقافتی، تعمیراتی اور بادشاہوں کے روزمرہ کے معمولات کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ان مسافروں اور تاجروں میں ڈوارٹے باربوسا (Duarte Barbosa)، ڈومنگو پایس (Domingo Paes)، فرناؤ نونیز (Fernao Nuniz)، عبدالرزاق سمرقندی، بارٹولومیو ڈیاس (Bartolomeu Dias) اور نکولوڈی کونٹی (Niccola de Conti) وغیرہ کا ذکر کیا جاسکتا ہے جو وجے نگر کی تاریخ کے مطالعہ کے لیے ایک انمول خزانہ پیش کرتے ہیں۔ لیکن اس کے ذریعے جمع کردہ مواد کے استعمال میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ ان لوگوں نے وجے نگر کو اپنے ملک کے ثقافتی پس منظر کے ساتھ دیکھا جو موجودہ عصری منظر نامے سے بالکل مختلف ہے۔

4.3 معاشرہ (Society)

وجے نگر سلطنت کی معاشرتی تاریخ بڑی اہمیت کی حامل ہے کیوں کہ اس خاندان کے حکمرانوں نے کلاسیکی اصولوں پر اس کی تنظیم کی۔ ہندوستان کی تاریخ میں یہ آخری سلطنت تھی جن کے حکمرانوں نے اس کی حفاظت اور روایتی سماجی طبقوں جو کہ ورن نظام پر مبنی تھے، کو فروغ دینا اپنی ذمہ داری سمجھی۔ حکمراں ورن نظام دھرم سے باخبر تھے جو کہ وجے نگر کے خطہ سے دستیاب کتبات اور ہم عصر تصنیفات سے واضح ہیں۔ وجے نگر کے اکثر حکمرانوں کے ذریعہ رائج کردہ اصطلاحات ''سرو ورناشرم دَھرمن گلنّو پلی سُتّا'' (تمام ورنوں اور ذاتوں کے مفاد کا محافظ) اشارہ کرتی ہیں کہ ریاست سماجی اہمیت کے معاملات سے بے خبر نہیں تھی۔ حکمرانوں نے ممکنہ حد تک سماجی یکجہتی کو بحال رکھنے کی کوشش کی۔ گھریلو ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے عوام روایتی اصولوں پر چلتے تھے۔ اس عہد کے کتبے بادشاہوں کے ذریعہ دیے گئے ان گرانٹس (عطیات) کا ذکر کرتے ہیں جو ان کی روحانی تقویت کے لیے دیے گئے تھے۔ ایسی ہی مثال عوام کی طرف سے بھی قائم کی گئی تھی۔ اس طرح اس عہد میں سماجی زندگی کا نمونہ عہد وسطی سے پہلے کا تھا۔

4.3.1 ذات پات

سلطنت وجے نگر میں بہت سے فرقے اور سماجی گروہ پائے جاتے تھے۔ مروجہ چار ذاتوں میں سے ہر ایک ذیلی ذاتوں اور فرقوں میں منقسم تھے۔ ان میں سے اکثر روایتی قسم کے مخصوص حقوق اور مراعات کے لئے آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ کسی بھی فرد کی ذات عام طور پر اس کے پیشے کی بنیاد پر طے پاتی تھی۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ وجے نگر میں جتنے پیشے تھے اتنی ہی ذاتیں تھیں۔ کچھ فرقے چھوٹے چھوٹے گروہوں میں منقسم تھے مثلاً صنعت کاروں کے پانچ طبقے تھے اور ہر طبقے نے ایک خاص پیشہ اپنا رکھا تھا۔ وجے نگر کے حکمراں اپنے آپ کو قدیم ہندو روایات کا پیرو کار مانتے ہوئے ورن نظام یا ذات کے نظام کو مذہب کا ضروری حصہ سمجھتے تھے۔ حکمرانوں نے بھی اس سلسلے میں کوششیں بھی کیں۔ ان کی کوششوں کا پتہ ان القاب سے چلتا ہے جس میں انہوں نے خود کو چاروں ورنوں اور طبقوں کا حامی، ورن آشرم کا محافظ اور تمام ذاتوں کے فرائض کو سنبھالنے والا بتایا ہے۔ وجے نگر کے بعض حکمرانوں نے خود کے لیے ''سلطنت کی تمام ذاتوں کا محافظ'' کا لقب اختیار کیا تھا۔ اس سلسلے میں کی گئی کوششوں کا پتہ کرشن دیورائے کی تصنیف ''جام بوتی کلیانم'' (Jambavati Kalyanam) کے اشعار سے بھی ہوتا ہے۔

برہمن : وجے نگر سلطنت کے معاشرے میں برہمن معزز ترین اور اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ غیر ملکی سیّاح مثلاً عبدالرزاق اور ڈومنگو پایس (Domingo Paes) نے بتایا ہے کہ معاشرے میں برہمنوں کو بہت زیادہ عزت حاصل تھی۔ حکمراں دوسرے طبقات کی بہ نسبت برہمنوں کی بہت عزت کرتا تھا۔ برہمنوں کو خاص مراعات حاصل تھیں۔ ارتکاب قتل کے جرم میں بھی انہیں موگت کی سزا نہیں دی جاسکتی تھی۔ برہمن مختلف شعبہ ہائے زندگی میں چھائے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض پجاری کی حیثیت سے مندوروں سے منسلک تھے۔ بعض افراد جاگیروں کے مالک ہوتے تھے۔ دوسرے تجارت کے پیشہ سے منسلک تھے۔ بعض مٹھوں یا آشرم میں رہ کر مطالعہ اور غور و فکر میں زندگی گزارتے تھے۔ اتنا ہی نہیں ان میں سے بعض سیاست، انتظامیہ اور فوج میں بھی کام کرتے تھے۔ مادھو اور ساین بُکا اول اور ہری ہر دوم کے زمانہ کے وزرا تھے۔ دیورائے اول اور دیورائے دوم کے زمانہ میں برہمنوں نے سماج میں اپنی برتری قائم رکھی۔ کرشن دیورائے کے عہد میں بڑی تعداد میں برہمن ریاست کے اہم عہدوں پر فائز تھے۔ خود کرشن دیورائے کا خیال تھا کہ برہمنوں کو ریاست کے اہم عہدوں پر فائز کیا جانا چاہیے۔ بادشاہ کے لیے مناسب ہے کہ برہمنوں کو اپنے افسروں کی حیثیت سے تقرر کرے۔ کتبات کے شواہد سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح برہمن میدان جنگ میں فوجوں کی قیادت کرتے تھے۔ آپت سہاین نامی ایک شخص نے کرشن دیورائے کی رائے چور مہم میں حصہ لیا تھا۔ برہمن عام طور پر اپنے گاؤں میں نہایت سادہ اور پاکیزہ زندگی بسر کرتے تھے، شاستروں کا مطالعہ کرتے، دقیق فلسفیانہ موضوعات پر بحث و مباحثہ کرتے اور مذہبی رسومات کو بجالاتے۔ ان کے جسم کا اوپری حصہ کھلا رہتا تھا۔ جسم کے نچلے حصہ کو ایک کپڑے سے ڈھانپتے تھے۔ اپنے سروں پر ایک سفید کپڑا باندھتے تھے۔ ان کے سر کے بال بڑھے ہوئے رہتے تھے جس کا وہ جوڑا بنالیتے تھے۔ غیر ملکی سیاحوں کے بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے جسم پر مقدس دھاگہ (Janeu or Yagapveet) پہنتے تھے۔ گائے کے گوبر کی راکھ کو اپنی پیشانی اور ناک پر مل لیا کرتے تھے۔ وہ کان کے زیورات بھی پہنتے تھے۔ کچھ غیر ملکی سیاحوں نے ان کے منفی کردار کا بھی ذکر کیا ہے۔ مثال کے طور پر

ڈوارٹے بار بوسا کا بیان ہے کہ ''وہ بڑے پیٹو تھے۔ان کی زندگی کا مقصد ہی اچھا کھانا تھا۔اچھا کھانا کھانے کی غرض سے وہ چھے چھے (6-6) دن کا سفر بھی کر سکتے تھے۔ فرناؤ نونیز ان ہی خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ جو بادشاہ سے خیرات میں بڑی رقمیں لیتے ہیں۔ یہ برہمن پجاری انتہائی قابل نفرت لوگ ہیں۔ان کے پاس ہمیشہ بہت زیادہ پیسہ رہتا ہے۔وہ اتنے گستاخ ہوتے ہیں کہ دروازے کے محافظین بھی انہیں روک نہیں پاتے۔ پائس پائز کا خیال ہے کہ ''ان میں اسلحوں کو استعمال کرنے کی ہمت برائے نام تھی۔''

ویراوندن: وجے نگر کے آخری عہد کی سماجی تاریخ کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ سلطنت کے مختلف فرقوں کے درمیان سماجی شعور کا ارتقا ہو رہا تھا۔ یہ وہ دور تھا جب انہوں نے اپنے اندر سماجی اتحاد کو بڑھانے کی کوشش کی۔ ہر فرقے نے کچھ ایسے خاص اختیارات اور اعزازات کے حصول کے لیے ہنگامے کیے جن سے ان کی حیثیت دوسروں سے ممتاز ہو جائے۔ایسی ہی ایک کوشش ایک طبقہ نے کی جس کو ویراونودین کہا جاتا تھا۔ براؤن کے مطابق یہ شعبدہ باز برہمنوں کا طبقہ تھا۔ شاستری کا خیال ہے کہ وہ گنجم اور وزاگاپٹم اضلاع کے لوگ تھے جو اب برہمن نہیں رہ گئے تھے بلکہ شودر ہو گئے تھے۔

دستکار: ایک اور فرقہ تھا جو پانچال کہلاتا تھا یہ دستکاروں کا فرقہ تھا جو لوہاروں، سوناروں، پیتل کے برتن بنانے والوں، بڑھئیوں اور صنم تراشوں پر مشتمل تھا۔ دیورائے اول کے عہد کے ایک کتبہ سے پتہ چلتا ہے کہ پانچالوں کے 74 طبقات تھے۔ اس کے افراد بعض حقوق و مراعات کے لیے اکثر لڑتے رہتے تھے۔ وجے نگر کے عہد کی سماجی تاریخ کا ایک دل چسپ پہلو اس حقیقت میں پنہاں ہے کہ سلطنت کے مختلف سماجی گروہ بعض سماجی مراعات کے لیے باہم برسرپیکار رہتے تھے۔

کیکّولا: کیکولا وجے نگر سلطنت کا دوسرا بااثر طبقہ تھا۔اس کے افراد عام طور پر مندروں کے آس پاس رہتے تھے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سڑکیں علاحدہ ہوتی تھیں۔مادم باکّم کے ایک کتبہ میں ان کی سڑکوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ مندروں کے نظم و نسق اور ٹیکس وصولی میں ان کا بہت عمل دخل تھا۔ بنکروں کی حیثیت سے وہ اپنی چھوٹی صنعت بھی چلاتے تھے۔

حجام: سولہویں صدی کے نصف آخر میں حجاموں کو ریاست کی جانب سے کچھ رعایتیں ملی تھیں۔ سداشیو اور اس کے وزرا نے حجاموں کو خصوصی عنایتیں بخشی تھیں۔ان کو بعض ٹیکسوں سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا۔

ڈومبرا: یہ عام طور پر تماشا دکھانے والے لوگوں کا ایک گروہ تھا۔ وہ پیسہ کمانے کے لیے زیادہ تر پالتو سانپوں کا استعمال کرتے تھے۔ وہ جادوگری اور فال نکالنے کا کام کرتے تھے۔ وہ تماشا دکھانے کے لیے ڈنڈوں پر ناچتے تھے۔ان کے مکانات بہت چھوٹے اور نیچے ہوتے تھے جو گھاس پھوس سے ڈھکے ہوتے تھے، جن میں کھڑکیاں نہیں ہوتی تھیں۔ان میں گھاس کی چٹائیاں، انجیر کے پتّے اور کھانا بنانے کے لئے مٹّی کے برتن ہوتے تھے۔

بائیں بازو اور دائیں بازو کے طبقات: سلطنت کی متعدد قومیں دو جماعتوں میں منقسم تھیں۔ یہ وگنگائی (دائیں بازو) اور ایر نگائی (بائیں بازو) کے طبقات کے نام سے مشہور تھیں۔ کچھ کتبات میں درج ہے کہ ہر جماعت اس طرح کے 98 ذیلی فرقوں میں منقسم تھی۔ان فرقوں کے ساتھ 18 پیشہ ور ذاتوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ غالباً یہ 98 فرقے ان ہی 18 ذاتوں کے ذیلی فرقے تھے۔

توتیّن: یہ نو آبادکاروں کا طبقہ تھا۔اصل کے اعتبار سے یہ گدڑیے تھے لیکن جنوب میں انہوں نے معمولی پولیگاروں کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ان

میں ایک سے زاید شوہر اور سن بلوغ کے بعد کی شادیاں رائج تھیں۔ لیکن کبھی کبھی دلہن کی عمر دولھے سے زیادہ بھی ہوتی تھی۔ان کے یہاں عورتوں کی عصمت کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ اپنے شوہر کے والد یا دوسرے رشتہ داروں سے ازدواجی تعلقات قائم رکھ سکتی تھیں۔ان کے یہاں طلاق، عقد بیوگان اور ستی بھی جائز تھی۔یہ عام طور پر ویشنوائی ہوتے تھے۔تو تین کی خود اپنی فرقہ وارانہ تنظیم تھی۔

سوراشٹر: جنوب میں نوآبادی بنانے والے عوام کے ایک گروہ کا نام سوراشٹر تھا۔غالباًان کا اصلی وطن گجرات تھا۔وجے نگر کے زمانے میں اپنے وطن کو چھوڑ کر جنوب میں آباد ہوگئے تھے۔وہ جزیرہ نما میں کپڑوں کی سپلائی کرتے تھے۔وہ جلد ہی جنوبی ہندوستان کی ایک خوش حال قوم بن گئے۔بہت سے دوسرے فرقوں کے افراد کی طرح انہوں نے بھی اپنی سماجی حیثیت بلند کرنے کی کوشش کی۔

ریڈی: تیلگو علاقے کے ریڈی جو عموماً کاشتکار تھے، وجے نگر کے زمانے میں جنوبی ہندوستان میں آباد ہوگئے تھے۔وہ دو طبقوں میں منقسم تھے یعنی یونگلی ریڈی اور پنّاریڈی۔مختلف ذاتوں اور فرقوں کے مہاجرین: مختلف ذاتوں اور فرقوں کے مہاجرین کے ایسے بہت سے گروہ تھے جو شمالی ہند سے تامل خطہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ان میں سے تیلگو برہمن، اپلین، تیلگو کے دُھنیے اور رنگ ساز سینین (تیلگو بنکار)، حجام، چمار، دھوبی، اُڈّن، ڈومبن وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

4.3.2 سماجی رسمیں

شادی: قدیم سنسکرت ادب میں شادی کی آٹھ اقسام کا تذکرہ ملتا ہے لیکن یہ بات وثوق کے طور پر نہیں کہی جاسکتی کہ وجے نگر کی سلطنت میں ان تمام قسموں کا رواج تھا۔یہاں پر کنیادان کی رسم سب سے زیادہ رائج اور مقبول تھی۔وجے نگر سلطنت میں جہیز دینے کا رواج عام تھا۔مگر ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس رسم کے خلاف لوگوں میں سخت ناراضگی بھی رہتی تھی۔گاؤں والوں نے اکثر اپنے یہاں کی زمینوں کو جہیز کے طور پر باہری لوگوں کے پاس منتقل کرنے کے خلاف قوانین بنائے۔وجے نگر کے برہمن اپنی بیٹیوں کی شادی نسبتاً کم عمر میں کر دیا کرتے تھے۔لنکوئن کا بیان ہے کہ ''جب لڑکی سات سال کی اور لڑکا نو سال کا ہو جاتا ہے تو ان کی شادی کر دی جاتی ہے۔لیکن وہ اس وقت تک ایک دوسرے کے قریب نہیں آتے جب تک کے لڑکی اتنی بڑی نہ ہو جائے کہ اس کے یہاں بچے ہو سکیں۔'' برہمنوں کے اس رواج کی تنقید بڑی حد تک چند دیگر طبقوں نے بھی کی۔

ستی: وجے نگر سلطنت کے عہد میں بڑی اہمیت کی حامل ایک دوسری سماجی رسم ستھگمن یا ستی تھی۔یہاں ملے مختلف کتبوں اور غیر ملکی سیاحوں کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ ستی کا رواج عام تھا۔باربوسا، نونیز، سیزر فریڈرک، لنکوئی وغیرہ سیاحوں نے اس رسم کی سچّی تصویریں پیش کی ہیں کہ کس طرح ستی کو انجام دیا جاتا تھا۔مگر اس رسم کی ادائیگی کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف ہے۔باربوسا لکھتا ہے کہ اگر عورت غریب اور نیچی نسل کی ہوتی تھی تو وہ خود کو اپنے شوہر کی چِتا میں ڈال دیتی تھی اور نذر آتش ہو جاتی تھی لیکن اگر وہ اونچی نسل کی ہوتی تھی تو وہ خود کو فوراً نہیں جلا دیتی تھی بلکہ جلنے سے پہلے بعض رسومات ادا کرتی تھی۔نونیز بھی باربوسا کے خیالات کی توثیق کرتا ہے۔سیزر فریڈرک کہتا ہے کہ عورتیں شوہروں کی موت کے دو یا تین ماہ کے درمیان خود کو نذر آتش کرتی تھیں۔جس خاص دن وہ خود کو نذر آتش کرتی تھی اس دن وہ ایک دلہن کی طرح کپڑے پہنتی تھی۔اسے گھوڑے یا ہاتھی کی پیٹھ پر بٹھا کر شہر کا گشت کرایا جاتا تھا اور اس مقام تک پہنچا دیا جاتا تھا جہاں مردوں

کو جلایا جاتا تھا۔ عوام کے چند طبقات کی عورتیں یا تو اپنے شوہروں کے ساتھ ہی یا چند دنوں بعد اسی آگ میں جل کر ستی کی رسم انجام دیتی تھیں جو اس مقصد کے لیے روشن کی جاتی تھی۔ کچھ دوسری اور خاص کر گنگایت طبقہ کی عورتیں اپنے مردہ شوہروں کے ساتھ زندہ دفن ہو کر اس رسم کو انجام دیتی تھیں۔ باربوسا کہتا ہے کہ جو لوگ عورتوں کو ان کے مردہ شوہروں کے ساتھ دفن کرتے تھے وہ اپنی گردنوں میں تمبرن پہن لیا کرتے تھے۔ سیزر فریڈرک کے مطابق ادنی قسم کے لوگوں کے درمیان یہ رواج تھا کہ وہ عورتوں کو ان کے مردہ شوہروں کے ساتھ زندہ دفن کر دیتے تھے اور انہیں مٹیوں میں بند کرنے سے پہلے ان کو گلا گھونٹ کر مار ڈالتے تھے۔ گسپر و بلبی کا کہنا ہے کہ یہ رسم سوناروں میں عام تھی۔ امراء طبقہ یعنی حکمراں، رؤسا، امراء اور فوجی ستی کی رسم انجام دیتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برہمنوں کی بیوائیں بھی ستی کی رسم انجام دیتی تھیں۔

4.3.3 عورتیں

وجے نگر سلطنت کے عہد میں عورتوں کی حالت کے بارے میں بہتر مطالعہ کے لیے ان کو دو گروہوں میں تقسیم کرنا مناسب رہے گا۔ اول عام گھریلو عورتیں اور دوم عوامی عورتیں۔ سیاح پائس کے مطابق گھریلو عورتیں عام طور پر گھر کے اندر ہی رہنا پسند کرتی تھیں۔ سماجی تیوہاروں کے موقع پر بھی شاید ہی گھروں سے باہر نکلتی تھیں۔ عوامی عورتیں بڑی تعداد میں دارالسلطنت میں رہتی تھیں۔ عوامی تقریبات میں وہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں۔ عوامی عورتیں بھی دو گروہوں پر مشتمل تھیں۔ اول وہ جو دارالخلافہ میں آزادانہ طور پر رہتی تھیں اور سماجی جشنوں میں حصہ لیتی تھیں۔ دویم وہ رقاصائیں تھیں جو مندروں سے منسلک تھیں، جو دربار کے جشنوں یا تیوہاروں سے تعلق نہ رکھتی تھیں۔ غیر ملکی سیاحوں کا بیان ہے کہ وجے نگر کے حکمراں بڑا حرم رکھتے تھے۔ حرم ضرور بڑا ہوتا تھا لیکن ان میں سے چند ہی عورتوں کو شاہی ملکہ کی حیثیت حاصل رہتی تھی۔ اس بنا پر ان کا درجہ زیادہ بلند ہوتا تھا۔ بادشاہ کی متعدد بیویاں ہوتی تھیں۔ ان میں سے چند ہی خاص بیویاں ہوتی تھیں۔ کرشن دیورائے کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ قانونی طور پر اس کی بارہ بیویاں تھیں جن میں سے تین خاص تھیں۔ وینکٹ پتی دوم کی چار بیویاں تھیں۔ باربوسا کا خیال ہے کہ بادشاہ کا دل جیتنے کے لیے ان کے درمیان رقابت اور حسد کا جذبہ پایا جاتا تھا۔ ہر ایک بیوی کے پاس ایک گھر، خادمائیں، گھر کی دیکھ بھال کے لیے محافظ عورتیں اور نوکرانیاں ہوتی تھیں۔ بادشاہ کی بیویوں کو عموماً بند ڈولیوں میں لے جایا جاتا تھا تاکہ ان کو کوئی دیکھ نہ سکے۔ ان کے پیچھے صرف خواجہ سرا چلتے تھے۔ حرم میں عورتوں کی تعداد کے بارے میں مآخذ میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حرم کے اندر بہت زیادہ عورتیں رہتی تھیں۔ نکولوڈی کونٹی وجے نگر کے بادشاہ کے متعلق بتاتا ہے کہ ''وہ اپنے لیے بارہ ہزار بیویاں رکھتا ہے جن میں سے چار ہزار بیویاں جہاں کہیں بھی وہ جاتا ہے اس کے ساتھ پیدل چلتی ہیں اور وہ محض باورچی خانے کے کام میں لگی رہتی ہیں۔ اتنی ہی تعداد میں بیویاں جو نہایت اچھی طرح مسلح ہوتی ہیں گھوڑوں پر سوار ہو کر چلتی ہیں۔ باقی ماندہ کو لوگ ڈولیوں میں لے کر چلتے ہیں۔''

شاہی حرم کی عورتیں اعلیٰ مرتبے کی ہوتی تھیں۔ ان میں سے بعض سلطنت کے بڑے امرا کی بیٹیاں ہوتی تھیں جب کہ بعض مدخولہ عورتیں ہوتی تھیں اور بعض خادمہ کے فرائض انجام دیتی تھیں۔ باربوسا کا بیان ہے کہ اس مقصد کے لیے پوری سلطنت سے نہایت

خوب صورت اور صحت مند عورتیں حاصل کی جاتی تھیں تاکہ وہ نہایت صفائی اور عمدگی کے ساتھ اس کی خدمت کر سکیں۔ یہ عورتیں ناچ اور گانے کے ذریعہ بادشاہ کو انتہائی محظوظ کرتی تھیں۔ محل میں عورتیں بہت سی خدمات انجام دیتی تھیں۔ باربوسا کا خیال ہے کہ محل کے دروازے کے اندر تمام کام کرتی تھیں اور محل کے تمام فرائض انجا دیتی تھیں۔ نونیز کہتا ہے کہ ریاست میں عورتیں ذمہ دار عہدوں پر فائز تھیں۔ بہت سی عورتیں فوج کے ساتھ چلتی تھیں۔ کبھی کبھی رانیاں بھی میدان جنگ میں جاتی تھیں۔ دربار میں حبشنوں کے انعقاد کے موقع پر عوامی عورتوں کی موجودگی ضروری ہوتی تھی۔ یہ عورتیں مہانومی (Nine Days Festival) منائے جانے کے موقع پر ایک اہم کردار ادا کرتی تھیں۔ عوامی عورتیں اور بیادر (مندر اور محل کی رقاصائیں) نو دنوں کے اس جشن میں ہر صبح مندر اور بتوں کے سامنے دیر تک ناچتی تھیں۔ ان عورتوں کے علاوہ دارالسلطنت میں دیگر عورتیں بھی ہوتی تھیں جو اپنے حسن اور ناز و ادا سے لوگوں کو متاثر کرتی تھیں۔ ان میں سے ہر ایک موتیوں، قیمتی پتھروں اور پوشاکوں سے آراستہ ہوتی تھیں۔ یہ لوگوں کو عیش و عشرت کی دعوت دیتی تھیں۔ بیشتر عوامی عورتیں غیر معمولی مال و دولت رکھتی تھیں۔ عبدالرزاق اور پائس کے بیانات کے مطابق یہ عورتیں شہر کی بہترین سڑکوں پر رہتی تھیں اور نہایت بد کردار تھیں۔ طوائفوں پر ایک ٹیکس عاید کیا جاتا تھا۔ اس رقم سے پولس کے سپاہیوں کی اجرتیں ادا کی جاتی تھیں۔ طوائفوں پر اس ٹیکس کا عاید کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وجے نگر میں قحبہ گری کو قانونی حیثیت حاصل تھی۔

4.3.4 طرز رہائش، غذا اور لباس

رہائش: غیر ملکی سیاحوں نے وجے نگر کے لوگوں کے طرز رہائش کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ انہوں نے بڑے بڑے شہروں کے مکانات سے متعلق شان دار بیانات درج کیے ہیں لیکن گاؤں کی تفصیلات کم پیش کی ہیں۔ ان کے مطابق بڑے بڑے شہروں کے درمیان چھوٹے چھوٹے شہر آباد تھے۔ ایرانی سفیر عبدالرزاق کہتا ہے کہ شہر وجے نگر کی تعمیر اس طرح ہوئی ہے کہ اس میں سات مستحکم دیواریں ہیں جو ایک دوسرے کے اندر واقع ہیں اور یہ ساتواں اندرونی قلعہ ہے جس کے اندر بادشاہ کا محل واقع ہے۔ پائیز بھی اس حقیقت کی توثیق کرتا ہے۔ بادشاہ کے محل کے دروازے کے باہر دو تصویریں تھیں جن کی نقاشی اس طرح کی گئی تھی گویا وہ زندہ ہوں۔ دروازے کے اندر بائیں طرف نیچے اوپر دو ہال تھے۔ اوپر کے ہال میں جانے کے لیے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ سیڑھیوں کے بالائی حصہ پر تانبا چڑھا ہوا تھا۔ یہاں سے اوپر جانے کے تمام راستے پر سونے کی لائنیں پڑی ہوئی تھیں اور بیرونی حصہ گنبد نما تھا۔ محل کے اندر ایک کمرہ تھا جس میں ترشے ہوئے پتھروں اور ہاتھی کے دانت کے بنے ہوئے ستون تھے۔ ان کے پیچھے وہ ہال تھا جہاں رقص ہوتا تھا۔ محلوں کی ایک دلچسپ خصوصیت یہ تھی کہ ان کی دیواروں پر تصویروں کی نقاشی کی گئی تھی۔

وجے نگر کے امراء بھی ہر طرح کی ضروریات سے آراستہ مکانات میں رہتے تھے۔ باربوسا بتاتا ہے کہ شہروں میں بادشاہ کے محلوں کے طرز پر بنے ہوئے بہت سے محل تھے۔ ان میں بڑے بڑے جاگیر دار اور گورنر رہا کرتے تھے۔ بادشاہ کے محلوں کی طرح عموماً امرا کے مکانات میں بھی احاطے ہوتے تھے۔ شہر کے مالدار تجار بھی ایسے ہی مکانات میں رہتے تھے۔ ایسا خیال کیا جاتا ہے کہ درمیانی طبقہ کے لوگوں کو یہ آرام و آسائش میسر نہ تھی۔ ان کے مکانات پیشہ کے اعتبار سے لمبی لمبی سڑکوں پر ترتیب دیے گئے تھے اور ان میں بہت کھلی جگہیں تھیں۔

غریب لوگ چھوٹی چھوٹی جھونپڑیوں اور پھوس کے مکانات میں رہتے تھے جس میں صرف ایک چھوٹا سا دروازہ ہوتا تھا۔ پیشہ کے اعتبار سے لوگوں کے مکانات کی ترتیب کی توثیق کتبات سے بھی ہوتی ہے جن میں کملیتروں، صنعت کاروں کی سڑک اور کیکوترو، جولاہوں کی سڑک کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس طرح کے بیش تر مکانات کے فرش مٹّی کے ہوتے تھے۔ انہیں گوبر اور پانی کی پُتائی کر کے صاف اور ستھرا رکھا جاتا تھا۔

غذا: وجے نگر کی سلطنت میں کھانے پینے کی اشیا میں چاول، جوار، سیم اور لوبیا وغیرہ فصلوں کی کاشت کی جاتی تھی۔ غلوں کی مقدار بہت زیادہ ہوتی تھی۔ ان کو وہ خود استعمال کرتے تھے اور گھوڑوں کو بھی کھلاتے تھے۔ ان کے علاہ چھوٹے پیمانے پر ہی سہی اچھے قسم کے گیہوں کی بھی کاشت کی جاتی تھی۔ گیہوں دوسرے غلوں کی طرح عام نہ تھا اس لیے کہ مسلمانوں کے علاوہ انہیں کوئی اور نہیں کھاتا تھا۔ عوام کے بعض طبقے مرغے اور پرندوں کے گوشت بھی کھاتے تھے۔ نونیز نے اشیائے خوردنی کی ان چیزوں کی ایک دل چسپ فہرست پیش کی ہے جو وجے نگر کے سلاطین کی غذا میں شامل تھیں۔ وہ لکھتا ہے کہ بادشاہ ہر قسم کی چیزیں کھاتے ہیں سوائے گائے اور بیل کے گوشت کے۔ یہ لوگ بکری کا گوشت، سور، ہرن، تیتر، خرگوش، فاختہ، بٹیر اور ہر قسم کے پرند کھاتے ہیں۔ پائز اور باربوسا کے بیانات سے بھی ان بعض مخصوص گلیوں میں کچھ قصائیوں کیچ مکانات میں سور بھی ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ مچھلی بھی ان کی غذا کا ایک حصہ تھا۔

یوں تو بڑے پیمانے پر لوگ گوشت کا استعمال کرتے تھے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام لوگوں میں اس کا استعمال رائج نہ تھا۔ برہمن اور گنگایت صرف سبزیاں کھاتے تھے۔ باربوسا نے لکھا ہے کہ ان کی غذا شہد، مکھن، چاول اور شکر پر مشتمل تھی جسے دال یا دودھ کی طرح دھیمی آنچ پر پکایا جاتا تھا۔ موسم بہار میں ان کا کھانا چار یا پانچ عمدہ مسالہ دار سالن، گھی، مکھن، ودام، ورول، اچھے چاول کے کھانے اور رسم پر مشتمل ہوتا تھا۔ ان کے پکانے میں ناریل کے تیل کا استعمال کیا جاتا تھا۔ موسم گرم کا کھانا کولو، اکسورسم، ناریل کا پانی، پھل، خوشبودار پانی، آم اور ان اشیاء پر مشتمل ہوتا تھا جو موسم کے لحاظ سے خوشگوار ہوتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگ کھانا کھانے برتن (پلیٹ) کے لیے پتوں کا استعمال کرتے تھے۔ پسپاری کے پتے اس غرض سے استعمال کیے جاتے تھے۔ چند اہم مقامات پر کھانا کھانے کے لیے عوامی مکانات ہوتے تھے۔ اس طرح کے مقامات کے علاوہ بہت سے سرائے بھی تھے جہاں چند مخصوص دنوں تک سیاحوں کو مفت کھانا کھلایا جاتا تھا۔ مملکت کے بعض مقامات پر مٹھائیوں (تیایی انگدی) کی دوکانیں بھی ہوتی تھیں۔

لباس: بادشاہ ایک بڑی رقم اپنے لباس پر خرچ کرتے تھے۔ دیورائے دوم زیتون (اسائن) کی پوشاک میں دربار میں آتا تھا۔ کرشن دیورائے مخصوص قسم کا سفید لباس پہنتا تھا جس پر سونے سے گلاب کے پھول کی کڑھائی ہوتی تھی۔ حکمراں کبھی کبھی ایک طرح کی بجوری (Bajuri) پہنتے تھے جو اسکرٹ کے ساتھ منسلک قمیصوں کی مانند ہوتی تھیں۔ جب وہ جنگ کے لیے جاتے تھے تو گدے دار سوتی کپڑے پہنتے تھے جس کے اوپر ایک دوسری پوشاک پہنی جاتی تھی جس پر سونے کی ایک تہہ چڑھی ہوتی تھی اور چاروں طرف ہیرے جواہرات ٹکے ہوتے تھے۔ بادشاہ دوبالشت لمبے سونے کے کام دار کپڑے کی ایک ٹوپی بھی پہنتا تھا۔ اس کے اوپر ایک باریک کپڑا چڑھا ہوتا تھا جو پورے کا پورا ریشم کا ہوتا تھا۔ عام لوگ نیچے کمر تک کپڑے پہنتے تھے جو کئی بار لپیٹ کر کس کر باندھ لیے جاتے تھے۔ وہ سوتی، ریشم، یا معمولی کام دار کپڑے کی سفید چھوٹی سی قمیض پہنتے تھے جو دونوں جانگھوں کے درمیان تک آتی تھیں لیکن سامنے سے کھلی ہوئی ہوتی تھیں۔ وہ اپنے سروں پر چھوٹی پگڑیاں باندھتے

تھے۔ بعض افراد ریشم یا کام دار کپڑوں کی ٹوپیاں پہنتے تھے۔ لوگ جوتوں کا بھی استعمال کرتے تھے۔ نیکولو دی کونتی کا بیان ہے کہ لوگ ارغوانی اور سرخ فیتوں کے سینڈل پہنتے تھے۔ باربوسا کے مطابق لوگ اپنے پیروں میں بغیر موزہ کے بھدے قسم کے جوتے پہنتے تھے۔ ایسا خیال کیا جاتا ہے کہ صرف مال دار لوگ ہی جوتے پہنتے تھے کیوں کہ پائس کا بیان ہے کہ لوگوں کی اکثریت یا تقریباً تمام لوگ ملک میں ننگے پیر رہتے ہیں۔ نکتین بھی کہتا ہے کہ دکن کے لوگ ننگے پیر چلتے پھرتے ہیں۔ امراء کی بیویاں اور داسیاں نہایت قیمتی کپڑے پہنتی تھیں۔ ان کی پوشاک باریک سوتی کپڑوں کی ہوتی تھیں یا شوخ رنگ کی ریشمی پوشاکیں ہوتی تھیں جو پانچ گز لمبی ہوتی تھیں۔ ان کا ایک سرا نچلے حصہ میں لپیٹ کر باندھا جاتا تھا اور دوسرا حصہ ان کے سینوں پر سے گزار کر ایک کندھے پر اس طرح ڈال دیا جاتا تھا کہ ایک بازو اور کندھا کھلا رہتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں کبھی کبھی سر پر کوئی چیز پہنتی تھیں جو پتلے چمڑے کی بنی ہوتی تھی اور سونے اور ریشم کے ملمع سے مزین ہوتی تھی۔ یہ تمام تفصیلات اعلا طبقے کی عورتوں سے متعلق ہیں۔ ایسا خیال کیا جاتا ہے کہ عام عورتیں اتنے سارے عیش کے سامان کی صلاحیت نہیں رکھتی رہیں ہوں گی۔

4.3.5 سامان تعیش

دربار کی شان و شوکت، امراء طبقے کے کردار نے لوگوں کو عیش پسندی کی طرف مائل کیا۔ وہ اپنی حیثیت، مرتبے اور نمائش کے جذبے کی تسکین کے لیے عیش کے سامان، زیورات، عطریات پان اور دیگر نشاط انگیز اشیا کا استعمال کرتے تھے۔

زیورات: لوگ قیمتی زیورات کے بڑے شوقین تھے۔ انہیں وہ اہم مواقع پر پہنا کرتے تھے۔ غیر ملکی سیاحوں نے ان زیورات کا ذکر کیا ہے۔ زیورات کا تذکرہ کرتے ہوئے عبدالرزاق کہتا ہے کہ دیورائے دوم کی گردن کے گرد ایک ایسا کالر تھا جو شاہی حسن رکھنے والے سچے موتیوں سے بنا ہوا تھا۔ پائیز نے بھی کرشن دیورائے کی گردن میں ہیروں کا ایک ٹیکا دیکھا تھا جو نہایت قیمتی تھا۔ عام لوگ بھی خود کو قیمتی زیورات سے آراستہ کرتے تھے۔ عبدالرزاق کہتا ہے کہ ملک کے سارے باشندے، خواہ اونچے طبقہ کے ہوں یا نیچے طبقے کے، اپنے کانوں، اپنی گردنوں، بازوؤں، کلائیوں اور انگلیوں میں ہیرے کے اور ملمع کیے ہوئے زیورات پہنتے ہیں۔ باربوسا بھی قیمتی پتھروں سے مزین بہت سی انگوٹھیوں اور ان کے کانوں میں آویزاں بہت سے کانوں کے چھلّے کا ذکر کرتا ہے جن میں بہت سے عمدہ موتی جڑے ہوئے تھے۔ باربوسا بتاتا ہے کہ عورتیں عمدہ سونے کے تار کی بنی ناک کی کیل جس کے ساتھ ایک موتی نیلم یا یاقوت کا آویزہ لٹکتا رہتا تھا۔ وہ متعدد ہیرے سے جڑی ہوئی کانوں کی بالیاں پہنتی تھیں۔ سونے، جواہرات اور نہایت عمدہ مرجانی موتیوں سے بنے ہوئے ہار اور مرجانی موتیوں سے بنے کنگنوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔

عطریات: خوشبو کے لیے لوگ عطریات کا استعمال کرتے تھے۔ وہ غسل کے بعد سفید صندل کی لکڑی، ایلوا، کافور، مشک اور زعفران کی، جو اچھی طرح سے پسے ہوئے اور گلاب کے عرق میں گوندھے ہوتے تھے، اپنے بدن پر مالش کرتے تھے۔ عورتیں موسم سرما میں اپنے سینوں پر زعفران یا مشک لگاتی تھیں۔ عطریات کے ساتھ خوشبودار پھول بھی قابل ذکر ہیں جو عورتیں استعمال کرتی تھیں۔

4.3.6 کھیل کود اور تفریحات

عوام کی سماجی زندگی میں کھیل کود اور تفریحات کی بہت اہمیت ہے۔ وجے نگر کے عوام مختلف قسم کے کھیلوں سے اپنا دل بہلاتے

تھے۔ کشتی ایک ایسا کھیل تھا جس میں اونچے اور نیچے دونوں طبقے کے لوگ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ وہ بہترین کشتیوں کا مظاہرہ کرتے تھے۔ ان کے کپتان اور جج ہوتے تھے جو میدان میں ہر ایک کے لیے مساوی حیثیت متعین کرتے اور جیتنے والے کو اعزازات بھی عطا کرتے۔ نونیز، پائیز اور دوسرے لوگوں نے کشتی کے مقابلے کو تفصیلات کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ پائیز کا بیان ہے کہ کرشن دیورائے اپنے پہلوانوں میں سے ایک کے ساتھ روزوانہ کشتی لڑا کرتا تھا۔ کشتیوں کے ساتھ غالباً ڈوئیل کا بھی رواج تھا۔ تفریح کا ایک ذریعہ شکار کھیلنا تھا جو نہ صرف بادشاہوں کی بلکہ عوام کی بھی تفریح تھی۔ وجے نگر کے حکمراں ہاتھیوں کے شکار میں بہت دل چسپی لیتے تھے۔ دیورائے دوم کو گج بیٹکر (ہاتھیوں کا شکاری) کہا جاتا تھا۔ ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ سوروں اور ہرنوں کا بھی شکار کیا جاتا تھا۔ شکاروں میں وہ باز اور شکرے کا بڑے پیمانے پر استعمال کرتے تھے۔ شہ سواری بھی لوگوں کی تفریح کا ذریعہ تھی۔ وجے نگر کے مندروں کی دیواروں پر گھوڑوں پر سوار افراد کی تصویروں کا کندہ ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ جنگوں میں بڑے پیمانے پر گھوڑے استعمال کیے جاتے تھے۔ عوام کی دوسری تفریحات میں سے ایک شطرنج کا کھیل بھی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ کرشن دیورائے کی بیٹی اس کھیل میں مہارت رکھتی تھی۔ ان کے علاوہ تھیٹر اور رقص و سرود بھی ان کے لیے بڑی تفریح کا سامان پیش کرتے تھے۔ وجے نگر کے ناٹک کے متعلق ہمیں کچھ تفصیلات اس عہد کے ادب میں ملتی ہیں۔ ڈرامے ہی کی ایک مختصر پیمانے پر نقل کٹھ پتلی کا تماشا تھا جو وجے نگر کے عہد میں مقبول تھا۔

وجے نگر کے دربار میں رقص کی بہت زیادہ ہمت افزائی کی جاتی تھی۔ ان کے زمانے میں یہ فن کمال کے درجہ پر پہنچ چکا تھا۔ عبدالرزاق نے مہانومی کے جشن کے موقع پر بتوں کے سامنے اس کا مظاہرہ دیکھا تو وہ بہت محظوظ ہوا۔ وہ کہتا ہے کہ ''لڑکیوں کے پیر اس خوب صورتی سے تھرکنے لگے کہ عقل اپنے حواس کھو بیٹھی اور روح خوشی سے مدہوش ہو جاتی تھی۔'' دیوداسیاں مندروں میں بتوں کے سامنے ناچتی تھیں اور خود اسے کھانا اور دوسری اشیا پیش کرتی تھیں۔ وجے نگر کے دربار میں موسیقی کی بھی بہت حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ کتبات میں بعض آلات موسیقی کے نام درج ہیں مثلاً بھیری، ڈنڈو بھی، مہامورا ج اور وینا۔ طنبور کے استعمال سے بھی لوگ واقف تھے۔ اس وقت کے حکمراں بھی اس فن سے واقف تھے۔ موسیقی اور خطابت میں کرشن دیورائے کا کوئی ہم سر نہ تھا۔ وہ ایک بڑا عالم، موسیقار اور وینا بجانے کے فن کا ماہر تھا۔

4.3.7 غلامی

وجے نگر سلطنت کے عہد میں غلامی کے رواج کا بھی ذکر ملتا ہے۔ سلطنت کے کتبوں اور غیر ملکی سیاحوں کے بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں مرد اور عورت دونوں طرح کے غلام پائے جاتے تھے۔ انسانوں کی باقاعدہ خرید و فروخت ہوتی تھی جس میں مرد اور عورت دونوں شامل تھے۔ ان کے اس خرید و فروخت کو بیس بگ کہتے تھے۔ نکولو دی کونٹی کا بیان ہے کہ وجے نگر میں بڑی تعداد میں غلام پائے جاتے ہیں۔ غلاموں سے متعلق کچھ مخصوص قوانین تھے جن کی رو سے ان کے ساتھ بدسلوکی نہیں کی جاسکتی تھی۔ بحیثیت مجموعی ان کے ساتھ بہتر سلوک کیا جاتا تھا۔

4.4 معیشت (Economy)

4.4.1 زراعت

وجے نگر کی معیشت ایک خوش حال اور ترقی یافتہ معیشت تھی۔ غیر ملکی سیاحوں کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ وجے نگر سلطنت دنیا کی امیر ترین سلطنتوں میں سے ایک تھی۔ اس سلطنت کے تحت تامل اور تلگو علاقوں میں واقع بڑے ذخیروں کو بروئے کار لایا جاتا تھا۔ یہاں کی معیشت میں زمینوں کا کردار اہم تھا۔ یہاں کی زمین زرخیز تھی اس لیے پیداوار بڑی مقدار میں ہوتی تھی۔ غذائی اجناس اور دوسری قسم کی نقدی فصلیں مثلاً گنّا اور مسالے وغیرہ کی پیداوار بہت ہوتی تھی۔ ان فصلوں کے پیداوار میں اضافے کے لیے حکومت بھی خاص دل چسپی لیتی تھی۔ ان کے لیے مناسب سینچائی کا انتظام کیا جاتا تھا۔ زمینوں کی درجہ بندی تین قسموں میں کی گئی تھی۔ کل زمین کا تین چوتھائی حصہ امارم کہلاتا تھا۔ یہ زمین پایکاروں اور پالیگاروں کو فوجی خدمات کے بدلے دی جاتی تھیں۔ دوسری قسم کی زمین بندر ودھ زمین تھی۔ اس زمین سے حاصل آمدنی سرکاری خزانے میں جاتی تھی۔ تیسری قسم کی زمین مانیہ کہلاتی تھی۔ اس کی آمدنی برہمنوں اور مندروں کو جاتی تھی۔ زیادہ تر کسان امراء کی زمینوں پر کھیتی کرتے تھے۔ بعض حالات میں ان کو اس پر مالکانہ حق حاصل تھا۔ ان زمینوں سے حاصل ہونے والے ٹیکس کا تخمینہ ان کی کاشت اور ان کے پیدا شدہ نتائج کے حساب سے کیا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر عطریات تیار کرنے والوں کو خاص مقدار میں گلاب کی پنکھڑیوں کی ضرورت پیش آتی تھی۔ اس سلسلے میں ان کی مدد کی جاتی تھی۔ ان پر کم ٹیکس عاید کیے جاتے تھے۔ زرعی پیداوار کی ترقی کے لیے ریاست نے بہتر سینچائی کے نظام پر دھیان دیا۔ اس کے لیے اس نے نہروں اور تالابوں کے کھدوانے کا انتظام کیا تاکہ پانی کی سپلائی اچھی ہو اور زرعی پیداوار میں اضافہ ہو۔ گرم علاقوں کی زمینوں میں جوار، سوت اور سبزیاں پیدا کی جاتی تھیں۔ نم علاقوں میں گنّا، چاول اور گیہوں پیدا کیا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ پان کے پتے اور ناریل بڑی مقدار میں پیدا کیے جاتے تھے۔ زراعت کو بڑھاوا دینے کی غرض سینچائی کے اچھے اور بہتر نظم نے زرعی پیداوار میں اضافہ کیا۔ مسالوں میں کالی مرچ، الائچی، ہلدی، ادرک جن کی کاشت کرناٹک کے پہاڑی علاقوں میں ہوتی تھی اور جس کو بڑی مقدار میں دوسرے شہروں میں بھیجے جاتے تھے۔

4.4.2 صنعت

سلطنت کی معیشت کو مضبوطی فراہم کرنے میں صنعتوں کا اہم کردار تھا۔ اس عہد کے مختلف ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ سلطنت میں فروغ پا رہی مختلف صنعتوں نے ملک کی معیشت کو بہت مستحکم کیا۔ یہ صنعتیں اندرون ملک میں استعمال کی اشیاء کے علاوہ برآمدات کی اشیاء بھی تیار کرتی تھیں۔ صنعتوں اور دست کاری کی ترقی کے لیے گلڈ ذمہ دار تھیں۔ ایک ہی صنعت سے جڑے لوگ عام طور پر شہر کے کسی مخصوص علاقے میں رہتے تھے۔ لوگوں کے مشغلوں میں کپڑے بُننا، کان کنی، عطر سازی، سنگ تراشی، صنم تراشی اور جہاز سازی وغیرہ اہم تھی۔ ریاست کے اندر دست کاری اور چھوٹی صنعتوں پر خاص توجہ دیا جاتا تھا۔ ریاست میں وافر مقدار میں معدنیاتی ذخائر موجود تھے۔ ہیرے کی کانیں کرنول اور اننت پور ضلعوں میں پائی جاتی تھیں۔ ریاست کے مختلف علاقے کان کنی اور دھات سازی کے لیے مشہور تھے۔ سونا، تانبا، لوہا اور ہیرے کی کان کنی نے ریاست کی معیشت میں اہم کردار ادا کیا۔ ریشم کے دست کاروں اور فن کاروں نے اور تانبے کے زیورات بنانے والے عمدہ

ملبوسات برتن اور زیورات تیار کرتے تھے۔ جہاز بنانے کا کام مخصوص طور پر ترقی کر رہا تھا۔ پیندے والے جہاز جن پر ایک ہزار سے بارہ سو بہاروں کا بوجھ لادا جا سکتا تھا، بنائے جاتے تھے۔ جس سے اندرون اور بیرون ملک کی تجارت میں اضافہ ہوا۔

4.4.3 مندروں کا معاشی کردار

وجے نگر کی معیشت میں یہاں کے مندروں کا بھی اہم کردار تھا۔ مندروں نے اہم زمین دار کی حیثیت حاصل کر لی تھی۔ مندر کو بڑی بڑی جاگیریں دان میں دی جاتی تھیں۔ یہ جاگیریں دیودان کہلاتی تھیں۔ مندر کے عہدیداران ان گاؤں کا نظم و نسق دیکھتے تھے۔ ان گاؤں سے حاصل پیداوار غذائی اشیاء کے چڑھاوے کے بطور اور دیگر اشیا مثلاً کپڑے، اگربتی جو مختلف رسومات میں کام آتی تھیں، کی خریداری کے کام آتی تھی۔ ان کے علاوہ حکومت مختلف رسومات کے لیے نقد رقومات بھی فراہم کرتی تھی۔ بہتر کاشت کے لیے مندر سینچائی کے نظم کی بھی نگرانی کرتے تھے۔ بڑے مندروں میں سینچائی کا الگ سے ایک محکمہ ہوتا تھا۔ حکومت کے علاوہ دوسرے افراد بھی مندروں کو رقم مہیا کراتے تھے۔ غذائی پیداوار کا بڑھا ہوا حصہ (پرسادم) کا ایک حصہ حاصل کرتے تھے۔ یہ مندر معاشی سرگرمیوں کے اہم مراکز تھے۔ ان کا اپنا بینک بھی ہوتا تھا۔ مہالنگم ایک کتبے کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ ایک مندر میں 370 افراد بطور ملازمین مقرر تھے۔ مندر گاؤں کے افراد اور گاؤں کی اسمبلیوں کو معاشی سرگرمیوں کے لیے قرضے مہیا کرتے تھے۔ ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ تروپتی کے مندر کو دی گئی رقم سے سینچائی کا ازسرنو نظم کیا گیا تھا۔ نقد رقومات کا استعمال تجارتی قرضوں کے طور پر بھی کیا جاتا تھا۔ ترچناپلم میں مندروں کے اپنے ٹرسٹ ہوتے تھے جو مندروں کے فنڈ کا استعمال مختلف کاموں میں کرتے تھے۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ مندر تقریباً ایک آزاد معاشی نظام کے طور پر کام کرتے تھے جس کے تحت وہ افراد اور اداروں کو معاشی نظام سے جوڑے رکھتے تھے۔

4.5 تجارت (Trade)

وجے نگر کے عہد میں اندرونی اور بیرونی دونوں تجارتوں کو ترقی حاصل ہوئی۔ ایران، عرب ملایا مجمع الجزائر برما، چین، پرتگال اور بحر ہند کے مختلف مجمع لجزائر، افریقہ، بخارا اور بحیرۂ روم کے علاقوں کے ساتھ بڑے پیمانے پر بحری تجارت پھل پھول رہی تھی۔ وجے نگر کے حکمرانوں کے لیے بیرونی تجارت بہت اہم تھی۔ اِس نے اُس وقت کی سیاست کو بھی متاثر کیا۔ عبدالرزاق جس نے ہندوستان اور ہندوستان کے باہر خوب سیر و سیاحت کی تھی اور وہ دیورائے دوم کے دربار میں سفیر بھی تھا کہتا ہے، ''اس کی ریاست میں 300 بندرگاہیں ہیں جن میں سے ہر ایک کالی کٹ کے برابر ہے اور اس کے ریاستی علاقے کا سفر مکمل کرنے میں تین مہینے درکار ہو سکتے ہیں۔ اس ملک کے بیش تر حصے زرخیز ہیں۔ فوجیوں کی تعداد گیارہ لاکھ ہے۔''

عبدالرزاق کالی کٹ کے راستے ہندوستان آیا تھا۔ کالی کٹ افریقہ اور عرب ممالک سے آنے والے لوگوں کے لیے ایک محفوظ بندرگاہ تھی۔ یہاں تاجروں کے سامان کی حفاظت کا پورا دھیان رکھا جاتا تھا۔ چنگی کے افسران تجارتی سامانوں کی نگرانی کرتے تھے۔ مال کے فروخت ہونے پر چالیسواں حصہ ٹیکس کے طور پر حاصل کرتے تھے۔ مکہ کے سیاح سے مرچ کی اچھی تجارت ہوتی تھی۔ عبدالرزاق کے ستّر

سال بعد باربوسا یہاں آیا تو اس نے دیکھا کہ کالی کٹ میں تجارت زوروں پر تھی۔ یہاں پر جہاز ہر جگہ سے مال لادتے تھے اور برسات شروع ہونے پر دس یا پندرہ جہاز بحر قلزم، عدن اور مکہ جاتے تھے۔ یہاں سے دوسرے جہازوں پر سامان لاد کر انہیں پہنچایا جاتا تھا۔ سیاہ مرچ، ادرک، الائچی، دار چینی، آنولا، املی اور ہر قسم کے بیش قیمتی پتھر، چھوٹے موتی، مشک، سوتی کپڑے اور چینی کے برتنوں کی کالی کٹ سے برآمد کی جاتی تھی۔ کالی کٹ میں جو ڈاسے لاکر جن اشیا کی درآمد ہوتی تھی ان میں تانبا، پارہ، سیندور، مونگا، زعفران، رنگین مخمل، عرق گلاب، چاقو، رنگین ریشمی کپڑے سونا اور چاندی وغیرہ شامل تھی۔ پرتگالیوں کا چین میں ایک قلعہ اور نوآبادی تھی۔ اس جگہ پرانے جہازوں کی مرمت ہوتی تھی اور نئے جہاز بھی بنتے تھے۔ اطالوی سیاح وار بارٹولمیو ڈیاس تھیما کا کہنا ہے کہ کامبے کے نزدیک سوتی کپڑے بڑے پیمانے پر تیار کیے جاتے تھے اور ہر سال سوتی اور ریشمی کپڑوں سے لدے ہوئے چالیس یا پچاس جہاز مختلف ممالک کے لیے روانہ ہوتے تھے۔ کنانور ایک خوب صورت شہر تھا۔ یہاں ایران سے آنے والے گھوڑے اتارے جاتے تھے۔ اس کے بعد پندرہ دن کی مسافت کے بعد گھوڑے وجے نگر پہنچتے تھے۔ کنانور سے بارہ میل دور دھرم پٹنم کے آس پاس عمدہ قسم کی عمارتی لکڑی ملتی تھی۔ چول بندرگاہ سے نفیس ململ اور کیلیکو کے علاوہ گیہوں، چاول، جوار وغیرہ باہر بھیجا جاتا تھا۔ چول سے کچھ اور اندر کی جانب ایک بڑا بازار تھا جہاں لوگ جھنڈ کے جھنڈ بیلوں پر سامان لاد کر لایا کرتے تھے۔ مالابار سے متعلق باربوسا کہتا ہے کہ اگرچہ یہ چھوٹی جگہ ہے مگر آبادی بہت گھنی ہے۔ رالف فنچ کے مطابق گوا لے جایا جانے والا تمام تجارتی سامان ایک جہاز میں بھیجا جاتا تھا۔ چول میں ہر قسم کے مسالے، ادویات، ریشم اور ریشم کے کپڑے، صندل، ہاتھی دانت اور چینی مٹی کے برتنوں کی تجارت ہوتی تھی۔

مسولی پٹم اور اس کے قرب وجوار کا علاقہ صنعت و تجارت کے لیے اہم تھا۔ یہ علاقہ خاص طور پر زراعت کے لیے مشہور تھا۔ اس کے نشیبی علاقوں میں چاول، جوار، اور دالوں کی پیداوار ہوتی تھی۔ چھوٹے پیمانے پر تیل، چیروٹ کی فصلیں بنکروں کی صنعتوں کے لیے پیدا کی جاتی تھیں۔ تمباکو کی کاشت بھی ہوتی تھی۔ اس کی کاشت خاص طور پر برآمد کے لیے کی جاتی تھی۔ مخصوص دھاتوں میں لوہا اور بہتر قسم کا فولاد اندرونی علاقے میں پایا جاتا تھا۔ کولار کی کان سے ہیرے نکالے جاتے تھے۔ صنعتوں میں سوتی کپڑے کی بنائی کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ یہ صنعت پورے علاقے میں پھیلی ہوئی تھی۔ مقامی کھپت کے ساتھ ساتھ سوتی کپڑے کی بڑی مقدار میں برآمد کی جاتی تھی۔ سوتی کپڑے دو طرح کے ہوتے تھے۔ سادے جیسے Calico اور ململ اور بھورے، دھلے اور رنگے ہوئے کپڑے ہوتے تھے۔ کچھ ایسے کپڑے بنے جاتے تھے جو آج کل کی چھینٹ کی طرح کے ہوتے تھے۔ یہ سبھی ململ پر تیار کیے جاتے تھے۔ یہ کام خاص طور پر ساحلی مقامات پر ہی ہوتا تھا۔ یہ کپڑے بطور خاص جاوا اور مشرق بعید کے بازاروں کے لیے تیار کیے جاتے تھے۔ سادے کپڑے کی برآمد گول کنڈہ کے ساحل سے ہوتی تھی۔ چھینٹ کے لیے پولی کٹ مخصوص بندرگاہ تھا۔ ساحلی تجارت بہت ترقی پر تھی۔ یہ شمال میں بنگال اور جنوب میں شری لنکا تک پھیلی ہوئی تھی۔ گولکنڈہ سے جن چیزوں کی برآمد ہوتی تھی ان میں سوتی کپڑے، لوہا اور فولاد مخصوص اشیاء تھیں۔ تیل ایران بھیجا جاتا تھا۔ سوتی دھاگہ برما بھیجا جاتا تھا۔ برآمدات کے اشیاء کی تجارت زوروں پر تھی۔ درآمدات کی اشیاء کم تھیں۔ ساحل پر درآمد کی جانے والی اشیاء میں مسالے، رنگی ہوئی لکڑی، لوہے کے علاوہ دیگر دھاتیں، کافور، چینی کے برتن، ریشم اور دوسرے تعیش کے سامان شامل تھے۔

4.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

ہم عصر ادبی اور غیر ادبی ذرائع سے وجے نگر کے معاشرے، معیشت اور تجارت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ یہاں کی سماجی تاریخ بہت اہمیت کی حامل ہے۔ وجے نگر کے حکمرانوں نے کلاسیکی انداز پر معاشرے کی تشکیل کی۔ حکمرانوں نے نہ صرف بذات خود ذات پات کے نظام کو جاری رکھا بلکہ تمام ذاتوں اور ورنوں کے تحفظ کی ضمانت دی۔ اس وقت مروجہ چار ورن ذیلی ذاتوں اور فرقوں میں منقسم تھیں جو حقوق اور مراعات کے لیے باہم برسرپیکار رہتی تھیں۔ سماج میں برہمن کو اونچا مقام حاصل تھا۔ اس وقت کچھ ایسے طبقے موجود تھے جو برہمن نہیں رہ گئے تھے بلکہ شودر ہو گئے تھے۔ وہ سماج میں خصوصی اختیارات اور اعزازات کے لیے سرگرم تھے۔ دوسرے بااثر طبقوں میں پانچال، کیکوّلا، حجام، ڈومبرا، بائیں بازو اور دائیں بازو کے طبقات اہم تھے۔ ان کے علاوہ توتین، سوراشٹر اور ریڈی قابل ذکر طبقات تھے۔ معاشرے میں مختلف قسم کے رواج پائے جاتے تھے مثلاً کم عمری کی شادی، کثیر زوجگی، ستی کی رسم وغیرہ۔ عورتوں کو باوقار مقام حاصل تھا۔ شہروں میں بڑے بڑے مکانات پائے جاتے تھے۔ غریب لوگ چھوٹی چھوٹی جھونپڑیوں اور گھاس پھوس کے مکانات میں رہتے تھے۔ یہاں کے لوگ مختلف قسم کے اناج، دالیں، پھل اور سبزیوں کا استعمال کرتے تھے۔ بیش تر افراد سبزی خور تھے مگر مختلف قسم کے پرندوں اور جانوروں کے گوشت کھانے کا بھی ذکر ملتا ہے۔ لوگ سوتی اور ریشم کے کپڑے پہنتے تھے۔ سروں پر ٹوپی یا پگڑیاں باندھتے تھے۔ سامان تعیش میں مختلف قسم کے زیورات اور عطریات کا استعمال کرتے تھے۔ تفریحات کے معاملے میں کشتی لڑنا، شکار کھیلنا، رقص اور موسیقی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ وجے نگر کی معیشت خوش حال و ترقی یافتہ تھی۔ وجے نگر کا شمار اس وقت کی امیر ترین سلطنتوں میں ہوتا تھا۔ یہاں کی زمین زرخیز تھی جس پر مختلف قسم کے اناج، دالیں، پھل اور سبزیاں اگائی جاتی تھیں۔ غذائی اجناس اور تجارتی اشیاء میں چاول، جوار، گنّا، سوت، مسالے، کالی مرچ، الائچی، ہلدی، پان کے پتّے، ناریل اور سبزیاں اگائی جاتی تھیں۔ مختلف قسم کی صنعتوں نے یہاں کی معیشت کو استحکام بخشا تھا۔ قابل ذکر صنعتوں میں کپڑے بننا، کان کنی، عطر سازی، سنگ تراشی، جہاز سازی وغیرہ اہم تھی۔ وجے نگر سلطنت کے تجارتی تعلقات حبشہ، عرب، برما، چین، فارس، پرتگال، جنوبی افریقہ اور دوسرے ممالک سے تھے۔

4.7 کلیدی الفاظ (Keywords)

مراعات	:	رعایت
ارتکاب	:	کام میں ہاتھ ڈالنا، گناہ کرنا
وگنگائی	:	دائیں بازو
ایرنگائی	:	بائیں بازو
خواجہ سرا	:	زنانہ مکان میں خدمت کرنے والا ہیجڑا غلام
مجمع الجزائر	:	جزیروں کا مجموعہ

مزیّن : سجاہوا

یاقوت : جواہرات کی ایک قسم

آویزہ : بندہ۔ لٹکن کا لمپ

4.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

4.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. وجے نگر ریاست میں صنعت کاروں کے کتنے طبقے تھے؟
2. وجے نگر کے حکمرانوں نے خود کے لیے کون سے القاب اختیار کیے؟
3. جام بوتی کلیانم کس کی تخلیق ہے؟
4. شعبدہ بازوں سے متعلق براؤن کی کیا رائے ہے؟
5. دستکاروں کا فرقہ کیا کہلاتا تھا؟
6. وجے نگر شہر سے متعلق کس نے کہا ہے کہ اس میں سات مستحکم دیواریں ہیں؟
7. وجے نگر ریاست کی زمینوں کی درجہ بندی کتنے اقسام میں کی گئی تھی؟
8. زمین کی ایک قسم جو 'مانیہ' کہلاتی تھی، کی آمدنی کس کو دی جاتی تھی؟
9. ایک کتبے کے حوالے سے کس نے بتایا ہے کہ ایک مندر میں 370 افراد ملازم تھے؟
10. کس غیر ملکی سیّاح نے بتایا ہے کہ دیورائے دوم کی ریاست میں تین سو بندرگاہیں ہیں؟

4.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. وجے نگر کے معاشرے میں برہمنوں کے مقام اور اہمیت کا جائزہ لیجئے۔
2. وجے نگر معاشرے میں ویراونودین کا کیا مقام تھا؟
3. وجے نگر معاشرے میں توتین کی سماجی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔
4. وجے نگر معاشرے میں سوراشٹر کون لوگ تھے؟ وضاحت کریں۔
5. وجے نگر کے معاشرے میں شادی کی رسومات کے بارے میں بتایئے۔
6. وجے نگر کے معاشرے میں ستی کی رسم سے واقفیت کرایئے۔
7. وجے نگر کے عہد میں لوگ خوشبو کے لیے کن اشیاء کو استعمال کرتے تھے؟ ایک مختصر نوٹ تحریر کریں۔
8. وجے نگر کے معاشرے میں شکار کھیلنا کس طرح تفریح کا سامان بہم کرتا تھا؟ روشنی ڈالیں۔

4.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. وجے نگر سلطنت کے عہد کے معاشرے پر ایک تفصیلی مضمون لکھیے۔
2. وجے نگر کے معاشرے کے طرز رہائش، غذا اور لباس پر ایک مضمون لکھیے۔
3. وجے نگر کی معیشت پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔
4. وجے نگر کی تجارت سے متعلق اپنی واقفیت کا اظہار کیجئے۔

4.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Asian Educational Services, *The Vijayanagar Empire*: *Chronicles of Paes and Nuniz*, Asian Educational Services, New Delhi, 1991.
2. Filliozat, Vasundhara ed., *Vijayanagar as seen by Dorningos Paes and Fernao Nuniz (16 Century Portuguese Chroniclers) and Others*, National Book Trust, India, 2015 (first pub. in 1977).
3. Nilakanta Sastri, K.A., *A History of South India*: *From Prehistoric Times to the Fall of Vijayanagar*, Oxford University Press, New Delhi, 1997 (first pub. in 1955).
4. Nilkantha Shastri, K.A., and N. Venkata Ramanayya, *Further Sources of Vijayanagara History*, Madras, 1946.
5. Pillai, Manu S., *Rebel Sultans*: *The Deccan from Khilji to Shivaji*, Juggernaut, New Delhi, 2018.
6. Ramakrishna, V. et al eds., *History of Telangana*, Andhra Pradesh History Congress in association with Potti Sreeramulu Telugu University, EMESCO Books, Hyderabad, 2016.
7. Reddy, Srinivas, *Raya*: *Krishnadevaraya of Vijayanagara*, Juggernaut, New Delhi, 2020.
8. Ritti, Shrinivas and Y. Subbarayalu eds., *Vijayanagara and Krishnadevaraya*, Indian Council of Historical Research, Southern Regional Centre, Bangalore, 2010.
9. Sewell, Robert, *A Forgotten Empire (Vijayanagar)*: *A Contribution to the History of India*, Asian Educational Services, New Delhi, 2000 (first pub. in 1900).
10. Sherwani, H.K. ed., *History of Medieval Deccan* (*1295–1724*), Two Vols., The Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 1973.
11. Stein, Burton, The New Cambridge History of India: Vijayanagara, Cambridge University Press, New Delhi, 1990.
12. Verghese, Anila and Anna L. Dallapiccola eds., *South India under Vijayanagara*: *Art and Archaeology*, Oxford University Press, New Delhi, 2011.
13. Yazdani, G. ed., *The Early History of the Deccan*, *Parts VII – XI*, Department of Archaeology and Museums, Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 2013 (first pub. in 1960).

اکائی 5۔انتظامی ساخت

(Administrative Structure)

اکائی کے اجزا

5.0 تمہید

5.1 مقاصد

5.2 آخذ

5.3 انتظامیہ

5.3.1 مرکزی حکومت

5.3.2 صوبائی حکومت

5.3.3 مقامی انتظامیہ

5.4 مالیات کا نظم ونسق

5.5 فوجی تنظیم

5.6 محکمہ انصاف

5.7 اکتسابی نتائج

5.8 کلیدی الفاظ

5.9 نمونہ امتحانی سوالات

5.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

5.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

5.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

5.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

5.0 تمہید (Introduction)

کسی بھی حکومت کے استحکام کے میں اس کی انتظامیہ کا اہم کردار ہوتا ہے۔ بہتر نظم و نسق کو یقینی بنانے کے بعد ہی حکومت میں پائیداری آتی ہے۔ وجے نگر سلطنت جنوبی ہندوستان کے ایک بڑے علاقے میں قائم تھی۔ یہاں پر مختلف شاہی خاندانوں نے تین سو سے زائد برسوں تک حکومت کی۔ اتنے لمبے عرصے تک حکومت قائم رہنے میں یہاں کی انتظامیہ کا بڑا دخل ہے۔ وجے نگر کے حکمرانوں نے بہتر مرکزی، صوبائی اور مقامی حکومت قائم کی تھی۔ ان کا مالیات کا نظم و نسق اچھا تھا۔ غیر ملکی سیاحوں نے بھی ان کی انتظامیہ، فوجی تنظیم اور محکمۂ انصاف کے بارے میں تفصیلی جان کاری پیش کی ہے۔ اس اکائی میں ہم وجے نگر کی انتظامیہ کے بارے میں واقفیت حاصل کریں گے۔

5.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- آپ وجے نگر انتظامیہ کے بارے میں تفصیل سے جان سکیں گے۔
- وجے نگر کی مرکزی حکومت کیسی تھی آپ کو اس کی بھی واقفیت ہو گی۔
- وجے نگر کی صوبائی حکومت کے بارے میں جان سکیں گے۔
- وجے نگر کی مقامی انتظامیہ کے بارے میں جان سکیں گے۔
- آپ وجے نگر کی فوجی تنظیم اور محکمہ انصاف سے بھی واقف ہوں گے۔

5.2 ماخذ (Sources)

وجے نگر انتظامیہ کی جان کاری ہمیں اس عہد کی تصانیف، غیر ملکی سیاحوں کے بیانات، بادشاہوں کے فرامین اور آثار قدیمہ کے مختلف ذرائع سے ہوتی ہے۔

5.3 انتظامیہ (Administration)

5.3.1 مرکزی حکومت (Central Administration)

بادشاہ : وجے نگر کی حکومت میں اصلاً موروثی بادشاہت تھی۔ شاہی دستور کے تحت چلنے والی دوسری ریاستوں کی طرح سلطنت وجے نگر میں بھی بادشاہ انتظامیہ کا سربراہ ہوتا تھا اور ریاست میں اعلا ترین مقام کا حامل تھا۔ راجا جسے رائے کہا جاتا تھا دراصل وہ نظام حکومت کا محور تھا۔ رعایا کی نظر میں وہ ایشور کا روپ سمجھا جاتا تھا۔ قدیم ہندو مفکرین کے ذریعہ پیش کردہ ریاست کے سات عناصر میں بادشاہ کا مقام سب سے اہم

تھا۔ان ہی باتوں کی توثیق کرشن دیورائے کی تصنیف آمکت مالیدا بھی کرتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ''سیاسی ڈھانچہ کے سات عناصر میں میں بادشاہ کی اہمیت سب سے زیادہ ہوتی ہے''۔اس وقت کا ایک درباری شاعر اس بات پر زور دیتا ہے کہ بادشاہ کے اندر اپنے احکامات کو نافذ کرنے کی صلاحیت ہونی چاہیے۔اس بیان کی تصدیق اس وقت کی ایک اور تصنیف سے ہوتی ہے جس میں سالونر سمہا کی شان میں اشعار کہے گئے ہیں۔

قدیم ہندو بادشاہوں کی طرح بادشاہ کی تاج پوشی ایک اہم تقریب میں ہوتی تھی۔راجا کی رسم تاج پوشی اور اس پر لیے گئے حلف سے جیسا کہ ٹی وی مہالنگم کا خیال ہے کہ ویدی عہد کے راجا کے نظریات سے مشابہت نظر آتی ہے۔ بادشاہ ''رائے، ''نریتن'' ہندو سرتان اور ویدوں اور ویدی اصولوں کے محافظ کا لقب اختیار کرتے تھے۔تاج پوشی کی رسم باضابطہ طور پر منائی جاتی تھی۔ سلطنت میں آنے والے سیاحوں نے ان رسومات کا تذکرہ کیا ہے۔ان کے بیانات کی تصدیق متعدد کتبات سے بھی ہوتی ہے۔بتایا جاتا ہے کہ ہری ہر دوم کی موت کے بعد اس کے تینوں بیٹوں نے سلطنت کے حصول کی کوشش کی، شاہی القاب اختیار کیے اور جاگیریں تقسیم کیں۔دیورائے اول کی تاج پوشی کا واضح تذکرہ کتبوں میں ملتا ہے۔تاج پوشی کی رسم منانے کے لیے ایک خاص دربار منعقد کیا جاتا تھا جس میں ماتحت بادشاہ اور دیگر سردار شریک ہوتے تھے۔ اس میں برہمن پروہت بادشاہ کی پیشانی پر سونے کا ایک موباف رکھتا تھا اور ضروری دعاؤں اور مناسب منتروں کے پڑھنے کے بعد ابھی شیک پانی انڈیل دیتا تھا۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے انتخاب میں وزرا کو بھی کچھ دخل حاصل تھا اور وہ اس کی تاج پوشی میں اہم کردار ادا کرتے تھے۔کتبات سے پتہ چلتا ہے کہ تاج پوشی کی رسم کو وزرا ہی انجام دیا کرتے تھے۔سالوتم اور سداشورائے کو برسرِاقتدار کرنے میں رام رائے نے اہم کردار نبھایا تھا۔وہ کرشن دیورائے کا طرفدار تھا۔اس نے وزیر اعلا کا کردار ادا کیا اور ویر نرسمہا کی موت پر اسی نے اسے تاج پہنایا۔تاج پوشی کی اہمیت اس وجہ سے بھی تھی کہ بادشاہت اختیار کرنے کے بعد بادشاہ اپنی ذمہ داریوں سے واقف رہے۔ بادشاہ قوانین کے تحت حکومت کرنے کے لیے حلف اٹھاتے تھے۔اس موقع پر بادشاہ مندروں اور برہمنوں کو بڑے بڑے عطیات دیتے تھے۔

یوراج(شہزادہ) : بادشاہ کے فوراً بعد یوراج کا عہدہ ہوتا تھا جو عام طور پر راجا کا بڑا بیٹا ہوتا تھا۔بیٹا نہ ہونے پر خاندان شاہی کے کسی بھی لایق ترین شخص کو یوراج بنایا جاسکتا تھا۔یوراج کی تخت نشینی کو یووراج پٹا بھیسیکم کہا جاتا تھا۔وجے نگر بادشاہ اپنے جانشینوں کا تقرر کرتے تھے اور اپنی زندگی ہی میں یوراج کی حیثیت سے ان کی تاج پوشی کرتے تھے۔ہری ہر دوم کے ایک پیتل کی تختی کے عطیہ میں مذکور ہے کہ اس نے اپنے بھائی بکارا جا کو یوراج کی حیثیت سے تقرر کیا تھا۔عام طور پر یوراج پٹا بھیشیکم کی تقریب اس وقت منائی جاتی جب ولی عہد انتظام حکومت کی اصل تعلیم حاصل کر لیتا لیکن مخصوص حالت میں یووراج کی حیثیت سے تقرر کر دیا جاتا۔ایسا غالباً بادشاہ کے اس خدشہ کی بنیاد پر ہوتا تھا کہ ان کی موت کے بعد جانشینی پر تنازعہ ہوگا۔اپنی تربیت کے دوران یووراج لائق و قابل اساتذہ کی نگرانی میں رکھے جاتے جو اسے شاستر کی تعلیم دیتے جس کا جاننا بادشاہ کے لیے ضروری تھا۔جب شہزادہ کی عمر اس پختگی کو پہنچ جاتی کہ اسے انتظامیہ کی ذمہ داری سونپی جاسکے تو اسے کسی صوبے کا گورنر مقرر کر دیا جاتا۔یہ ایک ایسا عہدہ تھا جو اسے ریاست کے مسائل سے دوچار کرتا اور انتظام حکومت کی تربیت حاصل کرنے میں اس کی مدد کرتا۔

وارث کے انتخاب کے سلسلے میں سلطنت کے نمایاں اشخاص کو اپنی رائے دینے کا حق حاصل تھا۔ حکمراں کا انتخاب بالعموم وزرا اور امرا کی موجودگی میں ہوتا تھا۔ زندگی کے آخری ایام میں بادشاہ اپنے بیٹوں کے حق میں تخت سے دستبردار بھی ہو سکتے تھے۔ وجے نگر عہد میں ماقبل چولا دور کی طرح بادشاہ اپنی زندگی ہی میں اپنی موت کے بعد تخت کی جانشینی کے سلسلہ میں تنازعات کو روکنے کی خاطر یوواراج کی حیثیت سے اپنے بیٹوں کی تاج پوشی کر دیا کرتے تھے۔ اگر تخت کا مالک کوئی نابالغ ہوتا تو اس کا ایک نائب نامزد کر دیا جاتا اور کمسن حکمراں کے نام پر سلطنت کا نظم و نسق اسی کے سپرد کر دیا جاتا۔ سن شعور کو پہنچنے کے بعد شہزادہ حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لیتا تھا۔

منتری پریشد (وزارتی کونسل)

ریاستی معاملات میں بادشاہ کو مشورہ دینے کے لیے وزرا کی ایک کونسل ہوتی تھی۔ یہ ایک مستقل کونسل تھی جو بادشاہ کی پالیسیوں پر اثرانداز ہوتی تھی۔ تشکیل اور اختیارات کے لحاظ سے یہ کسی قدر کوٹلیہ کی منتری پریشد جیسی تھی۔ کونسل کی میٹنگ ایک مخصوص کمرے میں منعقد ہوتی تھی۔ کونسل کے ممبروں کی تعداد متعین نہیں تھی۔ اس میں کمی وزیادتی ہوتی رہتی تھی۔ نونیز کے مطابق دیورائے دوم کا بھتیجا بادشاہ کے بیس وزرا میں سے ایک تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بادشاہ کے قریبی رشتہ دار بھی وزارتی کونسل کے رکن ہوا کرتے تھے۔ وزرا کا اپنا سرکاری لقب ہوا کرتا تھا۔ اس عہد کے کتبے سے حکومت کے بعض حکام کا پتہ چلتا ہے جو بادشاہ کے وزرا کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ یہ وزرا تھے۔ پردھانی یا مہاسیر اپردھانی، اپ پردھانی ولادھیکاری یا دان نایک، سامنت ادھیکاری اور چند دوسرے وزرا۔ انتظامیہ کے بعض شعبوں کے سربراہ بھی وزارتی کونسل میں شامل ہوتے تھے۔ کونسل میں دو قسم کے مشیر ہوتے تھے۔ اول وزیر اعظم اور مختلف شعبہ جات کے دیگر سربراہ، دوسرے بادشاہ کے چند رشتہ دار۔

منتری پریشد کا ایک صدر سبھانایک ہوتا تھا۔ وہ مباحثوں کی صدارت کرتا تھا۔ کونسل کا صدر غالباً وزیر اعظم ہوا کرتا تھا۔ ایک کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ تپّادناگنّا جو کہ بُکا اول کا اہم وزیر تھا کونسل کا سربراہ (سبھانایک) تھا۔ دستاویزات سے پتہ چلتا ہے کہ بادشاہ مخصوص مسائل پر گفتگو کرنے کے لیے خود ہی میٹنگیں بلاتا تھا۔ کابینہ کی کارروائیوں کے سلسلہ میں سخت رازداری برتی جاتی تھی۔ آمکت مالیاد میں بھی کابینہ کے فیصلوں اور اس کی کارروائیوں کو راز میں رکھنے پر زور دیا گیا ہے۔ وزیر اعلا ایسے شخص کو بنایا جاتا تھا جو نہایت قابل ہو۔ وزیر اعلا کا صاحب علم ہونا، ادھرم سے ڈرنا، راج نیتی سے اچھی طرح واقف ہونا ضروری تھا۔ اس کی عمر پچاس اور ستر کے درمیان ہونی چاہیے۔ اس کا جسمانی طور پر صحت مند ہونا ضروری تھا۔ اس کے اندر خود بینی نہیں ہونی چاہیے۔ نورتن مولو میں یہ کہا گیا ہے کہ بادشاہ کے پاس ایک ہمہ گیر شخصیت کا حامل وزیر ہونا چاہیے۔ اگر اس کے پاس ایسا وزیر ہوگا تو وہ اس کی تلوار اور اس کے عمل کے لیے مواقع نکال لے گا۔ وزارتی کونسل ایک مضبوط اور بااثر انجمن ہوتی تھی۔ کونسل میں ہونے والے مباحث پر بادشاہ گہری نظر رکھتا تھا۔ بادشاہ کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ سلطنت کا انتظام خود اپنی سمجھ سے کرے۔ وہ ناپسندیدہ وزرا کی صلاح کو مسترد بھی کر سکتا تھا۔ کونسل کے اراکین بادشاہ کو راج تلک لگاتے اور انتظامیہ کی راہ نمائی کرتے۔ مضبوط قوت ارادی والے بادشاہ کونسل کے اختیارات اور اس کی آزادی میں کمی کر دیتے۔ اس کے برعکس کمزور بادشاہوں کے دور حکومت میں ان کے اختیارات اور اثرات بہت زیادہ ہوتے تھے اور ریاست کی پالیسی پر ان کا مکمل کنٹرول ہوتا۔ ریاست کی پالیسی وضع کرنے

میں ان کا بہت عمل دخل ہوتا تھا۔ کرشن دیورائے جیسے اہل اور طاقت ور بادشاہ کو بھی ان کی بڑھی ہوئی طاقت کا احساس تھا۔ بعض معاملات میں ان کے سامنے وہ بھی بے بس تھا۔

بادشاہ سے امید کی جاتی تھی کہ وہ ریاست کے اہم معاملات میں کونسل سے مشورہ لے گا۔ لیکن سارے بادشاہ ان سے مشورہ نہیں لیتے تھے۔ بعض طاقت ور بادشاہوں نے تو کونسل کو اپنی منشا کے مطابق ڈھال لیا تھا۔ اگر بادشاہ اپنے ارادے میں پختہ اور مقصد میں اٹل ہوتا تھا تو وہ اپنی مرضی چلا لیتا تھا اور کونسل کو اپنی مرضی کے مطابق جھکا لیتا تھا۔ نونیز کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ کرشن دیورائے نے بدل کاؤ کے علاقے پر چڑھائی کے معاملے میں کونسل کے مشورے کو نظر انداز کر دیا تھا۔ جہاں تک وزیروں کے عہدوں کی معیاد کا سوال ہے، ان کے لیے کوئی متعین مدت نہیں تھی۔ وزیر یا وزیر اعظم اس وقت تک اپنے عہدے پر فائز رہ سکتا تھا جب تک اس کو بادشاہ کا اعتماد حاصل ہوتا تھا۔ کسی شخص کی ذاتی صلاحیت کی بنا پر بھی اس کو وزارت سونپی جاتی تھی۔ بہت سے وزرا صوبائی گورنر بھی مقرر کیے جاتے تھے۔ دیورائے دوم کا اہم وزیر لکنّا ونایک اپنے عہدہ داری کے دور میں کسی نہ کسی صوبے کا گورنر بھی تھا۔ وزرا کو بعض مخصوص القاب سے بھی نوازا جاتا تھا۔ وجے نگر کے بعض کتبات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے بعض القاب اُپ پردھانی، پردھانی، مہاپردھانی، سیر اپردھانی اور سروشیر اپردھانی ہوا کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ القاب وزارتی عہدوں درجہ وار ترتیب کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ پردھانی اور ریاست کے بعض دوسرے اعلا افسران کو ڈنڈ نایک کا بھی خطاب ملتا تھا۔ ڈنڈ نایک فوجوں کے قاید اور انتظامیہ کے سردار ہوا کرتے تھے۔ فلیٹ (Fleet) نے اسے فوجی قائد بتایا ہے جب کہ جیسوال کا خیال ہے کہ ڈنڈ نایک کے معنی ''انتظامیہ کا سردار'' ہے۔ کتبات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ جن وزرا کو یہ القاب ملے تھے وہ سب انتظامیہ کے حکام تھے۔ دیگر خطابات سے بھی اس خیال کی توثیق ہوتی ہے۔

مرکزی سکریٹریٹ: وجے نگر جیسی وسیع سلطنت کو چلانے کے لیے بہت سارے کارندوں کی ضرورت پڑتی ہوگی۔ اس کے لیے محض ایک کونسل کافی نہیں ہوگی۔ بہتر نظم ونسق کے لیے ایک باصلاحیت دفتری عملہ ہوا کرتا تھا۔ مختلف دفاتر کے بارے میں جان کاری ہمیں اس وقت کے کتبات، غیر ملکی سیاحوں کے بیانات اور اس عہد کی تصانیف سے ملتی ہیں۔ ایرانی سیاح عبدالرزاق جس نے سلطنت کے صدر مقام پر دفاتر کی کارکردگی کا مشاہدہ کیا تھا، لکھتا ہے کہ: ''بادشاہ کے محل کے داہنی جانب دیوان خانہ یا وزیر کا دفتر ہے جو بہت وسیع ہے اور چہل ستون والے ہال جیسا نظر آتا ہے۔ اس کے مقابل ایک بلند گیلری ہے، انسان کے قد سے زیادہ بلند، 30 گز لمبی اور 6 گز چوڑی۔ یہاں کاغذات رکھے جاتے ہیں اور محرر بیٹھتے ہیں۔ کرشن دیورائے کی تصنیف آمکتامالیادا میں بتایا گیا ہے کہ ''جب کبھی کسی ایک (ماتحت) افسر کے کام کو متعدد افراد کے سپرد کیا جاتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو اپنے دوستوں کی مدد حاصل ہوتی ہے تو ریاست کے امور آسانی سے انجام پاتے ہیں۔ ان کی تعداد میں کمی وزیادتی کے ساتھ ہی بادشاہ سے ان کی خوشی واطمینان میں کمی وزیادتی ہوتی ہے۔ کوئی بھی چیز متعدد افسروں کے رضاکارانہ تعاون کے بغیر حاصل نہیں کی جاسکتی۔ انہیں مستعد اور فرمانبردار رکھنے کے لیے بخل اور درشتی سے پرہیز اور سچائی کا رویہ مفید ہوتا ہے۔'' اس سکریٹریٹ میں شعبوں کا بٹوارہ کیا جاتا تھا۔ اس وقت کے کتبات میں ''رائے سم'' نام کے ایک دفتر اور اس کے عہدیداروں کا تذکرہ ملتا ہے۔ دفتر کے ملازمین عموماً اپنے نام کے شروع میں دفتر کا نام جوڑتے تھے جو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ان کا خطاب بن گیا۔ ایک افسر جو ''رائے سوامی''

کہلاتا تھا اس دفتر کا سربراہ ہوتا تھا۔ غالباً یہ دفتر بادشاہ کی ذات سے منسلک تھا یہی وجہ ہے کہ اس سے متعلق لوگوں نے اعلیٰ مقام حاصل کیے اور ریاست کے وزیر بنے ''کرنکم'' نام کا دوسرا دفتر تھا جس کا تذکرہ وجے نگر کے کتبات میں اکثر ملتا ہے۔ وجے نگر کے لگ بھگ سارے اداروں یا دفتروں میں کرنکم کے عملے ہوتے تھے یہاں تک کہ رائے کے حرم سے متعلق آفس کا بھی ایک کرنکم ہوتا تھا۔

بادشاہ کے دفتر میں افسران کی ایک بڑی تعداد ہوتی تھی۔ جن میں سے ہر ایک کو محل کا کوئی کام سپرد کیا جاتا تھا۔ ان میں سے سب سے اہم سرونایک (Sarvanayaka) تھا۔ بعض کتبات میں اسے مانیہ پردھان (Maneyapradhana) (وزیر محل) کہا گیا ہے۔ وہ محل کی ضروریات اور آسائش کا خیال رکھتا تھا، اور محل کے دفتر پر کنٹرول رکھتا تھا۔ اس کے تحت بہت سارے ملازمین ہوتے تھے۔ شاہی مہر کا انچارج ریاست کا ایک اعلا عہدیدار ہوتا تھا۔ یہ بادشاہ کا قابل اعتماد شخص ہوتا تھا۔ اسے ''مدرے (Madure) ''یا ''مدرا کرتا '' (Mudra Karka) کہا جاتا تھا۔ اسی سے متعلق دیگر دو افسرون بھی ہوتے تھے۔ جنھیں اجنادھارک اور اجناپری پالک کہا جاتا تھا۔ یہ بادشاہ کے احکامات کو عمل میں لانے والے، کے خطابوں سے معروف تھے۔ محل کا دوسرا اہم افسر ''واسل (Vasal) ''یا ''واسل کاریم'' تھا۔ اس عہدے کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ بادشاہ سے ملنے سے قبل ان سے اجازت لینی پڑتی تھی۔ یہ محل کے محافظوں کا تعین کرتا تھا۔ دومنگو پائس اور نیونز نے اسے ''محافظ دستہ کا سردار'' بتایا ہے۔ وہ میدان جنگ میں فوج کے ایک حصہ کی قیادت بھی کرتا تھا۔

5.3.2 صوبائی حکومت

وجے نگر سلطنت جنوبی ہندوستان کی ایک عظیم حکومت تھی۔ دیورائے دوم کا عہد اس کے عروج کا زمانہ تھا۔ کچھ علاقوں کو چھوڑ کر پورا جنوبی ہندوستان اس کے تحت آگیا تھا۔ اس کی وسعت کا ذکر کرتے ہوئے عبدالرزاق نے کہا ہے کہ: ''یہ مملکت سراندیپ کی سرحدوں سے لے کر گلبرگہ کی سرحدوں تک اور بنگال سے لے کر مالیبار تک ایک ہزار فرسنگ سے زیادہ بڑے علاقے میں پھیلی ہوئی تھی۔ شمالی مغربی سمت میں 1391ء میں ہی اس کی سرحد گوا کی سرحدوں تک جا پہنچی تھی۔''

وجے نگر کے حکمرانوں نے وسیع سلطنت کی انتظامیہ کی طرف بہت زیادہ توجہ دی۔ بہتر نظم و نسق کے لیے انھوں نے مملکت کو بہت سے صوبوں میں منقسم کر دیا تھا جو عموماً راجیہ (Rajya) کہلاتے تھے۔ کبھی کبھی انھیں منڈل (Mandal) بھی کہا جاتا تھا۔ ہری ہر اول اور بکا کے عہد کے صوبوں کا پتہ اس وقت کے کتبات سے چلتا ہے۔ اس وقت کے کچھ خاص صوبے ادے گیری پینو گوندا، چندر گیری پدائی ویدو تیرو ویدی اور مولووائی وغیرہ تھے۔ مولووائی وجے نگر کا صدر مقام ہوا کرتا تھا۔ اس کا وائسرائے عام طور پر بادشاہ کا بڑا بیٹا ہوا کرتا تھا۔ ان کے علاوہ کچھ دوسرے صوبے آرگا، تولووا وغیرہ تھے۔ ان صوبوں کو اضلاع تعلقوں اور گاؤں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اس تقسیم کا پتہ ہمیں اس وقت کے کتبات سے چلتا ہے۔ مختلف مقاصد کے لیے مختلف تقسیموں کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان میں سے بیشتر کا ذکر بغیر کسی تسلسل اور ترتیب کے ہے۔ یہ سمجھنا مشکل ہے کہ کس خاص نام سے کون سی تقسیم مراد ہے۔ جن تقسیموں کا تذکرہ کتبات میں ملتا ہے وہ یہ ہیں۔ والاناڈو، کوٹم، ٹیک، وسایا، ہزورتی، ونتھے، ناڈو، سمے، کھروتم، استھلم، پرّو، ایمبادین، میلا گرم، کاودی وغیرہ۔

منڈلم   : ابتدا میں یہ چولاؤں کے عہد کی سیاسی تقسیمیں تھیں جو بعد میں بھی اسی نام سے پکاری جاتی رہیں۔ وسعت کے اعتبار سے منڈلم ایک راجیہ کے مقابلے میں، جو مملکت وجے نگر کی باضابطہ تقسیم تھی، سے زیادہ بڑا ہوتا تھا۔ منڈلم کے کے بعد راجیہ آتا ہے جو مملکت وجے نگر کی سب سے بڑی سیاسی تقسیم تھی۔ مملکت کی راجیوں میں تقسیم کسی سائنٹفک اصول پر مبنی نہیں تھی بلکہ اس کا دار و مدار تاریخی واقعات اور مقامی خصوصیات پر تھا۔ کچھ راجیہ رقبہ میں زیادہ بڑے ہوتے تھے۔ اس وجہ سے انہیں مہاراجیہ کہا جاتا تھا۔ چندر گیری، پدائی وید و اور آر گا مہاراجیہ تھے۔ مملکت میں راجیوں کی تعداد وقت اور ضرورت کے حساب سے گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ مملکت کی درجہ وار تقسیم تامل اور کنڑ علاقے میں الگ الگ تھیں۔ تامل علاقوں میں راجیہ اضلاع میں منقسم تھے جنھیں کوٹم کہا جاتا تھا اور بسا اوقات یہ کورم بھی کہلاتے تھے مملکت کے بعض حصوں میں کورم سے اوپر والا ناڈو نام کی ایک اور تقسیم تھی۔ کوٹم کی مزید تقسیم ناڈوؤں میں ہوتی تھی۔ ان نادوؤں کے دیہی علاقہ کو پرو کہا جاتا تھا۔ نادوؤں کو ایمبادین میلا گرام جو پچاس گاؤں کی اکائی ہوتی تھی، میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ اس طرح کی ہر اکائی میں ایک بڑا گاؤں ہوتا تھا۔ اس کے نیچے اگرم یا منگولم ہوتے تھے۔ ان کی حیثیت چھوٹی انتظامی اکائیوں کی تھی۔ ان میں ہر اکائی کے ساتھ چند گاؤں وابستہ ہوتے تھے جو یداگائی کے نام سے معروف تھے۔ کرناٹک کے علاقوں پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں بھی مملکت کی بہت سی ذیلی تقسیمیں تھیں جن کے نئے نئے نام ملتے ہیں۔ تامل علاقے کی طرح کرناٹک علاقے میں بھی بہت سے راجیہ تھے۔ کبھی کبھی انھیں پتھیکاؤں یا تخت شاہی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ دوسری اہم تقسیم ونتھے تھی جو وسایا اور نرورتی کے مختلف ناموں سے مشہور تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تامل علاقے کے کوٹم کی قائم مقام تھی۔ یہ اضلاع شیموں میں منقسم تھے۔ شیمے کی تقسیم استھلوں میں ہوتی تھی۔ استھل چند گاؤں پر مشتمل ہوتا تھا۔ ایک استھل میں کتنے گاؤں ہوتے تھے اس کے لیے کوئی متعین اصول نہ تھا۔ کنڑ علاقہ کے بعض حصوں میں کمپن نام کی ایک تقسیم نے استھل کی جگہ لے لی تھی۔ یہاں صوبے کو اٹھارہ اضلاع یا کمپنوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ استھلوں کو بظاہر پھر نادوؤں یا ولیتاؤں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ بعض مقامات پر مملکت کی تقسیم میں فوجی اور امن عام کی ضرورت کا بھی لحاظ رکھا جاتا تھا۔ یہاں پر ایک مضبوط قلعہ کو ایک ڈویژن کی بنیاد قرار دیا جاتا تھا۔

صوبائی گورنر: مملکت کا وہ حصہ جو براہ راست شاہی حکومت کے ماتحت ہوتا تھا صوبوں میں منقسم ہوتا تھا۔ ان میں سے ہر ایک میں وائسرائے کا تقرر کیا جاتا تھا۔ عموماً شاہی خاندان کے افراد ہی ان صوبوں کے گورنر ہوتے تھے۔ ہری ہر ادل کے زمانے میں آرگا کے صوبہ کا گورنر مارپا تھا جس کا دار السلطنت چندر گتی تھا۔ کمپن اول اودے گیری راجیہ کا گورنر تھا۔ شاہی خاندان کے علاوہ کسی ممتاز اور تجربہ کار افسر جو نیک نامی کے ساتھ اور مرکزی حکومت کے مفاد کے مطابق اس عہدے پر کام کر سکتا ہو کو گورنر کی حیثیت سے بحال کیا جاتا تھا۔ اس طرح کے گورنروں کو عام طور پر دنڈ نایک کہتے تھے۔ دستوری حیثیت اور شاہی محل سے تعلقات کے معاملے میں ان کی حیثیت وہی تھی جو ان شاہزادوں کی تھی جو صوبائی وائسرائے ہوتے تھے۔ صوبوں کے گورنروں کو اپنے حلقہ اختیار میں خود مختاری حاصل تھی۔ ان کی اپنے افسران ہوتے تھے۔ ان کی اپنی عدالتیں ہوتی تھیں۔ وہ اپنی فوج رکھتے تھے اور مرکزی حکومت کی مداخلت کے بغیر حکومت کرتے تھے۔ اگر یہ گورنر شاہی خاندان کے افراد ہوتے تھے تو وہ اپنے خاندانوں کے خطابات اختیار کر لیتے تھے۔ ان میں سے کچھ کے یہاں جانشینی انھیں کے خاندانوں میں موروثی ہوا کرتی تھی۔ ہری ہر ادل کے بھائی کمپن اول کی موت کے بعد جو ادے گیری کا گورنر تھا اس کا بیٹا سینگا مادوم اس کی جگہ پر گورنر بنا۔

گورنروں کی تقرری بادشاہ وزرا کے مشورے کے بعد کرتا تھا۔ تقرریوں کے فرامین پر شاہی مہر ثبت کی جاتی تھی۔ گورنر کی خود اپنی کاؤنسل ہوتی تھی جو بادشاہ کے کاؤنسل کے طرز کی ہوتی تھی۔ یہ کاؤنسل پردھانی، اولائی (سکریٹری) دلوائے یا دنڈنایک، خزانچی، سانتادھیکاری جیسے افراد پر مشتمل ہوتی تھی۔ صوبوں کے گورنروں کو مرکزی حکومت سے آزاد رہ کر خود اپنے سکے چلانے کا حق تھا۔ صوبائی گورنروں کو خود اس بات کا اختیار تھا کہ وہ نجی افراد کو سکے ڈھالنے اور نجی ٹکسال چلانے کا حق دے سکتے تھے۔ گورنروں کو نئے ٹیکس لاگو کرنے، پرانے ٹیکسوں کو معاف کر دینے کا اختیار تھا۔ صوبوں کے بعض گورنر شاہی ملازمت کے چند اہم عہدوں پر فائز ہوتے تھے۔ ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ بادشاہ کے چند وزرا کسی ایک یا دوسرے صوبہ کے گورنر ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر بکا اول کے وزیر مادھو منتری نے جو اس سے قبل مارپا کا وزیر تھا جب کہ وہ کدمبا اور بنواس کا وائسرائے تھا۔ اگرچہ مملکت کے صوبوں کو اندرونی خود مختاری دی جاتی تھی لیکن وجے نگر کے بعد کے دور میں مخصوص کمشنروں کی بحالی کر کے نایکوں کی آزادی پر پابندی لگانے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ کمشنر عام طور پر غیر معمولی صلاحیت کے حامل ہونے کے علاوہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتے تھے۔ یہ زیادر تر شاہی خاندان کے ہی افراد ہوتے تھے۔

5.3.3 مقامی انتظامیہ

پورے جنوبی ہندوستان کی تاریخ میں مختلف شاہی گھرانوں کے عروج اور زوال کے دوران ایک سیاسی ادارہ غیر متاثر رہا وہ ہے مقامی انتظامیہ۔ چولوں اور چالوکیہ عہد کی سبھا اور ناڈو وجے نگر کے عہد میں بھی رائج تھیں۔ یہ پرانے خطوط پر عمل پیرا رہیں اور باضابطہ طور پر اپنے قدیم فرائض انجام دیتی رہیں۔ بعض مقامات پر سبھا یا مہاسبھا کی جماعت کو مہاجن کہا جاتا تھا اگرم پتّور عرف مادھو چترویدی منگلم کی اسمبلی کو مہاجن کہا جاتا تھا۔ ہر چترویدی منگلم (برہمادیہ گاؤں) ایک مرکزی گاؤں پر مشتمل ہوتا تھا جس کے ساتھ بہت سے چھوٹے چھوٹے گاؤں منسلک ہوتے تھے۔ گاؤں بہت سے محلوں میں منقسم ہوتے تھے۔ ہر چترویدی منگلم میں ممبروں کی ایک مخصوص تعداد پر مشتمل ایک اسمبلی ہوتی تھی جن سے امید کی جاتی تھی کہ وہ اعلیٰ معیار کی لیاقت کی حامل ہوں گی۔ دیہی اسمبلیوں کو گاؤں کے نام پر اور گاؤں کی طرف سے زمینوں یا دوسری قسم کی جائدادوں کو فروخت کرنے یا خریدنے کا حق حاصل تھا۔ گاؤں کی اسمبلی ایک مشترکہ جماعت کی حیثیت سے ہی عطیات دیتی تھی۔ دیہاتوں میں مالکان کا اپنی اراضیوں پر قبضہ مشترکہ ہوا کرتا تھا اور وہ اپنی اراضیوں کو مشترکہ طور پر ہی فروخت کر سکتے تھے۔ جن دیہاتوں میں اراضی کا ایک حصہ برادری کی مشترک ملکیت میں ہوتا تھا ان کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ باہر کے لوگوں کو کوئی حق یا حصہ خرید یا عطیہ کے ذریعہ حاصل کرنے کی اجازت نہ تھی۔ برادری اس بات کے لیے کوشاں رہتی تھی کہ کوئی باہری شخص ان اراضیوں کو خرید کر استفادہ نہ کر سکے۔ گاؤں کی سبھا کی ایک اہم ذمہ داری ٹیکسوں کی وصولی تھی۔ شاہی حکومت کو ادا کیے جانے والے ٹیکسوں کی وصولی کی ذمہ داری کبھی کبھی گاؤں کی سبھاؤں یا اُوروں کے سپرد کر دی جاتی تھی۔ ریاستی ٹیکسوں کی وصولی کے لیے حکومت کی نمائندہ ہونے کے علاوہ ان دیہی اسمبلیوں کو نئے ٹیکسوں کی حصولی اور پرانے ٹیکسوں کی معافی کے سلسلے میں چند لازمی اختیارات بھی حاصل تھے۔ ان اسمبلیوں کو بعض عدالتی اختیارات حاصل تھے۔ وہ بعض مقدمات کی سماعت کر سکتی تھی۔ گاؤں کی اسمبلیاں مندر پر بھی بعض اختیارات رکھتی تھیں۔ ان اسمبلیوں کو بعض افراد کو ان کی بعض خدمات کے عوض اعزازات عطا کرنے کا بھی حق حاصل تھا۔ یہ اسمبلیاں بسا اوقات عوامی

اوقاف اور خیرات کی محافظ ہوتی تھیں۔

ٹی وی مہالنگم جیسے اسکالروں کا خیال ہے کہ وجے نگر سلطنت کے عہد میں دیہی تنظیم کی ایک اہم خصوصیت آئیگار نظام تھا۔اس نظام کے مطابق گرام کو ایک آزاد اکائی کی شکل میں منظم کیا جاتا تھا اور دیہی انتظامیہ پر حکومت کرنے کے لیے مرکزی حکومت کے ذریعہ بارہ افراد کو بحال کیا جاتا تھا جنھیں آئیگار کہا جاتا تھا۔ان آئیگاروں کے عہدے موروثی ہوتے تھے اور وہ اپنے عہدوں کو فروخت کر سکتے تھے یا گروی رکھ سکتے تھے۔انھیں تنخواہ کے بدلے لگان یا ٹیکس کی معافی والی زمینیں (مانیہ بھومی) ملی ہوتی تھیں۔اپنے حلقہ اختیار میں امن و امان بحال رکھنا آینگروں کی سب سے بڑی ذمہ داری تھی۔ان دیہی افسران کی جان کاری کے بغیر جائداد کا تبادلہ، زمینی عطیہ، زمینوں کی خرید و فروخت نہیں کی جاسکتی تھی۔ سالیتر جیسے مؤرخین نے وجے نگر میں آئیگار نظام کے رواج پر سوال کھڑے کیے ہیں۔انھوں نے اپنے مطالعے، ''سوشل اینڈ پالٹکل لائف ان وجے نگر امپائر'' میں وجے نگر عہد کے کرناٹک پر مبنی ہے، میں کہا ہے: ''پروا بھیار دے (قدیم آئینی استعمال) پہلے کی طرح وجے نگر کے حکمرانوں کے تحت بھی چلتا رہا۔ برٹن اسٹین کے مطابق ''گرام سیوکوں کے ادارہ آئیگار نے چول عہد کے گاؤں (جو مقامی انتظامیہ کی اکائیاں تھیں) کی جگہ لے لی تھی۔ بارہ آئیگار افسران میں مندرجہ ذیل اہم تھے۔ کرنم/کرنکم (Acountant) جو زمین کے خرید و فروخت کو ضبط تحریر میں لاتے اور اس کے دستاویز تیار کرتے۔ تلپاری/تلارا/تلس سنیا بھووا/سنیتے اوواجو گاؤں کے اکاؤنٹینٹ ہوتے تھے اور آمد و خرچ کا حساب رکھتے تھے۔ میںم/ریڈی/گوڑ گاؤں کا منتظم اور سردار ہوتا تھا۔ انتری مار، گاؤں کی انتظامیہ کا ایک افسر ہوتا تھا۔ بیگرا مزدوروں اور ان کی تنخواہوں اور بے روزگار اشخاص کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ کمہار، لوہار، بڑھئی اور گاؤں کے دوسرے خدمت گار انتظامی امور نہیں دیکھتے تھے لیکن گاؤں کو ضروری خدمات پیش کرتے تھے۔ گاؤں کی آمدنی میں ان کو بھی حصہ دیا جاتا تھا۔آمدنی کے ان حصوں کو امبالی، کوڈاگے اور سروتریا کہا جاتا تھا۔ زرعی پیداوار کی آمدنی کے ان حصوں پر ٹیکس نہیں لگتا تھا بلکہ یہ دوسری خدمات کے لیے ادائیگی کا کام کرتے تھے جو ادائیگی کی اشیا کی شکل میں کی جاتی تھی۔ان کو دنیادے کہا جاتا تھا۔ نقد کی جانے والی ادئیگیوں کو سورندیا، کاسوکادائی کہا جاتا تھا۔

5.4 مالیات کا نظم و نسق (Financial management)

وجے نگر سلطنت کی مالیات کے نظام کے مطالعہ کے اصل مآخذ کتبات ہیں۔ان کے علاوہ غیر ملکی سیاحوں کے بیانات سے مالیات کے نظم و نسق کی جان کاری ملتی ہے۔ سلطنت کے ذرائع آمدنی کو ہم چند مدوں کے تحت رکھ سکتے ہیں۔ لگان، جائداد کا ٹیکس، تجارتی ٹیکس، پیشہ ورانہ ٹیکس، صنعتی ٹیکس، فوجی چندے، سماجی اور فرقہ وارانہ ٹیکس، عدالتی جرمانے اور اسی طرح کے دوسرے محاصل اور آمدنی کے دوسرے متفرق ذرائع تھے جن سے مملکت کو آمدنی حاصل ہوتی تھی۔

لگان ذرائع آمدنی کا اہم ترین ذریعہ تھا۔اس مد میں ترفصلوں پر ٹیکس، خشک فصلوں پر ٹیکس مربوط محاصل وغیرہ شامل تھے۔ حکموت ہر طرح کی ترفصلوں (سبزیوں) پر ٹیکس لگائے جاتے تھے۔اراضی پر ٹیکس لگانے کے وقت بعض باتوں کا لحاظ کیا جاتا تھا مثلاً گاؤں کی نوعیت، ملکیت کی نوعیت، مٹی کی صلاحیت اور پیدا کی جانے والی فصل کی قسم۔ زمین کے کسی خاص قطعے پر ٹیکس لگانے سے قبل حکومت یہ

دیکھتی تھی کہ آیا یہ دیو یہ دان، برہمادیہ ہے یادلوے گراہاہے۔ خشک فصلوں اور کھائی جانے والی سبزیوں (مل بریا) پر بھی ایک ٹیکس وصولی کیا جاتا تھا۔ حکومت کی آمدنی کے بعض وہ ذرائع بھی تھے جو مالکان زمین پر عاید کردہ ٹیکسوں سے مربوط تھے۔ ان میں ایک ٹیکس وہ بھی تھا جو گلہ بانوں سے چرائی کے طور پر وصول کیا جاتا تھا۔ مکانوں اور مکانات کی تعمیر کی جگہ پر واسل نیم نام کا ٹیکس حصول کیا جاتا تھا۔ وجے نگر کی مملکت میں منقولہ اور غیر منقولہ دونوں ہی طرح کی جائدادوں پر ٹیکس لگایا جاتا تھا۔

تجارت اور تجارتی لین دین پر عاید محاصل ریاستی آمدنی کا ایک بڑا حصہ تھے۔ کسٹم اور چنگیاں متعین شرحوں کے مطابق خشکی و تری دونوں ہی طرح کے ذرائع مواصلات پر وصول کی جاتی تھیں۔ رائسن نے محاصل کو تین مختلف عنوانات کے تحت رکھا ہے یعنی استھلادایم، مارگادایم اور مامولادایم وغیرہ۔ پیشوں پر عاید شدہ ٹیکس ریاست کی آمدنی کا معقول حصہ ہوتا تھا۔ یہ ٹیکس کسی بھی شخص پر اس حیثیت سے لگایا جاتا تھا کہ ایک شخص نے کون سا پیشہ اختیار کیا ہے یا کرے گا۔ اس کے تحت مختلف قسم کے دوسرے ان پیشوں کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے جن پر ٹیکس عاید تھے۔ پورک کودی ایک قسم ٹیکس تھا جو کھیت پر کام کرنے والے ملازمین پر لگایا جاتا تھا۔ بہت سارے ایسے ٹیکس تھے جو گاؤں کے سردار، گدڑیوں، بڑھیوئں، دھوبیوں، کمہاروں، ملمع سازوں، تاڑی کشید کرنے والوں، مصوروں، سناروں اور غلاموں پر عاید کیے جاتے تھے۔ مملکت وجے نگر کے عہد میں تمام صنعتوں پر ٹیکس عاید تھے۔ ٹیکس کا تعین صنعت پر ہونے والے منافع کے اندازہ پر کیا جاتا تھا۔ یہ صنعتیں گھریلو صنعتیں ہوا کرتی تھیں۔ کپڑے کی صنعت پر کرگھے کی تعداد کے مطابق ٹیکس حصول کیا جاتا تھا۔ ایک قسم کا اور ٹیکس تھا جو بھٹی کا ٹیکس کہلاتا تھا۔ ہیروں کی صنعت پر بھی ٹیکس عاید تھا۔ مملکت کی فوج اور قلعوں کی رکھوالی کے لیے عوام پر بعض ٹیکس عاید تھے۔ اس طرح کے ٹیکسوں میں دلویلی، دنّائے کسواوایا، دنائے گرسگائی، پدے کا نکائی وغیرہ تھے۔ ایک ٹیکس مفتوحہ ملک کے دفاع کے لیے وصول کیا جاتا تھا۔ تین ٹیکس اور تھے جو عوام سے وصول کیے جاتے تھے۔ ان کے نام ہیں پٹائے کا نکائی، ویل وری اور سول وری۔

کچھ سماجی اور فرقہ وارانہ ٹیکس عوام اور ان کی تنظیموں سے وصول کیے جاتے تھے۔ اس طرح کا ایک ٹیکس ڈومبری پنّو تھا جو ملک میں خانہ بدوش کی زندگی بسر کرنے والے عوام کے ایک فرقہ کی فلاح و بہبود کے لیے وصول کیا جاتا تھا۔ چند دیگر ٹیکس شادی بیاہ جیسی رسمی تقریبوں پر عاید کیے جاتے تھے۔ بعض دیگر ٹیکس (گمائی) مقامی مندروں میں ہونے والے تہواروں پر وصول کیے جاتے تھے۔ ریاستی آمدنی کا ایک حصہ جرمانے تھے۔ یہ جرمانے غلطیوں، ایذارسانی، چوری، زنا اور زیادتی پر عاید کیے جاتے تھے۔ مویشی خانہ کی ایک فیس بھی تھی جو آوارہ مویشیوں پر وصول کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ ڈنڈ کے سلسلے میں بھی خراج وصول کیے جاتے تھے۔ چند مروجہ ادائگیاں تھیں جو سال کے بعض اہم اوقات یا مخصوص مواقع پر ادا کی جاتی تھیں جیسے کتی گائی او سرم، توون کا نکائی، درشن کا نکائی وغیرہ۔ ان کے علاوہ بہت سے مروجہ ٹیکس ہوا کرتے تھے جو عوام سے لیے جاتے تھے۔ یہ مختلف نوعیت کے ہوتے تھے۔ یہ نقد، غلے یا خدمات کی شکل میں طلب کیے جاتے تھے۔ ان میں سے کچھ ٹیکس تھے اُن مارتم، سرر ایم، متفرق ذرائع سے حاصل ہونے والی معمولی آمدنی ترپّو، تیرو، آش پودو وغیرہ۔ مختلف قسم کے ٹیکس نقد اور جنس کی شکل میں حاصل کیے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ خدمات کی شکل میں ٹیکس ادا کیے جاسکتے تھے۔

5.5 فوجی تنظیم (Military Organisation)

کسی بھی سلطنت کے لیے ایک طاقت ور فوج کی ضرورت ناگزیر ہے۔ یہ فوج سلطنت کے دفاع اور وسعت میں بہت مددگار ثابت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وجے نگر کی ایک چھوٹی سی ریاست جو دریائے تنگ بھدار کے کنارے پر قائم کی گئی تھی خود کو پڑوسی مسلم ریاستوں کے حملوں سے بچا سکی اور بعد میں ایک وسیع و عریض مملکت بن گئی۔ تعداد کے اعتبار سے وجے نگر کی فوج بہت بڑی تھی۔ تقریباً تمام غیر ملکی سیاحوں نے وجے نگر کی فوجی طاقت کے بارے میں لکھا ہے جس میں کچھ حد تک مبالغہ ہے اور طاقت کا غلط اندازہ بھی۔ اتنی بات مسلم ہے کہ فوجی طاقت کے لحاظ سے وجے نگر کی سلطنت بہت اہم تھی۔ فرشتہ نے لکھا ہے کہ 1366 میں وجے نگر کی حکومت کے پاس 30,000 گھوڑے 3000 ہزار ہاتھی اور 1,00,000 پیادوں پر مشتمل فوج تھی۔ نیکولودی کونتی جو 1421 میں وجے نگر آیا تھا اس کا اندازہ ہے کہ وجے نگر کی فوج میں 90,000 افراد تھے جو جنگی صلاحیت رکھتے تھے۔ عبدالرزاق جو کونتی کے 21 سال بعد آیا تھا، لکھتا ہے کہ وجے نگر کی فوج گیارہ لاکھ سپاہیوں اور 1000 سے زائد بڑے بڑے ہاتھیوں پر مشتمل تھی۔ نکتین جو 1468 میں ہندوستان آیا تھا اور چھے سال تک گلبرگہ میں مقیم رہا وجے نگر کی فوج کے بارے میں لکھتا ہے کہ فوج 300 ہاتھیوں 1,00,000 پیادوں اور 50,000 گھوڑوں پر مشتمل تھی۔ باربوسا وجے نگر کی فوج کے بارے میں لکھتا ہے کہ بادشاہ ہمیشہ 900 ہاتھیوں اور 20,000 سے زاید گھوڑے ہمیشہ اپنے پاس رکھتا تھا۔ اس کے پاس 1,00,000 سے زاید سوار اور پیادہ دونوں طرح کے سپاہی تھے۔ وجے نگر کے بارے میں پائز لکھتا ہے کہ: ''یہ بادشاہ ہمیشہ 10 لاکھ جنگ جو سپاہی رکھتا ہے جن میں زرہ بکتر سے مسلح 35,000 سوار بھی شامل ہیں۔ بادشاہ کی مستقل فوج کی بھرتی بہت احتیاط کے ساتھ کی جاتی تھی اور نظم و ضبط کی بہت سختی سے پابندی کی جاتی تھی۔ تاہم سپاہیوں کو اس بات کی اجازت تھی کہ وہ خود اپنے ضابطوں کے مطابق زندگی گزار سکیں۔

وجے نگر کی فوج کا ایک بڑا حصہ جاگیرداروں کے ذریعہ فراہم کیے گئے فوجی دستوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ مملکت کے مختلف اضلاع سے فوجیوں کا ایک مخصوص دستہ اور خراج بھیجا جاتا تھا۔ وجے نگر کی فوج میں جاگیرداروں کے ذریعہ مہیا کیے گئے فوجی دستوں کے متعلق نونیز لکھتا ہے کہ ''اس ملک کے بادشاہ جتنے سپاہی اکٹھا کرنا چاہیں، کر سکتے ہیں اس لیے کہ ان کی مملکت میں یہ سپاہی موجود ہیں اور ان کے پاس اتنی دولت ہے جس سے وہ انھیں تنخواہ دے سکتے ہیں۔'' وجے نگر کی فوج عام طور پر تین حصوں یعنی سواروں، ہاتھیوں اور پیادوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ وجے نگر کے آخری دور میں فوج کے ایک حصے کے طور پر توپ خانہ کا رواج عمل میں آیا جس نے فوج کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔ بعض ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ وجے نگر کی فوج چھے حصوں پر مشتمل تھی۔ فوج کا ایک بڑا حصہ پیادہ سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ دوسرا اہم حصہ سواروں کا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وجے نگر کے حکمرانوں کی سوار فوج بہت طاقت ور تھی۔ فوج کے لیے عمدہ قسم کے گھوڑے خریدے جاتے تھے۔ وجے نگر کے بادشاہوں نے ہاتھیوں کو جنگ میں بکثرت استعمال کیا۔ ہاتھیوں پر بندوق اور تیروں سے مسلح زرہ پوش افراد سوار رہتے تھے۔ وجے نگر کی فوج کا ایک اہم حصہ توپ خانہ بھی تھا۔ نیونز کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ وجے نگر کا حکمراں کرشن دیورائے رائچور کی جنگ میں بہت سی توپیں اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

وجے نگر کے عہد میں فوجی محکمے کو کند آچارا کہا جاتا تھا۔ فوجی محکمہ کا سربراہ ایک اعلیٰ افسر ہوتا تھا جسے سیناپتی کہتے تھے۔ اسے دوسرے ناموں یعنی سرو سیناادھیکاری اور دلوائے کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ وہ فوجی محکمہ کی انتظامیہ کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ فوج کے اعلیٰ افسروں سے متعلق نیونز دوکا تذکرہ کرتا ہے۔ ان میں سے ایک محل کے محافظ دستہ کا کمانڈر ہوتا تھا اور دوسرا گھوڑوں کا منتظم اعلیٰ ہوتا تھا۔ سپاہیوں کو عموماً شاہی خزانوں سے تنخواہ دی جاتی تھی۔ تنخواہ کی ادائیگی کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ عبدالرزاق کہتا ہے کہ ''سپاہیوں کو تنخواہیں ہر چار ماہ پر دی جاتی ہیں اور کسی کے پاس صوبوں کے محاصل میں سے دی ہوئی کوئی جاگیر نہیں ہے۔'' پائز کہتا ہے کہ بادشاہ نے اپنے فوج کا معائنہ کیا اور سب کو تنخواہیں دیں اس لیے کہ یہ سال کا آغاز تھا اور ان کے یہاں رواج یہ تھا کہ تنخواہیں سال بہ سال ادا کی جائیں۔ عبدالرزاق اور پائز کے بیانات کی روشنی میں ہم محتاط اندازہ کے طور پر کہہ سکتے ہیں کہ کرشن دیورائے کے زمانہ سے سپاہیوں کو تنخواہ دینے کے طریقے میں ایک تبدیلی عمل میں آئی نیز یہ کہ سالانہ ادائیگی کو سال میں تین ادائیگیوں پر ترجیح دی گئی۔

5.6 محکمہ انصاف (Department of Justice)

ہندوستان میں قوانین مختلف کردار کے حامل تھے۔ یہ مذہب واخلاق کے ساتھ کسی قدر گتھے ہوئے تھے۔ اور ان کے ذرائع زیادہ تر ملک کے مذہبی ادب میں پائے جاتے تھے۔ وید قوانین کے اصل مآخذ ہیں۔ دھرم شاستر جو کہ بڑی حد تک ویدوں پر مبنی ہیں جنھیں منو اور نارد جیسے مقننین نے ہندو معاشرے کی ہدایت کے لیے لکھا تھا۔ پران اور مہابھارت جیسے رزمیات بھی ادب کی اس قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ رسم ورواج قانون کا دوسرا ماخذ تھا۔ ڈنڈیا سزا کے استعمال کی اہمیت کو منو نے بڑے پرزور انداز میں واضح کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ ڈنڈ ہی ہے جو رعایا پر حکمرانی کرتا ہے، تمام لوگوں کی حفاظت کرتا ہے۔ عالموں کے مطابق ڈنڈ بذات خود دھرم ہے۔ وجے نگر کے حکمرانوں نے ڈنڈ کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے سماج میں نظم وضبط برقرار رکھنے کے لیے اس کو ایک لازمی شرط مانا تھا۔ کرشن دیورائے نے اپنی تصنیف آمکتامالیادا میں اس کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ وجے نگر کے بادشاہوں کے مطابق ریاست کا پہلا فرض سماج کا تحفظ اور مملکت کی مختلف ذاتوں اور فرقوں کے درمیان مفادات کی کشمکش کو روکنا تھا۔ اس کا حصول دھرم کے احکامات پر چل کر ہی ممکن تھا۔ وجے نگر کے بعض قوانین کا کچھ خاکہ ہمیں ملتا ہے مثلاً بغاوت قانون، تمادی کا قانون اور وہ قانون جو خدمت کے انعامات سے استفادے سے متعلق تھے۔ بادشاہ کے خلاف بغاوت کو ایک بدترین جرم سمجھا جاتا تھا۔ جماعتوں (سنگھ) اور پوری قوم کے خلاف بغاوت کو اس سے بھی زیادہ نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ لین دین، قرضوں اور دوسرے معاملات سے متعلق قوانین بھی تھے۔ رہن میں رکھی ہوئی زمینِ مرتہن کے نام صرف بارہ سال تک رہ سکتی تھیں۔ خدمت کے انعامات کے طور پر عطا کردہ زمینوں کو ان کے پانے والے نہ تو فروخت کر سکتے تھے اور نہ ہی رہن رکھ سکتے تھے۔ اس قانون کی خلاف ورزی کرنے پر انھیں وہی سزا بھگتنی ہوتی جو بادشاہ یا قوم کے غداروں کو دی جاتی تھی۔ نونیز کے بیان کے مطابق بادشاہ عوامی عدالت میں صرف دس یا گیارہ بجے دن میں آتا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ وجے نگر میں عدالتیں صرف دوپہر میں منعقد کی جاتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقدمات دیوانی بڑی حد تک ثالثی کے ذریعہ طے پاتے ہوں گے۔ اس طرح کے مقدمات فیصلوں کے لیے ہمیں مخصوص قسم کا ججوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ وجے نگر سلطنت میں بادشاہ سب سے بڑا جج ہوتا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان تمام مقدمات کا فیصلہ نہیں کرتا تھا جو اس کی عدالت میں پیش

کیے جاتے تھے بلکہ ایک جج ہوتا جو بادشاہ کی جانب سے فیصلے سناتا تھا۔ عبدالرزاق کے بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ پردھانی ہی چیف جج ہوتا تھا جو بادشاہ کا وزیر تھا اور اپنی عدالت منعقد کرتا تھا۔ بعض اسکالروں کا کہنا ہے کہ ہر گاؤں میں دو جج ہوا کرتے تھے جن کی وہاں کے رہنے والوں میں بڑی عزت تھی۔ دارالسلطنت کی عدالت کے طرز پر ہی جہاں بادشاہ خود عدل وانصاف کرتے تھے مملکت میں مختلف درجوں کی ماتحت عدالتیں قائم تھیں جہاں سے عوامی کا نفاذ کیا جاتا تھا۔ صوبائی عدالتوں کی صدارت بادشاہ کے نمائندے یا گورنر کرتے تھے جو بادشاہ کے نام پر مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔ ان باضابطہ عدالتوں کے علاوہ مملکت کے دور افتادہ مقامات میں چند عوامی عدالتیں بھی تھیں۔ گاؤں کی اسمبلیوں، مندر کے معتمدین، ذاتوں کے سرداروں کی خود اپنی عدالتیں تھیں۔ مقامی عدالتیں ہی مقامی نوعیت کے مقدمات کا فیصلہ کرتی تھیں۔

سزائیں: وجے نگر کے بادشاہوں کے زمانے میں تعزیرات کے عام قوانین بڑے سخت تھے۔ نونیز لکھتا ہے کہ معمولی قسم کی چوری پر بھی چور کا ایک ہاتھ اور ایک پیر کاٹ دیا جاتا تھا۔ بڑی چوری کرنے پر پھانسی دی جاتی تھی۔ کسی دوشیزہ کی عصمت دری کے معاملے میں بھی یہی سزا دی جاتی تھی۔ غداری کے معاملے میں مجرم کے پیٹ میں لکڑی کی میخیں ٹھونک کر ان کو ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ قتل کے جرم میں قاتل کو سر بازار قتل کرنے کا حکم تھا۔ بادشاہ کسی شخص کو سزا کے طور پر ہاتھیوں کے سامنے ڈلوا دیتا تھا جو اس کو کچل کر مار ڈالتے تھے۔

5.7 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

سلطنت وجے نگر نے ایک مضبوط اور پائدار انتظامیہ کی تشکیل کی تھی جس کی وجہ سے اس نے ایک بڑے علاقے کے نظم ونسق کو سنبھال رکھا تھا۔ وجے نگر کی حکومت میں حکومت کا سربراہ بادشاہ ہوتا تھا۔ بادشاہت موروثی ہوتی تھی۔ بادشاہ کے انتخاب میں وزرا کو بھی کچھ دخل حاصل تھا اور وہ اس کی تاج پوشی میں اہم کردار ادا کرتے تھے۔ بادشاہ کے بعد یوراج یعنی شہزادہ کا عہدہ ہوتا تھا جو عام طور پر راجا کا بڑا بیٹا ہوتا تھا۔ بیٹا نہ ہونے کی صورت میں خاندان کے کسی لائق ترین شخص کو یوراج بنایا جاسکتا تھا۔ وارث کے انتخاب کے سلسلے میں سلطنت کے نمایاں اشخاص کو بھی اپنی رائے دینے کا حق حاصل تھا۔ بادشاہ کو ریاستی معاملات میں مشورہ دینے کے لیے وزرا کی ایک کونسل (منتری پریشد)ہوتی تھی۔ یہ ایک مستقل کونسل ہوتی تھی جو بادشاہ کی پالیسیوں پر اثر انداز ہوتی تھی۔ منتری پریشد کا صدر سبھانایک ہوتا تھا۔ منتری پریشد میں دو قسم کے مشیر ہوتے تھے اول وزیر اعظم اور مختلف شعبہ جات کے سربراہ دوئم بادشاہ کے چند رشتہ دار۔ وزیروں کے عہدوں کی میعاد متعین نہیں تھی۔ جب تک بادشاہ کا اعتماد حاصل رہتا تھا وہ اپنے عہدے پر قائم رہ سکتے تھے۔ سلطنت کے نظم ونسق کو دیکھنے کے لیے ایک مرکزی سکریٹریٹ ہوتا تھا جس میں مختلف دفاتر ہوتے تھے۔ سکریٹریٹ میں مختلف شعبوں کا بٹوارہ ہوتا تھا۔ بادشاہ کے دفتر میں افسران کی ایک بڑی تعداد ہوتی تھی جن میں سے ہر ایک کو محل کا کوئی کام سپرد کیا جاتا تھا۔ ان میں سب سے اہم سرونایک تھا۔ محل کے دوسرے اہم افسران مدرے، اجنادھارک اور واسل وغیرہ ہوتے تھے۔ وجے نگر سلطنت مختلف صوبوں میں منقسم تھی۔ انھیں عموماً راجیہ کہا جاتا تھا۔ کہیں کہیں انھیں منڈل بھی کہا جاتا تھا۔ ویسے منڈلم راجیہ کے مقابلے میں رقبے میں بڑے ہوتے تھے۔ مملکت کی درجہ وار تقسیم تامل اور کرناٹک علاقے میں الگ الگ تھیں۔ مملکت کا وہ حصہ جو براہِ راست شاہی حکومت کے ماتحت ہوتا تھا، صوبوں میں منقسم ہوتا تھا۔ عموماً شاہی خاندان کے افراد ہی

ان کے گورنر ہوتے تھے۔ سلطنت کی مزید تقسیم مقامی اور دیہی انتظامیہ کے طور پر ہوتی تھی۔ یہ سبھا اور ناڈو کہلاتی تھی۔ وہی تنظیم کی اہم خصوصیت آئیگار نظام تھا۔ اس نظام کے تحت گرام کو ایک آزاد اکائی کی شکل میں منظم کیا جاتا تھا۔ وجے نگر سلطنت میں مالیات کے ذرائع میں لگان آمدنی کا اہم ترین ذریعہ تھا۔ اس مد میں مختلف قسم کی زمینوں پر ٹیکس عاید کیے جاتے تھے۔ جائداد ٹیکس، تجارتی ٹیکس، صنعتی ٹیکس، پیشہ وارنہ ٹیکس آمدنی کے دوسرے ذرائع تھے۔ وجے نگر سلطنت میں ایک بہت بڑی فوج ہوتی تھی جو پیادوں، گھوڑ سواروں اور ہاتھیوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ بادشاہ کی اپنی مستقل فوج کے علاوہ فوج کا بڑا حصہ جاگیرداروں کے ذریعہ فراہم کردہ فوجی دستوں پر مشتمل ہوتا تھا۔

5.8 کلیدی الفاظ (Keywords)

آمکت مالیدا	:	سولہویں صدی کے آغاز میں لکھی گئی ایک مہاکاویہ نظم ہے جو وجے نگر کے حکمراں کرشن دیورائے کی تخلیق ہے۔
ہندوسرتان	:	سنسکرت لفظ جس کا مطلب ہے، دیوتاؤں کا محافظ
پٹا بھیشکم	:	تاج پوشی
منڈلم	:	علاقہ
برہمادیہ	:	ایسے گاؤں جو برہمنوں کو دان کیے گئے تھے۔
دلوے گرایا	:	مندروں کو دی گئی زمینیں
مانولادایم	:	Transit Duties/ راہداری ٹیکس

5.9 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

5.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. آمکت مالیدا کس کی تصنیف ہے؟
2. کوئی دو القاب بتایئے جو وجے نگر کے بادشاہ اختیار کرتے تھے۔
3. منتری پریشد کے صدر کو کیا کہا جاتا تھا؟
4. وجے نگر انتظامیہ میں دنڈ نایک کی کیا ذمہ داری تھی؟
5. بادشاہ کی ذات سے منسلک دفتر کے سربراہ کو کیا کہا جاتا تھا؟
6. وجے نگر سلطنت میں کچھ صوبے رقبہ میں بڑے ہوتے تھے۔ انھیں کیا کہا جاتا تھا؟
7. سبھا یا مہاسبھا کی جماعت کا کیا نام تھا؟
8. وجے نگر کی مقامی انتظامیہ میں انتری مارکس طرح کا افسر ہوتا تھا؟

9. وجے نگر حکومت میں وصول کیا جانے والا ایک ٹیکس 'دومبر رپنو' کہلاتا تھا۔ یہ کس طرح کا ٹیکس تھا؟
10. ٹیکولودی کونتی نے وجے نگر سلطنت کی فوج کی تعداد کتنی بتائی ہے؟

5.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. وجے نگر کی انتظامیہ میں مرکزی سکریٹریٹ کے کردار پر روشنی ڈالیے۔
2. وجے نگر کی صوبائی انتظامیہ میں صوبائی گورنر پر ایک نوٹ لکھئے۔
3. وجے نگر انتظامیہ میں مالیات کے نظم ونسق پر ایک مختصر مضمون لکھئے۔
4. وجے نگر کی فوجی تنظیم کیسی تھی؟ بتایئے۔
5. وجے نگر انتظامیہ میں محکمہ انصاف پر ایک مختصر نوٹ لکھئے۔

5.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. سلطنت وجے نگر کی مرکزی حکومت پر ایک مضمون لکھئے۔
2. وجے نگر کی صوبائی حکومت پر ایک نوٹ لکھئے۔
3. وجے نگر کی مقامی انتظامیہ پر روشنی ڈالیے۔
4. وجے نگر کے مالیات کے نظم ونسق سے اپنی واقفیت کا اظہار کیجئے۔

5.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Asian Educational Services, *The Vijayanagar Empire*: *Chronicles of Paes and Nuniz*, Asian Educational Services, New Delhi, 1991.
2. Filliozat, Vasundhara ed., *Vijayanagar as seen by Dorningos Paes and Fernao Nuniz (16 Century Portuguese Chroniclers) and Others*, National Book Trust, India, 2015 (first pub. in 1977).
3. Mahalingam, T.V., *Administration and Social Life under Vijayanagara*, Madras, 1940.
4. Nilakanta Sastri, K.A., *A History of South India*: *From Prehistoric Times to the Fall of Vijayanagar*, Oxford University Press, New Delhi, 1997 (first pub. in 1955).
5. Nilkantha Shastri, K.A., and N. Venkata Ramanayya, *Further Sources of Vijayanagara History*, Madras, 1946.
6. Pillai, Manu S., *Rebel Sultans*: *The Deccan from Khilji to Shivaji*, Juggernaut, New Delhi, 2018.
7. Ramakrishna, V. et al eds., *History of Telangana*, Andhra Pradesh History Congress in association with Potti Sreeramulu Telugu University, EMESCO Books, Hyderabad, 2016.
8. Reddy, Srinivas, *Raya*: *Krishnadevaraya of Vijayanagara*, Juggernaut, New Delhi, 2020.
9. Ritti, Shrinivas and Y. Subbarayalu eds., *Vijayanagara and Krishnadevaraya*, Indian Council of Historical Research, Southern Regional Centre, Bangalore, 2010.
10. Sewell, Robert, *A Forgotten Empire (Vijayanagar)*: *A Contribution to the History of India*, Asian Educational Services, New Delhi, 2000 (first pub. in 1900).

11. Sherwani, H.K. ed., *History of Medieval Deccan* (*1295–1724*), Two Vols., The Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 1973.
12. Stein, Burton, The New Cambridge History of India: Vijayanagara, Cambridge University Press, New Delhi, 1990.
13. Verghese, Anila and Anna L. Dallapiccola eds., *South India under Vijayanagara*: *Art and Archaeology*, Oxford University Press, New Delhi, 2011.
14. Yazdani, G. ed., *The Early History of the Deccan*, *Parts VII – XI*, Department of Archaeology and Museums, Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 2013 (first pub. in 1960).

اکائی 6۔ ریاست کی نوعیت

(Nature of State)

اکائی کے اجزا

6.0		تمہید
6.1		مقاصد
6.2		مآخذ
6.3		وجے نگر ریاست کی نوعیت
	6.3.1	عسکری کردار کی ریاست کا نظریہ
	6.3.2	ٹکڑوں یا علاقوں میں منقسم ریاست
	6.3.3	جاگیر دارانہ ساخت کا نظریہ
6.4		اکتسابی نتائج
6.5		کلیدی الفاظ
6.6		نمونہ امتحانی سوالات
	6.6.1	معروضی جوابات کے حامل سوالات
	6.6.2	مختصر جوابات کے حامل سوالات
	6.6.3	طویل جوابات کے حامل سوالات
6.7		تجویز کردہ اکتسابی مواد

6.0 تمہید (Introduction)

سلطنت وجے نگر جس کا قیام 1336 میں عمل میں آیا کی تاریخ تین سے بھی زاید صدیوں پر محیط ہے۔ یہ سلطنت ہندو تہذیب کی نئی زندگی کے لیے توجہ کا مرکز بنی۔ اس نے بہت کامیابی کے ساتھ پڑوسی سلطنت کے حملوں سے اپنے علاقے کو محفوظ رکھا۔ مزید یہ کہ اس نے جنوبی ہند کو غیر ملکی تسلط میں نہیں آنے دیا۔ پورے جنوبی ہندوستان پر سلطنت وجے نگر کی توسیع سے جزیرہ نما کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ تک عوام کی نقل مکانی ہوئی۔ مغربی مبلغوں کی سرپرستی ہوئی۔ اس نے جنوب کے برہمنوں کی ایک بڑی تعداد کو اپنی طرف مائل کیا۔ وجے نگر کے حکمرانوں نے سنسکرت اور تیلگو ادب کی سرپرستی کی۔ آرٹ اور فن کے میدان میں بھی وجے نگر نے اہم کارنامے انجام دیے۔ فوجی اہمیت کے متعدد قلعے، بڑے بڑے محل، وسیع اور عریض مندر اور بلند و بالا مینار تعمیر کیے۔ یہ نہ صرف جسامت کے اعتبار سے اہم تھے بلکہ تفصیل آرائش، نقاشی اور مصوری کے لحاظ سے بھی اہم تھے۔ وجے نگر کی سلطنت کی انتظامی اور سماجی تاریخ بھی بہت اہم ہے۔ وجے نگر کی تاریخ کے مطالعے میں یہ نکتہ اہم ہے کہ سلطنت کی نوعیت کیا تھی۔ سلطنت کی نوعیت سے متعلق مؤرخین کی رائیں ایک جیسی نہیں ہیں۔ مختلف مؤرخین نے الگ الگ رائیں پیش کی ہیں۔ کسی نے ریاست کے نظام میں جاگیر دارانہ خدوخال دیکھے ہیں تو کسی نے اس کو ٹکڑوں میں منقسم ریاست (Segmentary State) بتایا ہے۔ کچھ اسکالرز کا خیال ہے کہ وجے نگر سلطنت ایک عسکری ریاست (War State) تھی۔ اس اکائی میں ہم لوگ اس بات کا مطالعہ کریں گے کہ وجے نگر سلطنت کی نوعیت کیا تھی۔

6.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- مختلف اسکالرز نے ریاست کی نوعیت کے بارے میں کہا ہے کہ۔
- برٹن اسٹین جنہوں نے اسے ٹکڑوں میں منقسم ریاست کہا ہے ان کی رائے کہاں تک درست ہے۔
- مرشنا سوامی اِینگر، سبارایلو اور دوسرے مؤرخین جو جاگیر دارانہ عناصر کی باتکرتے ہیں، کے خیالات کا مطالعہ کیا جائے گا۔
- نیل کنٹھ شاستری اور دوسرے مؤرخین نے اسے عسکری ریاست بتایا ہے۔ ان کی آرا کا جائزہ لیا جائے گا۔ (Sources)؟

6.2 مآخذ (Sources)

ہم عصر ہندوستانی تصانیف، غیر ملکی سیاحوں کے بیانات، کتبے وغیرہ

6.3 وجے نگر ریاست کی نوعیت (Nature of the Vijayanagara State)

6.3.1 عسکری کردار کی ریاست کا نظریہ

وجے نگر کی سیاست اور انتظامیہ کو دیکھتے ہوئے نیل کنٹھ شاستری کا خیال ہے کہ وجے نگر ریاست ایک عسکری ریاست تھی۔ وہ

وجے نگر کو بنیادی طور پر ایک ہندو ریاست مانتے ہیں۔ان کے مطابق وجے نگر سلطنت بہمنی سلطنت اور اس کے جانشین ریاستوں کے مسلم حکمرانوں کے خلاف وجود میں آئی جس نے فکری کردار نبھاتے ہوئے عسکری نوعیت اختیار کرلی۔ نیل گھ شاستری نے اپنی یہ رائے وجے نگر کے حکمراں کرشن دیورائے کے ذریعہ پیش کردہ اس خیال کی بنیاد پر دیا ہے کہ "ریاست کی آمدنی کو چار حصوں میں تقسیم کردی جانی چاہیے۔ ایک حصہ مختلف کاموں کے لیے،دو حصے جنگ کے لیے اور بقیہ ایک حصہ ہنگامی حالات کے لیے رکھنا چاہیے۔"وہ "امرم" نظام پر زور دیتے ہیں جس کے ذریعہ اس کو ادگی گراہی یعنی "نایک" جسے ایک حصہ دیا جاتا تھا، کو بدلے میں ایک متعین تعداد میں فوجی، گھوڑے اور ہاتھی شہنشاہ کی خدمت کے لیے تیار رکھنے پڑتے تھے اور اس کا وفادار رہنے کے لیے حلف لیناپڑتا تھا۔ حکومت کی آمدنی اور فوجیوں کی تنخواہ کے سلسلے میں پرتگالی تاریخ نویس پایز لکھتا ہے کہ "یہ سردار جنہیں بادشاہ نے فوجیوں پر متعین کررکھا ہے اس کی مملکت کے امرا ہیں۔۔۔۔۔۔ان میں سے ایسے سردار ہیں جن کے محاصل کی مقدار دس لاکھ اور پندرہ لاکھ پرداؤ ہے،بعضوں کی ایک لاکھ پرداؤ، نیز چند دیگر کی دو لاکھ، تین لاکھ یا پانچ لاکھ پرداؤ ہے۔۔۔ان فوجیوں کی کفالت کے علاوہ ہر سردار بادشاہ کو ایک سالانہ رقم بھی دیتا ہے۔وجے نگر کے بادشاہوں کی آمدنیوں کے متعلق بھی اسی طرح کے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔وہ بادشاہ کے چند ایسے افسران کا ذکر کرتا ہے جو نہ صرف چند عسکری فرائض ہی کے حامل نہ تھے بلکہ ان پر چند مالی ذمہ داریاں بھی عاید تھیں۔

ستیش چندر کے مطابق وجے نگر صرف ان معنوں میں ایک عسکری ریاست تھی کہ عہد وسطیٰ کی سبھی ریاستوں کی طرح اس کو بھی جنگ کے لیے ہمیشہ تیار رہنا پڑتا تھا۔اپنے مسلم حریفوں کے ساتھ مقابلے میں وجے نگر کے حکمرانوں کو جو کامیابی ملی اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ انہوں نے نہ صرف اپنے مسلم حریفوں کے اس طریقے کو اپنایا جس میں گھوڑ سواروں کا اہم کردار ہوتا تھا بلکہ اپنی فوج میں گھوڑ سوار مسلم تیراندازوں کو بھی بحال کیا۔وجے نگر حکمراں ایک عظیم مستقل فوج بھی رکھتے تھے جسے نقد تنخواہ دی جاتی تھی۔اس طرح روایتی نوعیت کے ساتھ ساتھ کچھ فوج بھی رکھتے تھے، جسے نقد تنخواہ دی جاتی تھی۔اس طرح روایتی نوعیت کے ساتھ ساتھ کچھ مخصوص خصوصیات کو بھی شامل کیا گیا۔کچھ اسکالر وجے نگر ریاست کو نیم مقتدر فوجی اور علاقائی رہ نماؤں یعنی نایکوں کی ایک ڈھیلی ڈھالی جماعت یا دلی سلطنت کی طرح مرکزی کنٹول والی ریاست کہتے ہیں۔ مگر ستیش چندر کے مطابق یہ حقیقت ذہن نشین رہے کہ "امرام" کو ترکوں کے "اقطاع" نظام کے مساوی نہیں سمجھنا چاہیے۔اس اختیار کے حامل افراد یعنی نایک اپنے شہنشاہ کے سابقہ غلام نہیں تھے جس کی خدمات میں انہوں نے ترقی عطا کی ہو اور نہ ہی حکمراں اپنی خواہش سے انہیں اقطاع داروں کی طرح تبادلہ کرنے یا ہٹانے کی طاقت رکھتا تھا۔نایک حضرات بذات خود علاقائی خطے کے موروثی مالک تھے۔دومنگو پایس اور چند اسکالر وجے نگر کو عسکری جاگیرداری کی شکل میں متعارف کراتے ہیں۔

6.3.2 ٹکڑوں یا علاقوں میں منقسم ریاست

برٹن اسٹین نے وجے نگر ریاست میں جاگیردارانہ سیاست کے نظام سے اختلاف کیا ہے۔اس کے برخلاف انہوں نے علاقائی ریاستوں کے نظام کا نظریہ پیش کیا ہے۔اسٹین کے مطابق وجے نگر ایک عسکری ریاست تھی جس میں نیم موروثی اور نیم مطلق العنان حکمرانوں کا زور تھا۔اسٹین کے مطابق وجے نگر ریاست میں مرکز کی مکمل خود مختاری کے ساتھ علاقائی رسمی اور علاقائی خود مختاری باقی تھی۔ یہ

رسمی اور علامتی خود مختاری نایکوں اور برہمن کمانڈروں کے ہاتھ میں تھی۔اس طرح مرکزی اقتدار کے ساتھ صوبائی اور علاقائی اقتدار قایم تھا۔ماتحت طاقتوں کا مرکز کے ساتھ اہرام(Pyramid) کی شکل میں رشتہ قایم تھا۔اس تعلق کا انحصار اس بات پر تھا کہ وہ مرکز سے کتنی دور ہے۔کوئی بھی علاقائی طاقت مرکز سے جتنی دور ہوتی اس کا رشتہ اتنا کمزور ہوتا ہے۔اسٹین کے مطابق وجے نگر سلطنت میں بادشاہت موروثی تھی۔اس نے چول دور کی بادشاہت سے موازنہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس عہد میں بادشاہ کے اختیارات اور کردار میں بہت زیادہ اضافہ ہوا تھا۔چول بادشاہ کے برعکس وجے نگر کے باشاہوں نے بلند بانگ القاب نہیں اپنائے۔نیل کنٹھ شاستری،ایشوری پرساد اور ونسنٹ اسمتھ جیسے اسکالرز کا کہنا ہے کہ وجے نگر کا رائے مطلق العنان تھا۔مہالنگم کا کہنا ہے کہ وجے نگر میں پدرانہ بادشاہت تھی جس کی خصوصیات میں لوگوں کی فلاح وبہبود شامل تھی۔دوسرے علماء کا کہا ہے کہ بادشاہ نے مطلق طاقت کا استعمال نہیں کیا۔ان کا خیال ہے کہ رائے کی طاقت پر کچھ اہم اداروں کا کنٹرول تھا جن میں ایک وزراء کی کاؤنسل تھی۔کاؤنسل کا ادارہ چول دور میں ابتدائی مرحلے میں تھا لیکن اب ترقی کر کے اہم ادارہ بن چکا تھا۔رواج اور روایات نے بھی وجے نگر کے رائے کے اختیارات کو محدود کیا۔دھرم اور شاہی فرائض کے بارے میں بھی بادشاہ کے بلند تصورات تھے۔قوانین کا ذریعہ وید،اسمرتیاں اور دھرم شاستر تھے۔بادشاہ نے اقتدار کے خداداد ہونے کا دعویٰ کیا۔یہ دعویٰ مطلق العنان نہیں تھا بلکہ اس کے پیچھے یہ تصور کارفرما تھا کہ بادشاہ زمین پر خدا کا نمائندہ ہے جو کہ انصاف کے ساتھ لوگوں پر حکمرانی کرنے کے لیے آیا ہے۔کرشن دیورائے لکھتا ہے کہ منو،اور دیگر لوگ رعایا کی خطاؤں کی تفتیش اور ان کو سزا دینے کی بنا پر ہی دھرم کے پیروکار کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔اس کے علاوہ بادشاہ پر دوسری پابندیاں بھی تھیں۔ان میں ایک تو خود "منظم قوم" ہی تھی۔مختلف دستکار جو اٹھانوے فرقوں پر مشتمل تھے،ہر ایک کی باقاعدہ تنظیم تھی۔وہ اپنے لیے قانون خود وضع کرتی تھیں۔ان کے عمل میں ریاست مداخلت نہیں کرتی تھی۔یہی نہیں ایک دوسری چیز بھی تھی جو شاہی اختیارات پر پابندی عاید کرتی تھی،وہ رائے عامہ تھی۔مقامی اداروں نے بھی بادشاہ کی طاقت پر کنٹرول کرنے میں اہم کردار نبھایا۔مرکزیت پر زور دینے والے اسکالرز مثلاً شاستری اور مہالنگم کہتے ہیں کہ وجے نگر کی سیاست ایک مرکزی حکومت تھی جس میں نائک اور صوبائی گورنروں پر بادشاہ کا کنٹرول تھا۔ریاست کی مرکزی نوعیت پر مہالنگم نے زیادہ زور دیا ہے۔نیل کنٹھ شاستری کا خیال ہے کہ ریاست میں ایک مرکزی نوکر شاہی(Central bureaucracy) کا نظام تھا۔ان کا یہ نظریہ غیر ملکی سیاحوں کے بیانات پر مبنی ہے۔برٹن اسٹین نایکوں کو طاقت ور مرکز والی حکومت کے ایجنٹ کے طور پر نہیں مانتے اور اس طرح دومنگو یایس اور نیونز کے خیالات کی نفی کرتے ہیں۔مرکزیت کے نظریے پر تنقید کرتے ہوئے برٹن اسٹین نے اس کو مکمل طور پر مسترد کر دیا۔انہوں نے کہا کہ وجے نگر ریاست چولوں یا بانڈیہ ریاستوں کی طرح مرکزی نوکر شاہی ریاست نہیں تھی اور انہوں نے یہ بتایا کہ یہ ٹکڑوں یا علاقوں میں منقسم ریاست تھی۔اسٹین نے یہ نظریہ ساؤتھ ہال کے انتھروپولوجکل اسٹڈیز سے اخذ کیا ہے۔اس برح کی ریاست میں رسمی اقتدار اور سیاسی اقتدار آپس میں متصادم نہیں ہوتے۔رسمی اقتدار وسیر ترکیلے اور بدلتے حاشیے پر مشتمل ہوتا ہے جب کہ سیاسی اقتدار مرکز میں خاص علاقے میں محدود ہوتا ہے۔اسٹین کا یہ نظریہ بہت زیادہ تنقید کی زد میں آیا۔ایک تنقید تو یہ تھی کہ یہ محض ایک تصوراتی ماڈل ہے۔یہ نظریہ کہیں سے ادھار لیا گیا ہے اور اس کا اطلاق وجے نگر کی ریاست پر نہیں ہو سکتا۔دوسرے یہ کہ یہ کہنا غلط ہے کہ بادشاہ صرف رسمی اختیار استعمال کیا۔حقیقت یہ ہے کہ چولوں کے عہد سے ہی بادشاہ کی طاقت میں بہت زیادہ اضافہ ہوا تھا۔ریاست اور بادشاہ کے دائرہ کار میں بھی

وسعت تھی۔

6.3.3 جاگیر دارانہ ساخت کا نظریہ

نظام جاگیر داری کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ "زمین پر حق ملکیت کی وساطت سے سماج کی ایک مکمل تنظیم جس میں بادشاہ سے لے کر ایک معمولی زمیندار خدمت اور تحفظ کے معاہدہ کے تحت ایک ساتھ بندھا ہوتا ہے۔ آقا کو اپنے جاگیر داروں کی حفاظت اور جاگیر داروں کو اپنے آقا کی خدمت کرنی ہوتی ہے۔ کچھ اسکالرز نے جاگیر دارانہ ساخت کے پس منظر میں وجے نگر ریاست کے کردار کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا استدلال ہے کہ برہمنوں کو تازہ زمین گرانٹ دینے کا رواج اہم عنصر تھا جو جاگیر دار طبقات کے عروج کا سبب بنا۔ اس طرح کی بڑھتی ہوئی زمینی گرانٹس نے برہمنوں کے رتبے میں اضافہ کیا۔ اس کے نتیجے میں انہوں نے بڑے پیمانے پر خود مختاری کا لطف اٹھایا۔ انہوں نے انتظامی اختیارات حاصل کیے اور اپنے دائرہ اختیار کے اندر آمدنی کے وسائل پر کنٹرول کیا۔ ان اسکالرز کا مزید کہنا ہے کہ چوں کہ وجے نگر کے حکمرانوں نے دھرم کے تحفظ کا بیڑہ اٹھایا تھا اس لیے اس کی وجہ سے نئے برہمن علاقے وجود میں آئے۔ مآخذ کے مطالعے سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ وجے نگر کے حکمراں برہمنوں کی بہت زیادہ عزت کرتے تھے۔ عبد الرزاق بتاتا ہے کہ دیورائے دوم دوسرے لوگوں کی بہ نسبت برہمنوں کی بڑی عزت کرتا تھا۔ پائز کا بھی کہنا ہے کہ کرشن دیورائے برہمنوں کی بہت قدر کرتا تھا اور انہیں بہت عزیز رکھتا تھا۔ سلطنت کی تاریخ میں بہت ساری مثالیں مل جاتی ہیں جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ برہمنوں کو بڑی جاگیریں عطا کی جاتی تھیں۔ وہ فعال سیاست داں، منتظمین اور جنرل بھی ہوتے تھے۔

سلطنت میں وسعت کے لیے فوج کو تامل خطے میں پھیلانے کی ضرورت تھی جس کی وجہ سے امر ناتکوں (جنگجوؤں) اور دیگر اعلیٰ حکام کے زیر کنٹرول جاگیر دارانہ علاقے کو بڑھاوا دیا۔ جس طرح دلی سلطنت کا صوبائی نظام اقطاع کے نظام پر ٹکا ہوا تھا اسی طرح وجے نگر کے عہد میں "نانیکر نظام" صوبائی نظم کا حصہ تھا۔ چول عہد اور وجے نگر عہد کے نظام میں سب سے بڑا فرق اسی نظام کا تھا۔ وجے نگر کے عہد میں اس نظام کو مستحکم کرنے کا سہرا کرشن دیورائے کے سر جاتا ہے۔ بعض مؤرخین کے مطابق نایک دراصل ایسے عہدیدار تھے جنہیں زمینی جاگیر ملی ہوئی تھی اور وہ فوجی سربراہ ہوتے تھے۔ راجا نہیں نظم و نسق کی نگرانی اور دستخط کے عوض میں ایک مخصوص قطعہ زمین دیا کرتا تھا جنہیں امرم یا نایکٹنم کہا جاتا تھا۔ امرم کی زمین استعمال کرنے کی وجہ سے ان نایکوں کو امر نایک بھی کہا جاتا تھا۔ نایک ایک طرح سے کسانوں اور بادشاہوں کے درمیان کڑی کا کام کرتے تھے۔ اس عہد کے کتبوں میں مختلف قسم کے نایکوں کا ذکر ملتا ہے جیسے دنّایک (فوجی افسر) دوگ دنّایک (قلعے پر مامور فوجی افسر) اور امر نایک وغیرہ فوجی اعتبار سے اہم قلعوں کے عہدیدار برہمن کمانڈر ہوا کرتے تھے۔ کاراشیما اور سبّا رایلو نے تامل کتبوں کے مطالعے کے بعد نانیکر نظام کا زیادہ مدلل نقشہ پیش کیا۔ پرتگالی سیاح کے مطابق وجے نگر سلطنت میں 200 نایک تھے۔ کاراشیما تامل ناڈو علاقے میں سب سے زیادہ (تین سو سے زاید) نایکوں کا ذکر کرتے ہیں۔ تامل علاقے کی بیش ترین زمینیں 'امرم' (نایکٹّم) کی شکل میں نایکوں کے درمیان تقسیم کر دی گئی تھی۔

امر نایکوں کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ موروثی زمین کے مالک تھے۔ وہ بادشاہ کو خراج پیش کرتے تھے اور شمالی ہندوستان کے سامنتوں (جاگیرداروں) کی طرح فوجی خدمات پیش کرتے تھے۔ اس نظام میں یہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے کہ جاگیرداروں نے بدلے میں اپنے ماتحتوں کو زمینیں جاگیر کی شکل میں دینی شروع کر دیں۔ اس طرح بعد کے زمانے میں ذیلی تصادم کے واقعات پیش آئے۔ جاگیروں کے اس طرح کے عطیات میں اس لیے بھی اضافہ ہوا کہ وسیع سلطنت کے دور افتادہ علاقے میں نقل و حمل کے ذرائع کی کمی تھی اور مواصلات کے مناسب وسائل نہیں تھے۔ ایسی صورت میں حکمرانوں کے لیے یہ ضروری ہو گیا کہ ان جاگیروں کو اقتدار سونپ دیں۔ فتح اور استحکام کے عمل میں متعصب سرداروں کو زیر کیا گیا اور ان کے علاقے نئے سرداروں میں تقسیم کر دئے۔ سولہویں صدی کے نایکوں نے جاگیردار امراء کی خصوصیات کا اظہار کیا ہے۔ یہ جاگیردارانہ رشتہ نہ صرف بادشاہ اور نایکوں کے درمیان ہوتا تھا بلکہ برتر اور کم درجہ کے نایکوں کے درمیان بھی ہوتا تھا۔ سب سے نچلی سطح پر یہ جاگیردارانہ درجہ بندی گاؤں کے بڑے زمینداروں تک پہنچتی تھی۔ نایک وہ امراء ورؤسا تھے جن کے پاس بڑے بڑے قطعات اراضی ہوتے تھے۔ نائیکر نظام کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ نہ صرف زمینی نظام سے جڑا ہوا تھا بلکہ مرکزیت کو تقویت دینے کا اہم آلہ کار تھا۔ یہ سیاسی اور فوجی نظام تھا جس میں مرکزیت کو اقلیت دی جاتی تھی۔ پورے نظام پر غور کریں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ وجے نگر ریاست کی نوعیت کے بارے میں اسکالرز کے درمیان اتفاق رائے نہیں ہے کیوں کہ ہر ایک اسکالرز کے نزدیک وجے نگر ریاست کی نوعیت سے متعلق نائیکر نظام کا مطلب جداگانہ ہے۔

6.4 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

وجے نگر سلطنت کی نوعیت سے متعلق مؤرخین کے درمیان اتفاق رائے نہیں ہے۔ اس سلسلے میں مختلف مؤرخین نے الگ الگ رائیں پیش کی ہیں۔ مختلف اسکالرز کی آرا کا تجزیہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نظریات تین نکات کے گرد گھومتے ہیں۔ نیل کنٹھ شاستری کا خیال ہے کہ وجے نگر ریاست ایک عسکری ریاست تھی۔ ستیش چندرا اس کو مکمل طور پر عسکری ریاست نہیں مانتے۔ کچھ دیگر مؤرخین کی نظر میں وجے نگر سلطنت نیم خود مختار اور علاقائی رہنماؤں کی حکومتوں کے ایک انجمن کے طور پر تھی۔ برٹن اسٹین نے وجے نگر کو ایک علاقوں یا ٹکڑوں میں بنٹی ریاست کے طور پر دیکھتے ہیں۔ آر ایس شرما، ڈی این جھا اور چمپک لکشمی کے مطابق وجے نگر سلطنت جاگیردارانہ نظام پر مبنی تھی۔ سیار ایلو کا بھی خیال ہے کہ وجے نگر سلطنت میں جاگیردارانہ عناصر شامل تھے۔ نوبورو کاراشیما کے مطابق وجے نگر میں علاقائی نظام نہیں تھا۔ وہ ریاست کی جاگیردارانہ تشریح کو زیادہ درست مانتے ہیں۔ کرشن سوامی اینگریمی ریاست کی جاگیردارانہ نوعیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ ٹی وی مہالنگم کے مطابق وجے نگر ریاست ایک پدرانہ ریاست تھی۔ موجودہ جان کاریوں کے تناظر میں وجے نگر سلطنت کی نوعیت کے لیے کسی خاص ماڈل کو طے کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ اس پر بحث ابھی جاری ہے۔ سلطنت کی نوعیت سے متعلق ایک بات کہی جاسکت ہے کہ وجے نگر ریاست میں ایک شاہانہ نظام تھا جو سانتوں اور جاگیرداروں کے ڈھیلے ڈھالے اتحاد پر قائم تھا۔

6.5 کلیدی الفاظ (Learning Outcomes)

عسکری : فوجی

Segmentory State: ایسی ریاست جو مختلف علاقوں یا خطوں میں منقسم ہو اور یا خطے مرکز کے کنٹرول سے آزاد ہوں۔

پرداؤ : وجے نگر ریاست کا سکہ

امرام :

6.6 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

6.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. وجے نگر سلطنت کی نوعیت کے بارے میں نیل کنٹھ شاستری کا کیا خیال ہے؟
2. سلطنت کی نوعیت کے بارے میں ستیش چندر کی کیا رائے ہے؟
3. سلطنت کی نوعیت کے بارے میں برٹن اسٹین کا کیا نظریہ ہے؟
4. سلطنت کی نوعیت کے بارے میں آر ایس شرما اور ڈین ایک جھا کی کیا رائے ہے؟
5. کیا امرام نظام ترکوں کے اقطاع کے نظام جیسا تھا؟
6. سلطنت وجے نگر م سے متعلق اسمتھ اور ایشوری پرساد کی کیا رائے ہے؟
7. کس نے کہا ہے کہ وجے نگر بادشاہت "پدرانہ بادشاہت" تھی؟
8. وجے نگر سلطنت میں امر نایک کون تھے؟
9. نانیکر نظام کو مستحکم کرنے میں کس بادشاہ کا سب سے اہم کردار ہے؟
10. کاراشیما کے مطابق تامل ناڈو میں نایکوں کی تعداد کتنی تھی؟

6.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. وجے نگر کی عسکری نوعیت کے نظریہ کو بیان کیجئے۔
2. وجے نگر سے متعلق ٹکڑوں یا علاقوں میں منقسم ریاست کا نظریہ کیا ہے؟
3. وجے نگر سلطنت کی جاگیر دارانہ ساخت سے متعلق نظریہ پر ایک نوٹ لکھیے۔

6.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. وجے نگر سلطنت کی نوعیت سے متعلق مختلف نظریات بیان کیجئے۔

6.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Asian Educational Services, *The Vijayanagar Empire*: *Chronicles of Paes and Nuniz*, Asian Educational Services, New Delhi, 1991.
2. Filliozat, Vasundhara ed., *Vijayanagar as seen by Dorningos Paes and Fernao Nuniz (16 Century Portuguese Chroniclers) and Others*, National Book Trust, India, 2015 (first pub. in 1977).
3. Mahalingam, T.V., *Administration and Social Life under Vijayanagara*, Madras, 1940.
4. Nilakanta Sastri, K.A., *A History of South India*: *From Prehistoric Times to the Fall of Vijayanagar*, Oxford University Press, New Delhi, 1997 (first pub. in 1955).
5. Nilkantha Shastri, K.A., and N. Venkata Ramanayya, *Further Sources of Vijayanagara History*, Madras, 1946.
6. Pillai, Manu S., *Rebel Sultans*: *The Deccan from Khilji to Shivaji*, Juggernaut, New Delhi, 2018.
7. Ramakrishna, V. et al eds., *History of Telangana*, Andhra Pradesh History Congress in association with Potti Sreeramulu Telugu University, EMESCO Books, Hyderabad, 2016.
8. Reddy, Srinivas, *Raya*: *Krishnadevaraya of Vijayanagara*, Juggernaut, New Delhi, 2020.
9. Ritti, Shrinivas and Y. Subbarayalu eds., *Vijayanagara and Krishnadevaraya*, Indian Council of Historical Research, Southern Regional Centre, Bangalore, 2010.
10. Sewell, Robert, *A Forgotten Empire (Vijayanagar)*: *A Contribution to the History of India*, Asian Educational Services, New Delhi, 2000 (first pub. in 1900).
11. Sherwani, H.K. ed., *History of Medieval Deccan* (*1295–1724*), Two Vols., The Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 1973.
12. Stein, Burton, The New Cambridge History of India: Vijayanagara, Cambridge University Press, New Delhi, 1990.
13. Verghese, Anila and Anna L. Dallapiccola eds., *South India under Vijayanagara*: *Art and Archaeology*, Oxford University Press, New Delhi, 2011.
14. Yazdani, G. ed., *The Early History of the Deccan*, *Parts VII – XI*, Department of Archaeology and Museums, Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 2013 (first pub. in 1960).

اکائی 7۔ فنون اور فن تعمیر

(Art and Architecture)

اکائی کے اجزا

7.0		تمہید
7.1		مقاصد
7.2		ماخذ
7.3		فن
	7.3.1	مصوری
	7.3.2	رنگ سازی
	7.3.3	سنگ تراشی
	7.3.4	مجسمہ سازی
7.4		طرز تعمیر
	7.4.1	مذہبی عمارتیں
	7.4.2	سیکولر عمارتیں
	7.4.3	مدور اکا طرز تعمیر
7.5		اکتسابی نتائج
7.6		کلیدی الفاظ
7.7		نمونہ امتحانی سوالات
7.8		تجویز کردہ اکتسابی مواد

7.0 تمہید (Introduction)

دوسرے شعبوں کی طرح سلطنت وجے نگر اپنے فنون اور طرز تعمیر کے لیے بھی مشہور ہے۔آرٹ کے میدان میں وجے نگر کی مصوری کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ سلطنت کی وسعت نے اس کے فنون اور طرز تعمیر کو نئی اونچائی تک پہنچانے کے قابل بنایا۔ یہاں کی مجسمہ سازی، سنگ تراشی اور مصوری نے سلطنت کے خاتمے کے لمبے عرصے کے بعد بھی جنوبی ہندوستان میں فنون کی ترقی کو متاثر کیا۔ وجے نگر طرز تعمیر چالوکیہ، ہوئسال، پانڈیہ اور چول طرز کے امتزاج کی ایک عمدہ مثال ہے۔ یہاں کے طرز تعمیر میں دراوڑین، بدھ اور دکن کے ہند اسلامی طرز تعمیر اثر پایا جاتا ہے۔ان میں ہندو اور رجپوت طرز تعمیر کی خصوصیات موجود ہیں جن کی وجہ سے ایسی عمارتیں وجود میں آئیں جن کا مطالعہ آج بھی اہتمام کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہاں کی طرز تعمیر کی خصوصیت اس کا مزین طرز ہے جس میں دیواروں، ستونوں اور چھتوں پر پیچیدہ نقاشی کی گئی ہے اور مجسمے بنائے گئے ہیں۔ مندروں اور محلوں میں ہند اسلامی، ہندو اور دراوڑ طرز کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ یہ عمارتیں اپنی شان و شوکت کے لیے مشہور ہیں۔ یہاں کے مندر اپنے نقاشی دار ستونوں کے لیے بھی معروف ہیں جن میں گھوڑے، ہندو دیومالائی کہانیوں کے نقوش اور پال (ہپو گراف) کو دکھایا گیا ہے۔ کچھ بڑے مندر مردیوتا کو معنون ہیں۔اس کے احاطے میں ان کی اہلیہ کے لیے الگ مندر ہے۔ یہاں کے طرز تعمیر کو عام طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، (1) مذہبی عمارتیں، (2) دربار سے متعلق عمارتیں (3) شہر اور شہری تعمیرات وغیرہ۔

7.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- وجے نگر سلطنت میں طرز تعمیر کی شاندار روایت موجود تھی۔
- اس روایت نے اپنی سابقہ حکومتوں سے بہت سے اثرات قبول کیے تھے۔
- اس کے طرز تعمیر پر اسلامی اثرات بھی مرتب ہوئے تھے۔
- اس کے علاوہ بدھ اور جین طرز تعمیر کے اثرات بھی ملتے ہیں۔
- سلطنت میں تعمیر کردہ عمارتوں کو مذہبی عمارتوں، دربار سے متعلق عمارتوں اور شہری تعمیرات کے خانے میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔
- وجے نگر طرز تعمیر میں عمارتوں کے ستون مزین ہوتے تھے۔
- چھتوں اور دیواروں پر نقاشی کی جاتی تھی۔ان پر کی گئی نقاشی کی وجہ سے یہ مورتیاں پتیل کی مورتیوں کی مانند نظر آتی ہیں۔

7.2 مآخذ (Sources)

وجے نگر سلطنت میں بنوائی گئی مختلف عمارتیں، عمارتوں کے کھنڈر، کتبے، ہم عصر تصنیفات اور غیر ملکی سیاحوں کے بیانات وغیرہ۔

7.3 فن کاری (Art)

7.3.1 مصوری (Painting)

کسی بھی معاشرے کی عکاسی میں اس کی مصوری کا اہم کردار ہوتا ہے۔ مختلف فنون کے ساتھ مصوری کا ذکر بغیر اس معاشرے کا تذکرہ ادھورا رہے گا۔ وجے نگر کی مصوری جنوبی ہندوستان میں ہندو مذہب اور فنون کی از سر نو ترقی کی عکاسی کرتی ہے۔ وجے نگر کے حکمرانوں نے ادب، مذہبی اور فلسفیانہ مباحثوں کے ساتھ ساتھ طرز تعمیر اور فنون کو بڑھاوا دیا۔ وجے نگر عہد میں بادامی میں دیواری مصوری میں چالو کیوں کی گہری دل چسپی کے بعد دیواری مصوری کی واپسی ہوئی۔ نلور گاؤں کے کلیان سندریشور مندر میں وجے نگر کے عہد سے متعلق نایاب مصور کی دریافت ہوئی ہے۔ وجے نگر کے عہد کے مصوری مندروں کی چھتوں اور اس کے گلیاروں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ جنوبی ہندوستان کے کچھ مندر وجے نگر کے عہد کی مصوری سے مزین ہیں۔ ویر بھدر مندر، ویرویکش مندر، کلیان سندریشور مندر، وغیرہ اس کی زندہ جاوید مثالیں ہیں۔ ان میں رامائن اور مہابھارت کے مناظر پیش کیے گئے ہیں۔ اس میں مہانوی کی تقریبات کے مناظر بھی پیش کیے گئے ہیں۔ مالیاونت مندر کے مہامنڈپ اور کلیان منڈپ میں نفیس قسم کے نقش و نقار بنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے سب زیادہ دل چسپ دو سانپوں کی شکلیں ہیں جو سورج یا چاند کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اس میں سورج یا چاند گرہن کی منظر کشی کی گئی ہے۔ میسور کے علاقے میں ودیاشنکر مندر میں تصویروں سے دیواروں کی آرائش کی گئی ہے۔ ان میں شیو پران کے کچھ دل چسپ مناظر پیش کیے گئے ہیں۔ میل کوٹ میں لکشمی دیو مندر میں جو نقاشی ہے اس میں رامائن اور بھگوت گیتا کے مناظر پیش کیے گئے ہیں۔ تادپتری کے مندر میں مینار کے اوپری حصے میں نقاشی انتہائی حسن، صفائی اور درستگی کے ساتھ سنگ خارا کی طرح کئی پرتوں والے ایک عمدہ پتھر کو تراش کر بنایئے گئے ہیں۔

7.3.2 رنگ سازی (Painting)

سنگ تراشی اور رنگ سازی دو مربوط فن ہیں۔ قدیم ہندوستان میں ایسے مجسمے جو کسی جگہ نسب نہیں کیے جاسکتے تھے اور ان کو جلوس میں نہیں لے جایا جاسکتا تھا یا جن کو مذہبی تقریبات کے موقعوں پر غسل دیا جاتا تھا ان پر گہرا رنگ چڑھا دیا جاتا تھا۔ جن چیزوں کو رنگا جاتا تھا ان میں بعد کے زمانے میں تبدیلی واقع ہوئی۔ وجے نگر کے زمانے میں باہری دیواروں اور سپاٹ چھتوں کو حسن اور آرائش کے خیال سے رنگ دیا جاتا تھا لیکن مجسموں کو رنگنے کا رواج ختم ہو گیا۔ جو تصویریں مندروں کی دیواروں اور چھتوں پر بنائی جاتی تھیں انھیں چتر بھاسا کہا جاتا تھا۔ مندروں کی دیواروں پر بنائی جانے والی تصویروں کا انحصار اس مندر میں پرستش کیے جانے والے دیوتا پر تھا۔ وشنو دیوتا کے مندر کی دیواروں پر زیادہ تر رامائن، مہابھارت یا وشنو پران کے مناظر پیش کیے جاتے تھے۔ شیو مندر کی دیواریں عموماً شیو پرانوں کی تصویروں سے مزین ہوتی تھیں۔ جین مندر کی صورت میں اس کی دیواروں پر جین تیر تھنکروں کی سوانح حیات کے موضوعات کی منظر کشی کی جاتی تھی۔ اس طرح یہ ایک مذہبی جذبہ تھا جس کے تحت لوگ اپنے مندروں میں اس طرح کی مصوری کیا کرتے تھے۔ بعض مقامات میں ابھرے ہوئے نقوش میں مجسمے بنے ہوتے تھے اور پلاسٹر سے بنی ہوئی تصویروں پر رنگ و روغن چڑھا ہوتا تھا۔ ان سب کا بڑا گہرا اثر ہوتا تھا۔ ہمپی کے ہزار اراما سوامی مندر پر بعض دل چسپ تصاویر بنی ہوئی ہیں جن میں رام کی زندگی کو پیش کیا گیا ہے۔ کمبا کونم کے راما سوامی مندر میں جس میں بظاہر تنجور کے نایک

بادشاہوں کے ایک وزیر گووند دکشت نے بڑے اضافے کیے ہیں۔ رام کی زندگی سے متعلق ایک ہزار تصویریں بنی ہوئی ہیں جنھیں تازہ استر کاری پر آبی رنگوں سے بنایا گیا ہے۔ اسی مقام پر واقع سارنگ پانی مندر میں بھی بعض عمدہ تصویریں بنی ہوئی ہیں۔

میسور کے علاقے میں بھی کچھ ایسے مندر ہیں جن کی دیواروں پر وجے نگر کے عہد میں پرانوں سے ماخوذ مناظر پیش کیے گئے ہیں۔ کونی گل تعلقہ میں واقع ایدی پور مقام کے ٹوٹتادہ سدھالنگیشور مندر کے مہادوار کی چھت میں استادِ ک پالکاؤں کی تصویر بنی ہوئی ہیں۔ اسی مندر کے پاٹالنکن اور مکھ منڈپ کی چھت میں ویر شیو کے عظیم مبلغ سدھالنگ کی زندگی اور پنچاوِ مستی یعنی شیو کے پچیس کھیلوں کے مناظر کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ ہر تصویر کے نیچے کنڑ حروف کی شکل میں تشریحی عبارتیں درج ہیں۔ یہ تصویریں غالباً پندرہویں صدی کی ہیں۔ ہری پور کے تیرو ملیشو مندر کے مکھ منڈپ کی چھت میں شیو پرانوں سے لیے گئے مناظر پیش کیے گئے ہیں۔ تیروپروتی کنرم کے وردھمان مندر کے مکھ منڈپ اور سنگیت منڈپ کی چھتوں میں بہت سی رنگین تصویریں بنی ہوئی ہیں جن میں تین جین تیرتھنکروں رسب دیو، وردھمان اور نیمی ناتھ نیز ضمناً آخری تیرتھنکر کے چچیرے بھائی کرشن کی زندگیوں کے واقعات پیش کیے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض کے نیچے تحریریں ہیں جن میں چھت میں پیش کردہ مناظر کی تشریح کی گئی ہے۔

دیو مالا اور داستانوی مناظر کے علاوہ بعض تصاویر میں اس وقت کی زندگی کی منظر کشی بھی کی گئی ہے۔ بادشاہ کی رہائش گاہ کے دروازے پر دو اشخاص کی ہو بہو اور دونوں کے اپنے اپنے انداز کے مطابق دو تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک تصویر کرشن دیورائے کے باپ کی تھی جو تصویر میں دلکش خدوخال اور مضبوط قوی کا ایک سیاہ فام شخص نظر آتا ہے جب کہ دوسری خود کرشن دیورائے کی تصویر تھی۔ محل کے اندر کے ایک کمرے کی بیرونی دیوار عورتوں کی تصویروں سے مزین تھی جنھیں دیویوں کی طرح تیر اور کمان لیے دکھایا گیا ہے۔ جس ہال میں محل کی عورتیں رقص کا مشق کرتی تھیں وہ رنگے ہوئے مجسموں سے بھرا تھا۔ ان تصویروں میں رقصوں کے احتشام کے وقت کی مختلف جسمانی کیفیتوں کو دکھایا گیا تھا تاکہ رقاصاؤں کو یاد آجائے کہ کسی مخصوص رقص کے بعد انھیں کس انداز سے کھڑا ہونا چاہئے۔ عبدالرزاق نے ان خیابانوں جو شرفا اور رقاصاؤں کے مکانات کے درمیان واقع تھے، کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کے آگے شیروں، تیندوؤں، چیتوں اور دیگر جانوروں کی تصویریں اس خوبی کے ساتھ بنائی گئی تھیں کہ وہ زندہ معلوم ہوتی تھیں۔ پاری جاتا پری پات پہرنم میں بھی ان مکانوں کے سامنے چڑیوں، ہنسوں، فاختاؤں، طوطوں، اور دیگر پالتو جانوروں کی تصویروں کا ذکر ملتا ہے۔

وجے نگر کے بادشاہوں کے زمانے کے فن مصوری کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ انھوں نے یسوعی مصوروں کی ہمت افزائی کی تھی۔ بادشاہ ڈی۔ سا اور رکاؤ پادریوں کی بعض تصویروں سے بہت خوش ہوا تھا۔ بادشاہ کی فرمائش پر اسے حضرت عیسیٰ کی زندگی کے مختلف مناظر کی عمدہ تصویریں بنا کر دی گئی تھیں۔ بادشاہ کو یہ تصویریں بہت پسند آئی تھیں۔ یسوعی پادریوں نے وینکٹ کے دربار میں ایک اطالوی نیم راہب کو بھیجا جو ایک اچھا مصور تھا۔ اس نے بادشاہ کے لیے لویولا اور زیویر کی تصویریں بنائی تھیں۔ اس کام سے وینکٹ بہت خوش ہوا تھا۔ بادشاہ نے ان تصویروں کو ویلور کے دربار میں ایک نمایاں مقام پر آویزاں کرادیا تھا۔

7.3.3 سنگ تراشی (Carving)

ہزار راماسوامی مندر کے عبادت کدہ کے اوپر کے وِمان کی تعمیر اینٹوں اور پلاسٹر سے کی گئی ہے۔ پلاسٹر پر نقش و نگار بنائے گئے ہیں۔ حجرہ کی بیرونی دیواریں اور ستون دار برساتیاں نیچے سے اوپر تک نقش و نگار سے مزین ہیں۔ دونون مندروں کی بیرونی دیواروں کے خوبصورت حاشیے اور بڑی بری کارنسیں وغیرہ بھی قابل لحاظ ہیں۔ تیرتھ گاہ اور صحن کی بیرونی دیواروں پر خوب صورتی سے تراشی ہوئی متعدد پٹیاں ہیں جن میں رامائن اور کرشن کی کہانیوں کے دل چسپ مناظر پیش کیے گئے ہیں۔ اس دیوار کے باہر کے حصہ پر نقش قطار در قطار کندہ کیے گئے ہیں جن میں مہانومی کی تقریبات کے مناظر پیش کیے گئے ہیں۔ اس مندر کی دوسری دل چسپ خصوصیت یہ ہے کہ اگرچہ یہ ایک وشنو مندر ہے تاہم اس میں شیو کی تصویر بھی ملتی ہیں۔ اس طرح ہمیں اس مندر میں سبرامنیا اور گنیش کی تصویریں بھی ملتی ہیں۔ ایک ستون پر بنے ایک نقش میں وشنو کو ایک گھوڑے پر سوار دکھایا گیا ہے جو شاید کلکی کا مظاہرہ ہے۔ حتیٰ کہ مندر کے عبادت کدہ کی بیرونی دیواروں پر بنے دو نقوش میں بدھ کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ وٹھل مندر جنوبی ہندوستان میں اپنی نوعیت کی خوب صورت ترین عمارت ہے۔ اس مندر کا پورا صحن اس طرح سے تراشا ہوا ہے کہ اس سے عزم طاقت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کا ہر ستون گرینائٹ کے ایک مسطح چٹان سے تراش کر بنایا گیا ہے۔ اس کی سب سے عمدہ چیز مخلوط ستونوں کا طرز اور ان کی صناعی ہے۔ ہر ستون گرینائٹ کے ایک مسلم چٹان سے تراش کر بنایا گیا ہے۔

وٹھل مندر کے نقشہ کے طرز پر ہی اچیت رائے کا مندر بنایا گیا ہے۔ مندر کے ہال کے ستونوں پر کچھ عمدہ نقش بنے ہوئے ہیں۔ اندرونی صحن منقش ستونوں سے بنے ہوئے دالانوں اور مرصع پٹیوں سے گھرا ہوا ہے جن میں ہاتھیوں کا ایک جلوس پیش کیا گیا ہے۔ شمالی پھاٹک کے پتھر پر کی گئی نقاشی بھی قابل لحاظ ہے ان پر وشنو کے مختلف اوتار پیش کیے گئے ہیں اور دروازوں کے اندرونی اور بیرونی دونوں بازوؤں کے دونوں طرف دو حسین دوشیزاؤں کی تصویریں بنی ہوئی ہیں جو گنگا ندی کی دو تصویریں ہیں جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ مکر یعنی روایتی مگرمچھ کی پیٹھ پر کھڑی ہے اور اس مگرمچھ کے منھ سے نکلتے ہوئے نیم کلاسیکی انداز کے پھول پتیوں کے بیل بوٹے دروازے کی چوکھٹ کے گرد پھیلے ہوئے ہیں اور نہایت خوش نما نقش و نگار معلوم ہوتے ہیں۔

مالیاوت رگھوناتھ مندر میں رام کا ایک مجسمہ ہے جو پتھر کی ایک بڑی چٹان کے اوپر تراشا گیا ہے۔ مندر کے مہامنڈپ اور کلیان منڈپ میں نفیس قسم کے نقش و نگار بنے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ دل چسپ دو سانپ کی شکلیں ہیں جو سورج یا چاند کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اس میں سورج یا چاند گرہن کو پیش کیا گیا ہے۔ وشنو کے اوتار نرسمہا کا ایک بڑا سنگی مجسمہ احاطہ میں نصب ہے۔ یہ ایک مسلم پتھر سے تراش کر بنایا گیا ہے۔ پورے مجسمہ اور اس کی جزئیات کو انتہائی عمدگی سے تیار کیا گیا ہے۔ مسیور کے علاقے میں واقع ودیاشنکر مندر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ہندو مورتیوں کا مطالعہ کرنے کے لیے یہ مندر صحیح معنوں میں جسموں کا ایک عجائب گھر ہے۔ اس مندر میں ستونوں پر شیر اور سواروں کے مجسمے بنے ہوئے ہیں بہت سے شیروں کے منہ میں پتھر کی گیند ہے۔ ہر ستون کی پشت پر مینڈھا، بیل وغیرہ کندہ ہیں۔ ویلور میں قلعہ کے اندر ایک مندر میں ویالیوں اور پچھلے پیر پر کھڑے ہوئے شہ سواروں کے مجسموں کو انتہائی حسن سے تراشا گیا ہے اور اس کے کسی حصہ میں مبالغہ سے کام نہیں لیا گیا ہے۔

کنجیورم کے ایکامبر ناتھ مندر کے ستونوں پر گھوڑوں پر بیٹھے ہوئے سواروں کی تصویریں پیش کی گئی ہیں۔ مدورا میں واقع وسنت یا پودو منٹپم میں ستونوں کے چار سلسلے ہیں جن پر بڑی تفصیلی مصوری کی گئی ہے۔ اس ہال کے سامنے کارخ ویالیوں اور شیر کے شکل دیوؤں سے جو ہاتھی کو کچل رہے ہیں، مزین کیا گیا ہے۔ اس میں ایک سپاہی کو ایک گھوڑے پر سوار دکھایا گیا ہے جو اپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہے اور یہ سپاہی پیادہ فوجیوں کی ڈھالوں کے سایہ میں کبھی انسانوں کو اور شیروں کو ہلاک کر رہا ہے۔ ان کے بارے میں فرگسن کا خیال ہے کہ یہ مجسمے آرٹ کے لحاظ سے بہت بہتر نہیں ہیں۔ فرگسن کے خیال کی تائید اسمتھ نے بھی کی ہے۔ اسمتھ کہتا ہے کہ جنوب کے مجسمے جو اپنی کثرت تعداد و عجیب و غریب مضحکہ خیز کردار اور حیرت انگیز تفصیلات کی بناپر مشہور ہیں شاذ و نادر ہی کسی اعلیٰ درجہ کے آرٹ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

7.3.4 مجسمہ سازی (Sculpture)

جنوبی ہندوستان کے مندروں میں مورتیوں کے علاوہ ایسے ممتاز حکمرانوں کے مجسمے ملتے ہیں جو مندروں کی دیکھ بھال اور پوجا پاٹ کے لیے عطیات دیا کرتے تھے۔ تیرو ملائی مندر میں پیتل کی تین مورتیاں ہیں جو بہت اہم ہیں۔ ایک میں کرشن دیورائے کو پیش کیا گیا ہے۔ بقیہ دو مورتیاں اس کی دو رانیوں چنادیوی اور تیرو مل دیوی کی ہیں۔ اسمتھ کا کہنا ہے کہ ان مجسموں کو بڑی نفاست کے ساتھ بنایا گیا ہے۔ اسی مندر میں وینکٹ دوم (1585-1614) کا تانبے کا مجسمہ ہے۔ اس کا صناعی میں اعلیٰ درجے کی نزاکت ہے اور یہ مجسمہ سازی کا بہترین نمونہ ہے۔ اس کے علاوہ اس مندر میں دو مجسموں (شوہر اور بیوی) کا ایک اور جوڑا بھی ہے جو پتھروں سے تراشا گیا ہے مراٹھی زبان کے ایک کتبے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اچیت اور اس کی ملکہ وردا جی اما کا مجسمہ ہے۔ مدورا کے پودو منڈپ میں وہاں کے دس نایک بادشاہوں کے مجسمے ہیں۔ ایسا خیال کیا جاتا ہے کہ اس میں سنگ تراشوں نے خیالی تصویروں کو پیش نہیں کیا ہے بلکہ یہ مجسمے مدورا کے ابتدائی دس نایک حکمرانوں کی صحیح تصور معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں بہت سے اپنے سروں پر خود پہنے ہوئے ہیں اور کمر پر پٹکہ باندھے ہیں۔ یہ مجسمے جنوبی ہندوستان کی صناعی کے مکمل نمونے ہیں۔

7.4 طرز تعمیر (Architecture)

7.4.1 مذہبی عمارتیں (Religious Buildings)

وجے نگر کے بادشاہوں کے عہد حکومت میں جنوبی ہندوستان کا طرز تعمیر کسی حد تک تکمیل کو پہنچ گیا۔ فن تعمیر کی ترقی اور اظہار خیال میں ایک آزادانہ روش قائم ہوئی۔ اس زمانہ کے مندر اپنی ساخت اور تنظیم کے لحاظ سے بہت محنت کے ساتھ بنائے گئے ہیں۔ پرانے مندروں میں اضافہ کیا گیا۔ ان میں کلیاں منڈپ مخصوص عمارت تھی۔ یہ مندر میں پورب سے داخل ہونے پر صحن کے بائیں جانب تعمیر کیے گئے۔ یہ منڈپ متعین ستونوں کے ساتھ بنائے گئے ہیں۔ منڈپ کے بیچ میں ایک اونچا چبوترہ ہے جسے دیوتا اور اس کی اہلیہ کے سالانہ جشن شادی کے موقع پر ان کے خیر مقدم کے لیے بنایا گیا تھا۔ اس زمانہ میں دیوی کے لیے جداگانہ طور پر مندر تعمیر کیے گئے۔ دیوی کے لیے الگ مندر بنانے کا رواج چول حکمرانوں کے آخری زمانہ میں شروع ہوا تھا۔

دوسری خصوصیت نام نہاد ایک ہزار ستون والے منڈپ کی تعمیر تھی۔ اس بڑے کمرے میں ستونوں کی متعدد قطاریں ہوتی تھیں۔ درحقیقت وجے نگر طرز تعمیر کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت ستونوں کی آرائش میں پیچیدگی اور تنوع پیدا کرنی تھی۔ اس میں ستون کی بلی وسطی شگاف بن جاتی ہے جس کے چاروں طرف قدآور دائرہ نما مجسموں کا جھرمٹ ہے۔ مکمل ستون اور مجسمے ایک ہی پتھر کی سل کو تراش کر بنائے جاتے تھے۔ ستونوں کی آراش کے دوسرے طریقے بھی تھے۔ پانڈیوں کے عہد حکومت میں داخلے کے لیے بلند مینار یا گوپروں نے جو ترقی کی تھی وہ اس عہد میں بھی جاری رہی۔ وجے نگر طرز تعمیر کے مطابق بنی ہوئی عمارتیں دریائے تنگ بھدرا کے جنوب میں واقع پورے علاقے میں پائی جاتی ہیں لیکن ان کا سب سے زیادہ خوب صورت گروپ جو ان کے طرز کی خصوصیات کو ظاہر کرتا ہے خود تباہ شدہ وجے نگر شہر میں پایا جاتا ہے۔ وٹھل اور ہزار رام کے مندر اس سلسلہ میں مخصوص مندر ہیں لیکن ان کے علاوہ اور بھی متعدد مندر دل چسپی کا باعث ہیں۔

وٹھل: ان مندروں میں وٹھل مندر بلاشبہ سب سے زیادہ آراستہ ہے۔ اس کی تعمیر غالباً دیورائے دوم کے عہد میں شروع ہوئی اور اچیت رائے کے زمانے میں جاری رہی۔ یہ 500 فٹ لمبی اور 310 فٹ چوڑی ایک مستقیل نما چہار دیواری سے گھری ہوئی ہے۔ اندرونی حصوں میں تین قطاروں کی ایک غلام گردش ہے۔ مندر میں داخل ہونے کے لیے گوپروں کے ساتھ تین راستے ہیں جن میں مشرق اور جنوب کی جانب کا راستہ سب سے اہم ہے۔ خاص مندر درمیان میں واقع ہے۔ احاطے کے اندر پانچ اور بھی عمارتیں ہیں جو ستون دار ہال کی شکل میں ہیں خاص مندر وٹھل کی شکل میں وشنو کو معنون ہے۔ یہ ایک لمبی (230 فٹ) اور پستہ قد عمارت مشرق سے مغرب کی جانب بنی ہوئی ہے۔ اس کی اونچائی صرف 25 فٹ ہے۔ اس میں تین مخصوص حصے ہیں۔ پہلا منڈپ ہے جو مسقف بڑا کمرہ ہے اور تیسرا بیچ میں واقع گربھ گرہ ہے جو پیچھے کی جانب بنا ہوا ہے۔ مہامنڈپ ایک شاندار عمارت ہے۔ اس کے پہلوؤں کی لمبائی چوڑائی سو فٹ ہے اور اس میں بہت زیادہ طاق بنے ہوئے ہیں۔ یہ 5 فٹ اونچے آراستہ چبوترے پر بنا ہوا ہے۔ اس کی کھلی ہوئی سیڑھیوں کی تین جانب سے ہاتھی نگہبانی کرتے ہیں۔ اس کی ایک اور قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ اس کی بہت چوڑی اور دوہری مڑی ہوئی اولتی پر موتیوں سے بنا ہوا ایک کنگرہ ہے۔ اندر کی جانب 56 ستون ہیں۔ ہر ستون 12 فٹ اونچا ہے۔ ان ستونوں میں 40 ستون ہال کے باہری کناروں کے چاروں طرف راستہ بنانے کے خیال سے بہت وقفہ کے ساتھ قائم کیے گئے ہیں اور بقیہ 6 استون وسطی حصہ میں مستطیل نما بنانے کا کام دیتے ہیں۔

مہامنڈپ میں پورب کی جانب سے داخلے کے علاوہ اردھ منڈپ کے پہلوؤں میں بھی دو دروازے ہیں جن میں ہر ایک میں سیڑھیاں اور کسی قدر لمبا چوڑا ایک ستون دار پھاٹک ہے۔ اس کا اندرونی حصہ ایک مربع ہے جس کے پہلو 55 فٹ ہیں۔ اس کے بیچ میں ایک مربع نما چبوترہ ہے جس کے چاروں کونوں پر ایک ستون ہے۔ بقیہ ستونوں کو گھیرے کے نزدیک اس طرح سے قائم کیا گیا ہے کہ ایک بغلی راستہ بن جاتا ہے۔ وِمان 75 فٹ لمبا اور 72 فٹ چوڑا ہے۔ اس کے اندر باہری صحن کی سطح پر طواف کرنے کے لیے ایک راستہ بنا ہوا ہے۔ اس میں گربھ گرہ اور اردھ منڈپ کو ملانے والی شہ نشیں کے دونوں جانب نیچے اترنے کے لیے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ بقیہ عمارت میں کلیان منڈپ اپنے خوب صورت مجسموں کی وجہ سے دوسری عمارتوں کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ حالاں کہ یہ مہامنڈپ کے آدھے سے کچھ ہی بڑا ہے۔ کلیان منڈپ کے نزدیک اور مہامنڈپ میں داخل ہونے والے خوب صورت دروازے کے سامنے دیوتا کا رتھ ہے۔ متحرک پہیوں کے

ساتھ اس کی کرسی اور مخصوص منزل عمارتی پتھر کی ایک ہی ٹھوس سل کو تراش کر بنائی گئی ہے۔ اس کے اوپر اینٹوں سے بنی عمارت تھی جو گر چکی ہے۔ اس عہد کے بنے ہوئے دوسرے مندر مثلاً تاؤ تیری اور نرو ویلور میں بھی اسی طرح کے پتھر کے رتھ پائے جاتے ہیں۔

ہزارارام مندر کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اسے غالباً ویرو پکش دویم نے تعمیر کرایا۔ یہ وجے نگر طرز تعمیر کی سنجیدہ مگر مکمل تعمیر کی مثال ہے۔ خاص مندر کے علاوہ یہاں دیوی کا بھی الگ ایک متبرک مقام ہے۔ ایک کلیان منڈپ اور دوسرے معاون مندر ہیں جنھیں صحن کے چاروں طرف 24 فٹ اونچی دیوار احاطہ کیے ہوئے۔ احاطے میں داخل ہونے کے لیے مشرق کی جانب متناسب اور مسطح چھت والا ایک پھاٹک ہے جو مجلس ہال کی جانب لے جاتا ہے۔ مجلس ہال ایک مربع ہے اور اس کے چاروں کونوں پر سیاہ پتھر کے چار ستون ہیں۔ یہ ستون غیر معمولی ڈیزائن کے بنے ہوئے ہیں۔ ستون کی بل میں مکعب نما اور دھاری دار بیلن یکے بعد دیگرے لگے ہوئے ہیں۔ ان پر بے حد نقاشی ہے۔ ہال کے اندر داخل ہونے کے لیے اس کے دونوں جانب دو اور پھاٹک ہیں جو صحن کی جانب لے جاتے ہیں۔ وِمان کے نیچے کی منزل پتھر کی بنی ہوئی ہے اور مخروط نما بالائی حصہ اینٹ کا بنا ہوا ہے۔ خستہ حال ہونے کے باوجود اب بھی شاندار ہے گو کہ اس کی بلندی 50 فٹ سے بھی کم ہے۔ مندر کے اندرونی حصہ کی دیواروں پر ابھری ہوئی تصویریں ہیں جو رامائن کے مناظر پیش کرتی ہیں۔

7.4.2 سیکولر عمارتیں (Secular Buildings)

وجے نگر کے قلعہ میں کچھ سیکولر عمارتیں بھی ہیں جن کے نچلے حصے حملہ آوروں کی زد سے بچ گئے ہیں۔ ان عمارتوں کے نچلے حصوں میں سے دو حصے ایسے ہیں جو نسبتاً زیادہ اہم ہیں اَن میں ایک راجہ کا دربار ہال ہے اور دوسرا تخت کا چبوترہ ہے۔ اس چبوترے کو اکثر ''بیت الفتح'' بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ اسے کرشن دیورائے نے اڑیسہ کے فتح کے بعد بنوایا تھا۔ ان عمارتوں کو دیکھنے کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ غیر ملکی سیاحوں نے شہر کی عمارتوں کی جو تعریف کی ہے وہ مکمل طور پر حق بجانب ہے۔ دونوں ڈھلوان چبوتروں پر ستون دار شہ نشین ہوں گی جن کی مخروطی چھتیں کئی منزلیں بلند ہوں گی۔ دربار ہال میں سو ستون تھے۔ ہر ایک قطار میں دس دس ستون شامل تھے۔ ان ستونوں کی نشست مربع نما تھی۔ ان کی بلی بیلن نما اور کارنس پر بریکٹ تھے۔ نچلا حصہ خوبصورت زینوں کے ساتھ تین وسیع مگر بتدریج گھٹتے ہوئے چبوتروں کی شکل میں ایک کے اوپر ایک بنے ہوئے تھے۔ یہ چبوترے ایک چوڑے ابھرے ہوئے آرائشی حاشیہ سے مزین تھے جو اس پوری عمارت کی تاریخی نوعیت سے مطابقت رکھتے تھے۔ تخت کا چبوترہ بھی اسی طرح گھٹتی ہوئی تین منزلوں میں ہے۔ اس کا ڈیزائن بھی مربع نما ہے۔ سب سے نیچے والے چبوترے کا ایک پہلو 132 فٹ اور سب سے آخری چبوترے کا ایک پہلو 78 فٹ ہے۔ سب سے اوپر والا حصہ پتھر کے خوب صورت زیبائشی حاشیہ سے آراستہ ہے لیکن اس کے نیچے کے دونوں چبوترے سارے پتھر کے بنے ہوئے ہیں اور ان پر کم ابھری ہوئی مگر خوش گوار طور پر انسانوں اور جانوروں کی شکلوں کی پٹیاں بنی ہوئی ہیں۔ وجے نگر سلطنت کے دوسرے حصے مثلاً ویلور، کمبکونم، کانجی ویدم، تاڑپتری اور شری رنگم میں اس عہد کے طرز تعمیر کے مطابق بنے ہوئے مندر بجا طور پر مشہور ہیں۔ ویلور کے مندر کا کلیان منڈپ اپنے طرز کی سب سے خوب صورت عمارت خیال کی جاتی ہے۔ اس کا گوپر اس صدی کے طرز تعمیر کا مخصوص نمونہ ہے۔ ورنجی پورم (ضلع شمالی ارکاٹ) کا رمارگ شیکھشور مندر بھی اپنے کلیان منڈپ کی زبردست آرائش کے لحاظ سے لاجواب ہے۔ کانچی پورم کے ایک امرناتھ درو راج کے مندر کے شہ

نشین غیر معمولی قد و قامت کی بنی ہوئی ہیں۔ان کے ستونوں پر جو تخیلی مجسمے بنے ہوئے ہیں وہ اپنی نرالی ترتیب کی بناپر آج بھی قابل ذکر ہیں۔ تارپتری میں رامیشور مندر کے دو گوپروں کے عمودی حصوں کو جنھیں عام طور پر سادہ ہی چھوڑ دیا جاتا تھا پتھر سے کاٹ کر اور نفیس نقش ونگار جو پتھر کھود کر بنائے گئے ہیں خوش ذوقی کا ثبوت ہیں۔ ''اخیر میں شری رنگم کے مندر میں نام نہاد ''اسپ دربار'' یا شیش گری منڈپ میں ''غضبناک طور پر لڑتے ہوئے گھوڑوں کی ایک قطار ہے جس میں ہر گھوڑا اپنے اگلے پیروں کو قریب 9 فٹ تک اونچا اٹھائے ہوئے ہے۔یہ سب کچھ اس فنی مہارت کے ساتھ بنائے گئے ہیں کہ ان پر پتھر کے بجائے فولاد کا دھوکا ہوتا ہے۔ ''

شہری تعمیرات: مندروں اور محلوں کے علاوہ وجے نگر کے حکمرانوں نے شہری تعمیرات بھی کرائیں۔ یہ تعمیرات اب اصلی حالت میں نہیں ہیں۔ان میں سے بیش تر منہدم ہو چکی ہیں۔ان کے کھنڈر بھی عظمت رفتہ کا پتہ دیتے ہیں۔ قلعہ کے اندر ایک دربار ہال تھا جو وہاں موجود تمام عمارتوں سے اونچا تھا۔ قلعہ کے اندر تخت شاہی بھی تھا جو بہت جاذب نظر تھا۔ وجے نگر شہر میں پانی کی فراہمی کے لیے معقول انتظام کیا گیا تھا۔ پانی تالاب سے حاصل کیا جاتا تھا جو بلندی پر واقع تھا۔شاہی تخت نشیں کے پاس پتھر کی نالی بنی ہوئی ہے جو قلعہ کے فصیل کی طرف جاتی ہے۔یہ نالی ملکہ کے غسل خانہ کی طرف جاتی ہے جو چور کور عمارت ہے۔ یہ ہند اسلامی طرز پر بنی ہوئی ہے۔ پوری عمارت کے گرد ایک محرابی دالان ہے جس میں چھوٹی چھوٹی بالکنیاں بنی ہوئی ہیں۔ قلعہ کے اندر چندر شیکھر مندر کے شمال میں ایک ہشت پہل تالاب ہے۔اس کے وسط میں ایک خستہ پویلین ہے۔اس تالاب کے گرد ستونوں سے بنا ہوا ایک دالان ہے جس کی چھت سپاٹ ہے۔ تورو تونالہ پہاڑی کے ساتھ ساتھ گیا ہے۔اس کا خروج ہمپی سے مغرب تقریباً ایک میل دور تنگ بھدراندی کے پاس تورو وڈیم سے ہوا ہے۔ یہاں پتھر کا ایک حوض ہے جو بادشاہ کے دربار ہال کے کرسی کے بالمقابل بنا ہوا ہے۔اس کا استعمال شاید سفراء اور امراء کے گھوڑوں اور ہاتھیوں کے لیے پانی کے ذخیرے کے طور پر ہوتا ہوگا۔یہ حوض گرینائٹ کے ایک بڑے ٹکڑے سے بنایا گیا ہے۔ قلعے کے اندر ہی ایک ہشت پہلی عمارت ہے۔اس کی تعمیر ہند ایرانی طرز پر ہوئی ہے۔ عمارت کے ہر پہلو میں محرابی دروازے ہیں۔ عمارت کے وسط میں فوارے کا ایک چھوٹا حوض ہے۔ایک عمارت میں پتھر کا بڑا حوض بھی ہے۔اسے گرینائٹ کے ایک ٹکڑے سے تراش کر بنایا گیا ہے۔ایسا خیال کیا جاتا ہے کہ اس حوض میں دارالسلطنت کی بڑی بڑی تقریبات کے دوران غریبوں کو تقسیم کرنے کے لیے دودھ رکھا جاتا تھا۔

وجے نگر سلطنت میں بازاروں کی تعمیر کے دل چسپ نمونے ملتے ہیں۔یہ نمونے ہمپی کے بازار میں دیکھے جا سکتے ہیں۔یہ بازار ہمپی کے مندر کے محاذ میں واقع ہے جو ۳۵ گز چوڑا اور ۸۰۰ گز لمبا ہے۔ سڑکوں پر واقع عمارتیں زیادہ تر سادے منڈپوں پر مشتمل ہیں جو پتھر کے ستونوں پر قائم ہیں۔ان کے اوپر نقش و نگار سے مزین لنٹل بنے ہوئے ہیں۔ان منڈپوں میں سے چند دو منزالہ ہیں۔ سڑک کے مشرقی سرے پر ایک بڑا نندی (شیو کی سواری بیل) بنا ہوا ہے۔ کرشن سوامی مندر کے مشرق میں ایک دوسرا بازار ہے لیکن یہ مندر کے سطح سے نیچے ہے۔ پوری عمارتیں ایک منزلہ ہیں۔ان کو پاٹنے کے لیے جو لنٹل بنایا گیا ہے وہ پتھر کے ستونوں پر قائم ہے۔ سڑک کے شمال میں ایک وسیع تالاب ہے جس کے گرد ایک دالان بنا ہوا ہے جس میں داخل ہونے کے لیے منقش پھاٹک بنا ہوا ہے۔ شہر وجے نگر میں دفاعی اصولوں کو ملحوظ خاطر رکھا گیا تھا۔ شہر سات دفاعی فصیلوں سے گھرا ہوا تھا۔ بیرونی فصیل کے اندر چھے قلعے تھے اور آخری قلعہ کے اندر شاہی محل تھا۔ شہر کی شکل

دائرہ نما تھی۔ دفاعی فصیلوں میں کئی درازیں بنادی گئی تھیں جو دروازوں کا کام دیتی تھیں۔ ان کی تعمیر مجموعی طور پر انڈین طرز پر کی گئی تھی لیکن ان میں سے چند میں اسلامی طرز تعمیر کا اثر نمایاں ہے۔

7.4.3 مدورا کا طرز (Madurai Style)

وجے نگر کی طرز تعمیر کے آخری دور کو مناسب طور پر ''مدوارا کا طرز'' کہا جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مدورا کے نایکوں نے اس طرز تعمیر کی بہت ہمت افزائی کی۔ یہ طرز تعمیر کسی حد تک پانڈیوں کے عمارت بنانے کے طریقے کی تجدید اور ترقی تھی جس کے تحت اکثر پرانے بڑے مندروں میں نئے حصوں کا اضافہ کیا گیا۔ اس سلسلہ میں بیرونی احاطے کی متحد المراکز دیواروں کے ذریعے مزید ''پراکاروں'' کا بالخصوص ذکر کیا جاسکتا ہے۔ ہر پراکار کی دیواروں کے اہم نکات پر چار گوپر ہوتے تھے۔ یہ مندر کی ملحقہ عمارتوں مثلاً ہزار ستور والے ہال یا مقدس تالاب کا احاطہ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر شری رنگم کے مندر میں اس طرح کے ساتھ متحد المراکز مستطیل نما احاطے ہیں۔ جہاں کہیں بھی ممکن ہوتا تھا ستونوں میں اضافہ کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ ان میں کچھ ستونوں کی بلی پر دیوتاؤں یا عطیہ دینے والوں کے آدم قدم سے بھی بڑے مجسمے بنائے جاتے تھے۔

اس عہد کے زیادہ مشہور مندروں میں مدورا، شری رنگم، جمو کیشور، تروویلور، رامیشورم، چدمبرم، تناولی، ترونا ملٹی اور شری ولی پتور کے مندر قابل ذکر ہیں۔ ان میں مدورا کا مندر سب سے زیادہ امتیازی حیثیت کا حامل ہے۔ اس مندر کی بیشتر عمارات ایک ہی وقت میں تعمیر کی گئی ہیں۔ یہ دوہرا مندر ہے، ایک سندریشور اور دوسرا اس کی اہلیہ میناکشی کے لیے وقف ہے۔ یہ دونوں مندر خاص احاطے کے اندر بہت زیادہ جگہ گھیرے ہوئے ہیں۔ ایک بلند دیوار کے اندر ان کا رقبہ 850 فٹ لمبا اور 725 فٹ چوڑا ہے۔ اس کے چاروں پہلوؤں کے وسطی حصہ میں ایک بڑا گوپر ہوتا تھا۔ مندر میں داخلے کے لیے خاص دروازہ مشرق کی جانب ہے۔ یہ 200 فٹ لمبے اور تقریباً 100 فٹ چوڑے ایک راستے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس راستے کے دونوں طرف ستونوں کی قطار میں ہیں۔ یہ راستہ چھوٹے گوپر کی طرف لے جاتا ہے۔ دوسرے پراکار میں جو مستطیل نما 420 فٹ لمبا اور 310 فٹ چوڑا ہے۔ اس میں داخلہ کے لیے مشرق میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔ اس مستطیل کے چاروں پہلوؤں کے وسط میں ایک گوپر ہے جو باہری گوپر کے مقابلے میں چھوٹے ہیں۔ دوسرے احاطہ کا بیش تر حصہ چھت سے ڈھکا ہوا ہے۔ صرف شمال میں کچھ حصہ چھت نہ ہونے کی وجہ سے کھلا ہوا ہے۔ اس احاطہ کے اندر 250 فٹ لمبا اور 160 فٹ چوڑا صحن ہے جو چھت سے ڈھکا ہوا ہے۔ اس صحن میں داخلہ کے لیے مشرق کی جانب ایک دروازہ ہے۔ اس دروازے کے باہر ستونوں کا اجتماع ہے جو کچھ معنوں میں اس مندر کے منصوبہ کا سب سے دل پذیر حصہ ہے۔ آخری احاطہ کے اندر خاص مندر ہے۔ حسب دستور اس مندر کے تین حصے ہیں۔ مندر کے مرکزی حصہ کے اوپر شکھر ہے جو اس مندر کے مسطح چھت کے اوپر باہر نکلا ہوا ہے۔ اس احاطے کے اندر تمام راستے اور ہال میں ستونوں کی لمبی لمبی قطاریں ہیں۔ یہ ستون اس عہد کے طرز تعمیر کے مطابق بنے ہوئے ہیں اور ان کے درمیان سے چاروں طرف کا نظارہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ میناکشی دیوی کا متبرک مقام خود ایک احاطہ ہے جو خاص مندر سے جنوب کی جانب ملا ہوا ہے۔ یہ کسی حد تک اس کے پیچھے واقع ہے لیکن چھوٹے پیمانے پر اس خاص مندر کی ہو بہو نقل ہے۔ یہ شکل میں خاص مندر کا تقریباً آدھا ہے۔ یہ رقبہ میں 225 فٹ لمبا اور 150 فٹ چوڑا ہے۔ اس

میں داخلہ کے لیے دو گوپر ہیں۔ایک گوپر مشرق کی جانب اور دوسرا اس سے بڑا مغرب کی جانب واقع ہے۔ متصل شومندر کی طرح یہاں بھی متبرک مقام کی سطح چھت کے اوپر شکھر نکلا ہوا ہے۔ میناکشی مندر کے سامنے سوسن کا تالاب ہے۔یہ تالاب 165 فٹ لمبا اور 120 فٹ چوڑا ہے۔تالاب کے چاروں طرف سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں اور ہر پہلو پر ستون دار شہ نشینیں ہیں۔اس کے پیچھے جنوبی گوپر ہے جو 150 فٹ بلند ہے۔تالاب میں گوپر کا عکس پڑنے کی وجہ سے تالاب کا حسن اور بھی دل آویز ہو جاتا ہے۔تالاب کے شمالی مشرقی کونے کے نزدیک ایک اچھے قد و قامت کا گوپر بنا ہوا ہے جو میناکشی کے مندر میں باہر سے جلوس کے آنے کے راستے کا پتہ دیتا ہے۔یہ مندر میں داخل ہونے کے لیے ایک آزاد راستہ بھی ہے۔باہری پراکار کے شمالی مشرقی کونے پر ہزار ستون والا ہال ہے جو 240 فٹ لمبے اور 200 فٹ چھوڑے رقبے میں قائم ہے۔ ہال کے سامنے کا حصہ جو جنوب رخ میں ہے خاص مندر کی جانب جانے والے ستون دار راستے کے کنارے واقع ہے۔ستونوں کی ترتیب اس کے اندرونی حصہ کے متناسب ہے۔اس کے اندر بھی بیچ میں ایک راستہ ہے جو شمال میں واقع ساپتی کے چھوٹے متبرک مقام تک لے جاتا ہے۔ فرگوسن کا بیان ہے کہ ''ان ستونوں پر جو مجسمے بنے ہوئے ہیں وہ اس زمرہ کے کسی بھی ہال سے جس کی مجھے واقفیت ہے سبقت لے جاتے ہیں۔''احاطے کے باہر لیکن مشرقی گوپر کے محوری خط پر جہاں ایک جداگانہ گلی کے ذریعہ پہنچا جاتا ہے،''پدومنڈپم'' واقع ہے جسے ''ترو ملتی کی سرائے'' بھی کہتے ہیں۔یہ بغیر چھت کے کھلا ہوا ہال ہے جو 35 فٹ لمبا اور 105 فٹ چوڑا۔اسے ستونوں کے چار قطاروں کے ذریعہ وسطی حصے اور دو بغلی راستوں کی صورت میں لمبان میں تقسیم کیا گیا ہے۔ان تمام ستونوں پر کھود کر بے حد نقش و نگار بنائے گئے ہیں۔ہال کے وسطی حصہ کی جانب کے ستونوں پر مدورا کے نایک حکمرانوں کے آدم قد مجسمے بنے ہوئے ہیں۔ان میں منڈپ کی تعمیر کرنے والے ترو ملئی کا مجسمہ جدید ترین ہے۔

مدورا کے نایک حکمرانوں نے شری رنگم کے رنگ ناتھ مندر میں جو اضافے کیے ان کی بنا پر یہ مندر جنوبی ہندوستان کے مندروں میں سب سے بڑا مندر بن گیا ہے۔سب سے باہری پراکار مستطیل نما ہے۔یہ 2880 فٹ لمبا اور 2475 فٹ چوڑا ہے۔اندرونی حصے میں کم سے کم چھے پراکار ہیں۔اس طرح مرکزی متبرک مقام کے چاروں طرف سات متحد المراکز احاطے بن جاتے ہیں۔باہری تین احاطہ مندر کی طرح اس شہر کے بھی حصے معلوم ہوتے ہیں جو ان کے چاروں طرف بسا ہوا ہے۔یہ صرف اپنے کچھ گوپروں کے لیے ہی قابل ذکر ہے۔سب سے باہری دیوار کے دو نامکمل گوپروں میں سے اگر اس گوپر کی جو جنوب میں واقع تھا اور جس میں داخلے کے لیے خاص دروازہ تھا، منصوبے کے تحت تکمیل ہو جاتی تو اس کی اونچائی تقریباً 300 فٹ ہوتی۔خاص مندر چوتھے صحن سے شروع ہوتا ہے۔اس صحن کی باہری دیوار 1225 فٹ لمبی اور 849 فٹ چوڑی ہے۔اس میں شمال، جنوب اور مشرق کی جانب گوپر بنا ہوا ہے وہ سب سے بہتر اور منصوبہ کے مطابق سب سے بڑا گوپر ہے۔اس کے نزدیک چوتھے احاطے کے شمالی مشرقی کونے پر ہزار ستون والا ہال ہے جو 500 فٹ لمبا اور 160 فٹ چوڑا ہے۔ مشہور و معروف ''گھوڑے کا میدان'' بھی اسی احاطے میں واقع ہے۔تیسرے احاطے میں شمال اور جنوب کی جانب گوپر بنے ہوئے ہیں اس میں جنوبی گوپر جو ستون دار گرور منڈپ کی جانب کھلتا ہے، وہی داخلے کے لیے خاص دروازہ بھی ہے۔احاطے کے اندر سورج کنڈ اور چندر کنڈ نام کے دو مشہور تالاب ہیں۔دوسرا احاطہ مسقف ہے۔اس کے اندر متعدد ستون والے ہال ہیں اور مغرب کی جانب جلوس کے لیے راستہ ہے۔اس میں

داخلے کے لیے شمال اور جنوب کی جانب سے دو دروازے ہیں۔اس کے بعد سے اندر کا احاطہ آتا ہے جو 240 فٹ لمبا اور 181 فٹ چوڑا ہے۔ مقدس مقام ایک گول کمرہ ہے جو ایک مربع نما کمرے کے اندر واقع ہے۔ یہ کمرہ ایک مستطیل نما کمرے سے گھرا ہوا ہے۔ متبرک مقام کا پتہ سپاٹ چھت کے اوپر ابھرے ہوئے طلائی گنبد نما وما ن سے چلتا ہے۔ مدورا کے مانند رامیشورم کا مندر بھی اکائی منصوبے کے تحت بنایا گیا ہے۔ یہ مندر اپنے شاندار ستونوں کی قطاروں کے لیے مشہور ہے۔ یہ ستون مندر کے چاروں طرف ہیں۔اور اسے گھیرے رکھنے کے علاوہ مندر تک پہنچنے کا راستہ بھی بناتے ہیں۔ان راستوں کی چوڑائی 17 سے 21 فٹ تک ہے۔ ستون تقریباً 25 فٹ بلند ہیں اور مجموعی لمبائی تقریباً 3000 فٹ ہے۔

7.5 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

سلطنت وجے نگر اپنے مخصوص فنون اور طرز تعمیر کے لیے مشہور ہے۔ وجے نگر کا طرز تعمیر اپنے نقطہ عروج پر پہنچ گیا تھا۔اس طرز تعمیر پر چالوکیہ، ہوئسال، پانڈیہ اور چول طرز تعمیر کے اثرات واضح طور پر ملتے ہیں۔اس کے علاوہ اس طرز تعمیر پر دکن کی مسلم حکومت کے طرز تعمیر کے اثرات بھی مرتب ہوئے۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اس طرز تعمیر میں دراوڑین، بدھ اور ہند اسلامی اثرات بھی ملتے ہیں۔ جنوبی ہندوستان کی کئی مختلف مندروں کی تعمیرات کی روایات اور طرز وجے نگر کے طرز تعمیر پر ایک ساتھ اثرانداز ہوئیں جس کی سب سے عمدہ مثال ہمپی ہے۔ وجے نگر کے مندروں کی خصوصیت قدآدم مجسموں سے مزین یادگار مینار ہیں جو مندر کے داخلی دروازے پر کھڑے ہیں۔ وجے نگر کے طرز تعمیر کے بغور مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں پر تین طرح کی عمارتیں یعنی مذہبی، درباری اور شہری تعمیرات وجود میں آئیں۔ یہاں کی عمارتوں کی تعمیر کے لیے گرینائٹ پتھر کا استعمال کیا گیا۔ یہاں کے مندر مضبوط باڑوں سے گھرے ہوئے ہیں۔ مندر اپنی ساخت اور تنظیم کے لحاظ سے بہت محنت کے ساتھ بنائے گئے ہیں۔ پرانے مندروں میں نئی عمارتوں کا اضافہ کیا گیا۔ان میں کلیان منڈپ مخصوص عمارت تھی۔ وجے نگر کی مذہبی عمارتوں میں وٹھل مندر سب سے زیادہ آراستہ عمارت ہے۔ دوسری مشہور عمارت ہزارارام مندر ہے۔اسے ویروپکش دوئم نے تعمیر کرایا تھا۔ وجے نگر کی غیر مذہبی عمارتوں میں راجہ کا دربار ہال اور تخت کا چبوترہ مشہور ہے۔ وجے نگر کے طرز تعمیر کے آخری دور کو مدورا طرز کہا جاتا ہے۔ یہ طرز کسی حد تک پانڈیوں کے طرز تعمیر کی تجدید اور ترقی پذیر شکل تھی جس کے تحت پرانے مندروں کے احاطے میں نئے مندروں کا اضافہ کیا گیا۔ شری رنگم کا مندر اس کی واضح مثال ہے۔اس عہد کے مشہور مندروں میں مدورا، شری رنگم، جمبوکیشور، تروویلور، رامیشورم، چدمبرم، تناولی، تروناملتی اور شری ولی پتور شامل ہیں۔

7.6 کلیدی الفاظ (Key Words)

تیرتھنکر	:	جین مذہب میں سب سے بڑے مبلغ جنھوں نے دنیاوی خواہشات پر فتح حاصل کی
یسوعی	:	عیسائی مذہب سے متعلق
لویولا	:	اسپینی اور رومن کیتھولک مذہبی مبلغ اور سوسائٹی آف جیسس کے بانی، رفارمیشن کے اہم مخالف

زیویر	:	لفظی معنی نیا گھر۔ اسپینش مشنری۔ جیسوئٹ سوسائٹی کے بانی ممبر
ومان	:	گربھ گرہ کے اوپر واقع مینار
سبرامنیا	:	جنگ کا دیوتا
گنیش	:	شِوا اور پاروتی کے سب سے چھوٹے بیٹے۔
کلکی	:	وشنو کے دسویں اور آخری اوتار
کلیان منڈپ	:	لفظی معنی شادی کا منڈپ۔ اس کا استعمال دیوتا کی پوجا یا خدمت کے لیے کیا جاتا ہے
وٹھل	:	لفظی معنی قسمت بنانے والا۔ (بھگوان وشنو)
غلام گردش	:	دیوان خانہ اور زنان خانہ اور زنان خانہ کی درمیانی دیوار
مسقف	:	چھت دار
پنچاو مستی	:	شیو کے 25 کھیل

7.7 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

7.7.1 معروضی جوابات کے حامل سولات (Objective Answer Type Questions)

1. وشنو دیوتا کے مندر کی دیواروں پر کس طرح کے مناظر پیش کیے جاتے تھے؟
2. ہمپی کے ہزار راما سوامی مندر میں کس کی زندگی کو پیش کیا گیا ہے؟
3. یسوعی پادریوں نے کس کے دربار میں ایک اطالوی راہب کو بھیجا جو ایک اچھا مصور بھی تھا؟
4. ہزار راما سوامی مندر کے عبادت کدہ کے اوپر کے ومان کی تعمیر کن چیزوں سے کی گئی ہے؟
5. اچیت رائے کا مندر کس مندر کے نقشہ کے طرز پر بنایا گیا ہے؟
6. میسور کے علاقے میں واقع کس مندر کو مجسموں کا گھر بتایا گیا ہے؟
7. تیرو ملائی میں بنائی گئی تین مورتیاں کن لوگوں کی ہیں؟
8. ہزار رام مندر کی تعمیر کس نے کرائی تھی؟
9. کرشن دیورائے نے جس چبوترے کی تعمیر کرائی تھی اسے ''بیت الفتح'' کیوں کہتے ہیں؟
10. مشہور و معروف ''گھوڑے کا میدان'' کس مندر کے احاطے میں واقع ہے؟

7.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. وجے نگر کے عہد میں مجسمہ سازی پر مختصر نوٹ لکھیے۔

2. وٹھل مندر کے احاطے کی تعمیری خصوصیات بیان کیجیے۔
3. ہزارارام مندر کے طرز تعمیر کی خصوصیات بیان کیجیے۔
4. وجے نگر سلطنت میں غیر مذہبی عمارتوں کی تعمیر پر ایک نوٹ لکھیے۔

7.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. وجے نگر عہد میں سنگ تراشی کے فن پر ایک مضمون لکھیے۔
2. وجے نگر سلطنت میں مذہبی عمارتوں کی تعمیر پر تفصیلی مضمون لکھیے۔
3. وجے نگر کے عہد میں مدوراطرز تعمیر پر مفصل مضمون لکھیے۔

7.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Reading)

1. Asian Educational Services, *The Vijayanagar Empire*: *Chronicles of Paes and Nuniz*, Asian Educational Services, New Delhi, 1991.
2. Filliozat, Vasundhara ed., *Vijayanagar as seen by Dorningos Paes and Fernao Nuniz (16 Century Portuguese Chroniclers) and Others*, National Book Trust, India, 2015 (first pub. in 1977).
3. Mahalingam, T.V., *Administration and Social Life under Vijayanagara*, Madras, 1940.
4. Nilakanta Sastri, K.A., *A History of South India*: *From Prehistoric Times to the Fall of Vijayanagar*, Oxford University Press, New Delhi, 1997 (first pub. in 1955).
5. Pillai, Manu S., *Rebel Sultans*: *The Deccan from Khilji to Shivaji*, Juggernaut, New Delhi, 2018.
6. Ramakrishna, V. et al eds., *History of Telangana*, Andhra Pradesh History Congress in association with Potti Sreeramulu Telugu University, EMESCO Books, Hyderabad, 2016.
7. Reddy, Srinivas, *Raya*: *Krishnadevaraya of Vijayanagara*, Juggernaut, New Delhi, 2020.
8. Ritti, Shrinivas and Y. Subbarayalu eds., *Vijayanagara and Krishnadevaraya*, Indian Council of Historical Research, Southern Regional Centre, Bangalore, 2010.
9. Sewell, Robert, *A Forgotten Empire (Vijayanagar)*: *A Contribution to the History of India*, Asian Educational Services, New Delhi, 2000 (first pub. in 1900).
10. Sherwani, H.K. ed., *History of Medieval Deccan* (*1295–1724*), Two Vols., The Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 1973.
11. Stein, Burton, The New Cambridge History of India: Vijayanagara, Cambridge University Press, New Delhi, 1990.
12. Verghese, Anila and Anna L. Dallapiccola eds., *South India under Vijayanagara*: *Art and Archaeology*, Oxford University Press, New Delhi, 2011.
13. Yazdani, G. ed., *The Early History of the Deccan*, *Parts VII – XI*, Department of Archaeology and Museums, Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 2013 (first pub. in 1960).

اکائی 8۔وجے نگر سلطنت کا زوال

(Decline of Vijayanagar Empire)

اکائی کے اجزا

8.0 تمہید

8.1 مقاصد

8.2 مآخذ

8.3 وجے نگر سلطنت کے زوال کے اسباب

8.3.1 مرکزی حکومت کی کمزوری

8.3.2 کمزور اور نااہل جانشین

8.3.3 وراثت کے جھگڑے

8.3.4 مختلف شاہی گھرانوں کی حکومت

8.3.5 عیش و عشرت کی زندگی

8.3.6 فوج کی ذمہ داری

8.3.7 بہمنی سلاطین سے کش مکش

8.3.8 تالی کوٹ کی جنگ

8.3.9 دوسری وجوہات

8.4 اکتسابی نتائج

8.5 کلیدی الفاظ

8.6 نمونہ امتحانی سوالات

8.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

8.0 تمہید (Introduction)

وجے نگر کی سلطنت کی تاریخ تین سے زائد صدیوں پر محیط ہے۔1336 میں اس کا قیام عمل میں آیااور یہ سلطنت1650 تک قائم رہی۔ جنوبی ہندوستان کا ایک بڑاعلاقہ تواس میں شامل تھاہی،اس کی سرحدیں سیلون اور برما کے بعض علاقوں تک جا پہنچی تھی۔اس کے قیام کا سہرا پانچ بھائیوں ہری ہر، بکا، ماریّااور مودبّا کے سر جاتا ہے۔انھوں نے ہر چہار جانب اس کی توسیع کی۔ سلطنت وجے نگر پر دیورائے دوم اور کرشن دیورائے جیسے بادشاہوں نے حکمرانی کی، جنھوں نے اس کی عظمت کو چار چاند لگادیے۔وجے نگر سلطنت نے اپنے وجود کے دائمی آثار چھوڑے ہیں۔ مذہب، ادب، فنون لطیفہ اور سیاست کے بعد ان میں سلطنت نے گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔امتداد زمانہ کے ساتھ اس عظیم سلطنت میں زوال کے آثار پیدا ہونے لگے۔اکثر دیکھا گیا ہے کہ حکومت کے عنان پر بادشاہ کی گرفت جتنی مضبوط ہوتی ہے حکومت میں اسی قدر استحکام ہوتا ہے۔ گرفت کمزور ہونے پر سازش، ریشہ دوانی، انتشار، بدامنی اور خلفشار کا دور دورہ ہوتا ہے۔وجے نگر سلطنت میں بھی ایسا ہی ہوا۔اندرونی سازشوں اور بیرونی حملوں نے حکومت کو زوال کی طرف دھکیل دیا۔

8.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- مرکزی حکومت کی وہ کون سی کمزوریاں تھیں جس کی وجہ سے وجے نگر کی سلطنت میں زوال کے آثار پیدا ہوئے۔
- حکومت کے زوال میں کمزور اور نااہل جانشینوں کا کیا کردار تھا۔
- وراثت کے جھگڑوں نے حکومت کو کس قدر کمزور کیا۔
- سلطنت کے زوال کے لیے فوجی تنظیم کس حد تک ذمہ دار تھی۔
- وجے نگر کے سلاطین اور بہمنی سلاطین کی کش مکش کا کیا نتیجہ نکلا۔
- تالی کوٹ کی جنگ سے وجے نگر کے زوال پر کیا اثرات مرتب ہوئے۔

8.3 وجے نگر سلطنت کے زوال کے اسباب

8.3.1 مرکزی حکومت کی کمزوری

وجے نگر کی حکومت میں نایکوں کا کردار بہت اہم تھا۔ مملکت وجے نگر میں دو قسم کے صوبے ہوتے تھے۔ان میں سے ایک جاگیر دارانہ نظام کی بنیاد پر جاگیرداروں کے پاس ہوتا تھا۔انھیں بادشاہ کی مرضی حاصل تھی۔دوسرے پر بادشاہ براہ راست اپنے گورنروں یا نمائندوں کے ذریعہ حکومت کرتا تھا۔صوبے کی پہلی قسم نایکوں کے زیر نگرانی ہوتی تھی۔نایکوں کی قانونی حیثیت گورنروں سے الگ ہوتی تھی حالاں کہ دونوں کو مخصوص فرائض انجام دینے پڑتے تھے۔ گورنر کی حیثیت صوبے میں بادشاہ کے نمائندے کی تھی۔وہ بادشاہ کی جانب سے اس پر حکومت کرتا تھا۔نایک ایک فوجی باجگزار ہوتا تھا۔مالی اور فوجی فرائض انجام دینے کے عوض میں اسے جاگیر عطا کی جاتی تھی۔انھیں ان کی

جاگیر میں نسبتاً زیادہ آزادی حاصل تھی۔اس کے داخلی نظم ونسق میں بادشاہ کوئی مداخلت نہیں کرتا تھا۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تبادلہ بھی نہیں ہوتا تھا، لیکن فرائض کی ادائیگی میں ناکامی اور بادشاہ کی مرضی پر اس کو اس کی جاگیر سے برطرف کیا جاسکتا تھا۔نایکوں کی ذمہ داری بہت سخت تھی۔ان کا عہدہ ابتدا میں شخصی ہوتا تھا مگر بعد کے زمانے میں جب مرکز میں بادشاہوں کے اندر کمزوری آگئی اور وہ نکمے ہوگئے تو یہ عہدہ موروثی ہوگیا۔نایک بادشاہ کے دربار میں اپنا نمائندہ متعین کرتا تھا۔وہ دارالسلطنت میں نایک کی فراہم کردہ فوج کا انچارج ہوتا تھا۔بادشاہ کے دربار میں وہ ایک دوسرا افسر بھی متعین کرتا تھا، جو غیر فوجی نمائندہ ہوتا تھا۔اسے استھانا پتی کہا جاتا تھا۔وہ دارالسلطنت میں نایک کے مفادات کی نمائندگی کرتا تھا۔مالی ذرائع اور فوجی طاقتوں سے لیس نایک وجے نگر کے بعد کے زمانے میں بغاوت کرنے لگے اور اپنی صوبائی وسعت کے لیے آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے۔کمزور بادشاہوں کے عہد میں تو وہ اور زیادہ بے لگام ہوجاتے تھے۔نتیجے کے طور پر نائیکر نظام جو کسی وقت وجے نگر سلطنت کی تنظیم کی بنیاد تھا، بربادی کی وجہ بن گیا۔برٹن اسٹین اس نظام کی خرابی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہتے ہیں:

> تمل علاقے میں نایکوں کے اقتدار نے یقینی طور پر ان مقامی اداروں کے خاتمے کو تیز کردیا جو ایک ساتھ مل کر چول ریاست کے ہر ایک حصے کو بنیادی طور پر جوڑتی تھی۔ناٹاروں کا مقامی ادارہ جو کہ اپنی مقامی سبھا ناڈو) کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے اور وسیع تر ناڈو میں دیگر مقامی اداروں کے ساتھ مل کر پیریاناڈو بناتے تھے۔برہما دیہ ہر ایک مقامی حلقہ کے فکری اور ادارہ جاتی مرکز تھے۔

نائیکر نظام کی ایک خرابی یہ تھی کہ جاگیرداروں کو اپنے علاقوں میں آزادی حاصل تھی۔اس سے انھیں مقامی نوعیت کے جھگڑوں اور خانہ جنگیوں میں حصہ لینے کا موقع مل جاتا تھا۔کبھی کبھی وہ مرکزی حکومت کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے۔خاص کر تب، جب مرکز میں کوئی نااہل اور کمزور بادشاہ ہوتا تھا۔نایک اگر مرکزی حکومت کے خلاف کمربستہ ہوتا تھا تو اس کے ساتھ بہت سے ماتحت نایک ہوتے تھے۔دوسری طرف بادشاہ بے یار و مددگار ہوتا تھا۔وجے نگر کی تاریخ کے بعض اہم مواقع پر مثلاً متنازعہ فیہ جانشینی یا غیر ملکی حملوں کے وقت یہ نایک مرکزی حکومت کے ساتھ جو رویہ اختیار کرتے تھے اس مرکزی حکومت کو نقصان پہنچتا تھا۔ہم کہہ سکتے ہیں کہ مرکزی حکومت کی کمزوری، ریاست کے اندرونی نزاع اور امراء کے رویوں نے زوال میں خاص کردار ادا کیا۔علاقائی گورنروں کے درمیان باہم جنگ اور اندرونی سازشوں نے مرکزی اقتدار کو کمزور کردیا۔

8.3.2 کمزور اور نااہل جانشین

کسی بھی سلطنت کے قیام اور توسیع میں بہادر اور جری حکمرانوں کی تلواروں اور انتظامی صلاحیتوں کا اہم کردار ہوتا ہے۔ان کی طاقتوں سے سلطنتیں قائم ہوتی ہیں اور ان کی دوراندیشی اور انتظامی صلاحیتوں سے سلطنت کی توسیع ہوتی ہے اور اس کو استحکام حاصل ہوتا ہے لیکن ان مضبوط بازوؤں کے ہٹتے ہی مملکتوں میں زوال کے آثار پیدا ہونے لگتے ہیں۔ہری ہر اور بکا نے قیام سلطنت کے ساتھ اس میں توسیع بھی کی۔اس کے بعد دوسرے حکمرانوں نے سلطنت کی توسیع کی اور اس کی دفاع کا مناسب انتظام کیا۔انھوں نے مسلم حکمرانوں اور ہندو راجاؤں سے جنگیں لڑیں۔اپنی ریاست کا نہ صرف دفاع کیا بلکہ دیگر حکومتوں سے ان کے علاقے چھینے۔دورائے کے انتقال کے بعد وجے رائے دویم 1446 میں تخت نشین ہوا۔بہت جلد مئی 1447 میں اس کا بیٹا ملک ارجن (1446-1465) بادشاہ ہوا۔ملک ارجن کمزور اور نکما بادشاہ

تھا۔ اس کے تخت پر بیٹھتے ہی حکومت میں ابتری شروع ہوگئی۔ ریاست میں پھوٹ اور تباہی شروع ہوگئی۔ اس کے عہد میں وجے نگر کی سلطنت کا زوال شروع ہوگیا۔ اس کے عہد کے آغاز میں بہمنی حکمراں نے تلنگانہ میں واقع ویلموں کے دارالسلطنت رچ کونڈا پر قبضہ کرلیا جس کے نتیجے میں ویلما لوگ ویلو، کوڈو میں آکر بس گئے۔ سلووانر سنگھ نے اپنے تدبر اور فوجی قابلیت کی بنا پر چالیس سال سے بھی زیادہ مدت کے بعد وجے نگر کو دوبارہ مضبوط اور طاقت ور بنایا۔ اس درمیانی مدت میں قدیم شاہی خاندان کے افراد کے خلاف زبردست احتجاج ہوا، بے اطمینانی پھیلی اور مخالفت کی گئی۔ ان میں سے بہت سارے افراد ہلاک بھی ہوئے۔ ملک ارجن کی حکومت کے ابتدائی ایام میں پڑوس کے چھوٹے چھوٹے سرداروں نے بھی بدامنی پھیلائی اور سلطنت کو کمزور بنایا۔ اس نازک صورت حال میں بہمنی حکومت کے علاءالدین دوئم اور گج پتی دونوں نے ہی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور شہر کا محاصرہ کیا لیکن انھیں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وینکٹ دوئم کو کوئی بیٹا نہیں تھا۔ اس نے اپنی ایک بیوی کی لونڈی کے بیٹے کو بادشاہ بنانے پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ اس نے شری رنگ کو اپنا جانشین نامزد کردیا۔ اس فرضی بیٹے سے مسئلہ حل ہونے کے بجائے اور بھی الجھ گیا۔ شری رنگ بھی طاقت ور اور ذہین نہیں تھا۔ اس نے غیر دانش مندانہ تقرریاں کیں نیز سرداروں سے روپے پیسے اور جواہرات طلب کیے جس کی وجہ سے ان کی عوامی ہمدردیاں کھودیں۔ دوسری طرف سردار بھی کئی فرقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک فریق کی قیادت اس کی محبوب بیوی کا بھائی گوبری جگارائے کررہا تھا۔ دوسرا فریق شری رنگ کا تھا جسے ویلوگونی یاچمانایک کی حمایت حاصل تھی۔ جگارائے نے اپنے دو حمایتیوں شمانایک اور مکراجہ کی مدد سے شری رنگ اور اس کے خاندان کے لوگوں کو جیل میں ڈال دیا۔

8.3.3 وراثت کے جھگڑے

دوسری ریاستوں کی طرح وجے نگر سلطنت کو بھی وراثت کے جھگڑے سے دوچار ہونا پڑا۔ گو بادشاہ کو اپنا ولی عہد چننے کا اختیار تھا مگر بیش تر ایسے مواقع آئے جب تخت کے حصول کے لیے باپ اور بیٹے کے درمیان اور بادشاہ کے مختلف بیٹوں کے درمیان اختلافات ابھر کر سامنے آئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ دعویداروں میں سے کسی ایک کو اپنی جان گنوانی پڑی۔ اس طرح کا ایک واقعہ 1485 میں رونما ہوا، جب ویروپکش دوئم نے اس کے بڑے بیٹے کو قتل کردیا۔ خود راجا بن کر اس نے اپنے چھوٹے بھائی پادیاراؤ کو تخت پر بٹھایا۔ پادیارائے نے حکمراں بنتے ہی اپنے بڑے بھائی کو قتل کروادیا اور خود عیش و عشرت میں پڑ گیا۔ ایسے حالات میں چندر گری کے گورنر سالووانر سنگھ نے نایکوں کے ساتھ مل کر ایسے غیر مقبول بادشاہ کو ہٹادینے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اپنے سپہ سالار نرس نایک کو وجے نگر کی جانب مہم چھیڑنے اور شہر پر قبضہ کرنے کا حکم دیا۔ پرتگالی سیاح نیونٹرنے ہم عصر حالات کی عکاسی یوں کی ہے:

> نرسنگھ کا سپہ سالار کس طرح شہر کے دروازے پر پہنچا اور اس کو غیر محفوظ پایا، کس طرح وہ شاہی محل کے اندر گھستا چلا گیا اور دیکھا کہ وہاں اس کی مزاحمت کرنے والا کوئی نہیں، کس طرح حرم کے اندر پہنچ کر اس نے شاہی خاندان کی کچھ عورتوں کو بھی قتل کیا اور کس طرح اخیر میں بزدل راجا نے راہ فرار اختیار کرلی۔

اس کے بعد اس نے آتا سالووانر سنگھ کو حکمراں بننے کی دعوت دی۔ وجے نگر کی تاریخ میں یہ واقعہ غاصبانہ قبضہ اقتدار کو طاقت کے بل پر ہتھیانا، کہلاتا ہے، جس کے تحت سنگم خاندان کا خاتمہ اور ایک نئے شاہی خاندان سالوا خاندان کا قیام عمل میں آیا۔ سالووانر سنگھ نے اپنی موت سے

قبل تولووا ایشور کے بیٹے اور اپنے قابل اعتماد سپہ سالار نرسنگھ نایک کو اپنے دو کم عمر بیٹوں یعنی تملا بھوپ اور امّادی نرسنگھ کا سرپرست مقرر کیا۔ نرس نایک نے پہلے تملا بھوپ کو بادشاہ بنایا مگر نرس نایک کے حریف تملا رس نے تملا بھوپ کو مرواڈالا۔ اس کے بعد امّادی نرسنگھ تخت پر بٹھایا گیا مگر نرسنگھ نایک نے نگراں کی شکل میں حقیقی اقتدار اپنے ہاتھ میں رکھا اور شاہی القاب بھی اختیار کیا۔ بادشاہ اور سرپرست کے درمیان غالباً ان بن ہوگئی۔ امادی نرسنگھ نے اپنے بھائی کے قاتل تمارس کو اپنا کر پاپا تر بنادیا، نتیجتاً نرس نایک نے 1492 میں بینو، گونڈا سے وجے نگر کا محاصرہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ امادی نرسنگھ کو تمارس سے منہ موڑ کر نرسا سے صلح کرنی پڑی۔ بادشاہ کو دارالسلطنت سے ہٹا کر پینو گونڈا لے جایا گیا، جہاں اسے سخت نگرانی میں رکھا گیا۔ نیل کنٹھ شاستری نے نرس نایک کو دوسرا بڑا غاصب بتایا ہے جس کی وجہ سے لازماً نئے اندرونی اختلافات شروع ہوگئے۔ نرس نایک کی موت کے بعد اس کا بڑا بیٹا ویر نرسنگھ (امادی نرس نایک) امادی نرسنگھ کا نگراں (regent) بنا۔ 1405 میں ویر سنگھ نے سالووا خاندان کے آخری حکمراں امادی نرسنگھ کا قتل کر کے وجے نگر کے تیسرے شاہی خاندان یعنی تولووا خاندان کی بنیاد ڈالی۔ وجے نگر کی تاریخ میں اس واقعے کو دوسرا بلا پہار کہا جاتا ہے۔ 1509 میں جب ویر نرسنگھ امّتور پر حملے کی تیاری کر رہا تھا، اس کی موت ہوگئی۔ نیونز کے مطابق جب وہ بستر مرگ پر تھا، اس نے اپنے وزیر سالووا تما کو کرشن دیورائے کی آنکھیں نکلوا دینے کے لیے حکم دیا تاکہ تخت شاہی اس کے کم عمر بیٹے کے لیے محفوظ ہو جائے۔ ترومل (1570-72) نے تولووا خاندان کے سداشورائے کا قتل کر کے وجے نگر کے چوتھے شاہی خاندان، آراویدو خاندان کی بنیاد ڈالی اور پینو گونڈا (وینو گونڈا) کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ اس نے زوال آمادہ کرناٹک سلطنت کا ادھارک کا لقب اختیار کیا۔ اس نے لسانی بنیاد پر سلطنت کو تین حصوں میں تقسیم کر کے اپنے تینوں بیٹوں کو اقتدار سونپا۔

8.3.4 مختلف شاہی گھرانوں کی حکومت

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ وجے نگر پر کل چار شاہی گھرانوں نے یکے بعد دیگرے حکومت کی۔ ایک شاہی گھرانے سے دوسرے کو اقتدار کی منتقلی خوش گوار طریقے پر نہیں ہوئی بلکہ اس واقعے میں کشت خون ہوا، اسلطنت سازشوں کی آماج گاہ بنی۔ تخت پر قبضہ کرنے کے لیے جائز اور ناجائز حربے اختیار کیے گئے۔ 1485 میں جب پادیاراؤ نے اپنے بھائی کا قتل کروادیا اور عیش پسندی میں مشغول ہوگیا تو چندر گیری کے گورنر سلوا نرسنگھ نے نایکوں کے ساتھ مل کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی سنگم خاندان کا خاتمہ اور سلووا خاندان کی حکمرانی کا آغاز ہوا۔ اسی طرح 1505 میں ویر نرسنگھ نے سلووا خاندان کے آخری حکمراں نرسنگھ کا قتل کر کے وجے نگر کے تیسرے شاہی خاندان تلووا خاندان کی بنیاد ڈالی۔ سازش اور قتل کا سلسلہ یہیں نہیں رکا۔ 1570 میں سداشورائے کا قتل کر کے ترومل حکمراں بن گیا۔ اقتدار کے لیے رسہ کشی، سازشوں اور ریشہ دوانیوں نے حکومت کے وقار کو تو نقصان پہنچایا ہی اس نے وجے نگر کی کمزوریوں کو اجاگر کر دیا۔ اس سے اندرونی بد نظمی بڑھی۔ وجے نگر کی ہمسایہ طاقتوں نے اس کا فائدہ اٹھایا اور وقتاً فوقتاً حملے کر کے ان کے علاقوں کو اپنے زیر اقتدار لانا شروع کر دیا۔

8.3.5 عیش و عشرت کی زندگی

وجے نگر کی سلطنت معاشی طور پر خوش حال تھی۔ زمینیں زرخیز تھیں۔ تجارت ترقی پر تھی۔ مختلف ذرائع سے سلطنت کو اچھی آمدنی حاصل ہوتی تھی۔ کسی بھی سلطنت کی پائداری کے لیے بادشاہ اور عوام کے کردار کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ مختلف ذرائع سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ

وجے نگر کے حکمراں اور عوام عیش کی زندگی گزارتے تھے۔ بادشاہ سلطنت کے امور سے غفلت اور بے توجہی کر کے عیاشی میں پڑ گئے، جس کی وجہ سے امور سلطنت پر ان کی گرفت کمزور پڑ گئی۔ نیونز کے بیان کے مطابق پرتاپ دیورائے کا بیٹا ویروپکش دوم (1465-1485) بدکاری کا عادی تھا۔ عورتوں کے علاوہ اسے کسی بات کی پرواہ نہ تھی۔ شراب پی کر بدحواس پڑا رہتا تھا۔ ایسی حالت میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ بڑا حصہ نکل کر مسلم حکومت کے ہاتھ میں چلا گیا۔ اس کے عہد میں وجے نگر سلطنت میں اندرونی خلفشار اور بیرونی حملے بڑھ گئے۔ بہمنی وزیر محمود گاواں نے اندرونی حالات کا فائدہ اٹھا کر گواں چولاں ودابھول پر قبضہ کر لیا اور کانچی تک وجے نگر پر حملے کیے۔ پیدیاراؤ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ تخت پر بیٹھتے ہی وہ عیاشی میں پڑ گیا اور سلطنت کے کام سے غفلت برتنے لگا۔ اسی طرح سے اچیت دیورائے کے بارے میں نونیز لکھتا ہے کہ: ''نیا حکمراں بری عادتوں اور مظالم ڈھانے میں مصروف رہتا تھا۔ اس میں سچائی اور ہمت کا فقدان تھا۔ حکومت کے افسران اور عوام بادشاہ کی بدچلنی اور بدکاری کے رجحان سے سخت پریشان تھے۔'' غیر ملکی سیاحوں نے وجے نگر کے اخلاقی حالات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ ان کے بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ بادشاہ اور عوام دونوں مخرب اخلاق حرکتوں میں ملوث پائے جاتے تھے۔ پائس، باربوسا اور عبدالرزاق وغیرہ نے درباری اور عوامی عورتوں کا ذکر کیا ہے۔ عبدالرزاق نے دارالسلطنت کی بہت سی عوامی عورتوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک موتیوں، قیمتی پتھروں اور بیش قیمتی کپڑوں سے آراستہ رہتی تھیں، ہر ایک کے پاس ایک یا دو کنیزیں ہوتی تھیں جو ان کی خدمت میں حاضر رہتی اور لوگوں کو عیش و عشرت کی دعوت دیتی تھیں۔ دارالسلطنت کے متعدد قلعوں میں اس طرح کے بہت سے قحبہ خانے تھے۔ عبدالرزاق اور پائز کے بیانات کے مطابق یہ عورتیں شہر کی بہترین سڑکوں پر رہتی تھیں اور نہایت بدکردار تھیں۔ بعد ظہر وہ گھروں کے دروازوں پر کرسیاں اور صوفے لگا کر بیٹھ جاتی تھیں۔ جو شخص بھی وہاں سے گزرتا وہ اپنی پسند سے جسے چاہتا منتخب کر لیتا۔ ان عورتوں کو خاص مراعات حاصل تھیں۔ وہ بادشاہ کی بیویوں کے روبرو جا سکتی تھیں اور ان کے ساتھ وقت گزار سکتی تھیں۔ باربوسا یہ بیان کرتا ہے کہ وہ طرح طرح سے بادشاہ کو خوش کرتی تھیں۔ وہ کہتا ہے کہ:

> عورتیں گاتی ہیں اور اٹھکھیلیاں کرتی ہیں اور بادشاہ کے سامنے ہزاروں قسم کے دیگر خوش کن مظاہرے پیش کرتی ہیں۔ وہ روزانہ متعدد تالابوں میں غسل کرتی ہیں جو اسی مقصد کے لیے ہیں۔ بادشاہ انھیں غسل کے دوران دیکھنے جاتا ہے اور ان میں سے جو اسے سب سے زیادہ محظوظ کرتی ہے وہ اسے اپنے محل میں بلا بھیجتا ہے۔ باربوسا کے اس بیان کا تقابل دوسرے ذرائع سے بھی کیا جا سکتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک عورت گنگا دیوی کا شوہر کہیں کس طرح دوسری عورتوں اور داشتاؤں سے غسل کے دوران دل لگی کرتا تھا۔ طوائفوں پر ایک طرح کا ٹیکس بھی عائد تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ قحبہ گری کو قانونی حیثیت حاصل تھی۔

8.3.6 فوج کی ذمہ داری

وجے نگر کے زوال کے لیے کچھ حد تک وہاں کی فوجی انتظامیہ کو بھی ذمہ دار ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ یوں تو وجے نگر کے حکمرانوں نے ایک بہت بڑی فوج کی تنظیم کر رکھی تھی، جس میں پیادہ، گھوڑ سوار اور ہاتھی وغیرہ تھے۔ فوج سپاہیوں کی بڑی تعداد صوبائی گورنروں کے تحت آتی تھی۔ صوبائی گورنروں پر بہت زیادہ بھروسہ کیا گیا جو وجے نگر کی حکومت کے لیے مہلک ثابت ہوا۔ صوبائی گورنر موقع پاتے ہی بادشاہ یا مرکزی حکومت کے خلاف کھڑے ہو جاتے تھے۔ صوبائی فوج بادشاہ کی بہ نسبت اپنے علاقائی حاکموں کی زیادہ فرماں بردار ہوتی تھی۔ وجے نگر

کی فوج گو تعداد میں بہت تھی لیکن کارکردگی میں کم تھی۔ان کی فوج میں تیراندازوں کی کمی تھی اور گھوڑے اچھی قسم کے نہیں تھے۔اسی وجہ سے دیورائے دوم نے اپنی فوج میں چند اصلاحات کی تھیں۔اس نے اپنی فوج میں مسلم حکومتوں کی طرح بہتر گھوڑوں اور تیراندازوں کا اضافہ کیا۔وجے نگر کی فوجیں اپنی بڑی تعداد اور بہتر تنظیم کے باوجود اپنے مسلم پڑوسیوں کی فوجوں کے مقابلے میں غیر موثر تھیں۔انفرادی طور پر ان کی فوج کے سپاہی بہادر اور جنگ آزمودہ بھی تھے لیکن منظم جماعت کے طور پر غیر موثر تھے۔فوجی تنظیم کو بہتر بنانے کی دیورائے کی کوششیں بھی ناکام ثابت ہوئیں۔اس نے محض شاہی فوج کی تنظیم نو کی۔جاگیرداروں کی فوج تک اصلاحی عمل نہیں پہنچ سکا۔ان کا یہ حال تھا کہ جنگ سے ذرا پہلے اپنے ہلوں کے پھالوں کو تلواروں کے پھل میں بدل لیتے تھے اور جب جنگ ختم ہو جاتی تھی تو وہ پھر وہ کھیتوں میں لگ جاتے۔ جاگیردارانہ فوج میں مرکز گریز رجحان غالب تھا۔کمزور حکمرانوں کے زمانے میں اکثر ایسا دیکھا گیا کہ حکم دینے کے باوجود بھی فوجی خدمات کا فقدان تھا۔یعنی جاگیردار اپنے فوجی دستے بادشاہ کی خدمت میں پیش نہیں کرتے۔بسا اوقات جاگیردار محل کی سازشوں اور جھگڑوں میں حصہ لینا شروع کر دیتے تھے۔مدورا کے نایک حکمرانوں نے وجے نگر کی محکومی کے چولے کو بار بار اتار پھینکنے کی کوششیں کیں۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وجے نگر کے حکمراں اپنی قومی پالیسی کے وسیع تر مسائل سے ناواقف تھے۔وہ بحری فوج کی تنظیم کو بہتر بنانے میں ناکام رہے جس کی وجہ سے پرتگالی بہت آسانی سے ہندوستان میں داخل ہو گئے۔

8.3.7 بہمنی حکومت کے ساتھ کش مکش

وجے نگر کو اس کے قیام کے دنوں سے ہی دکن کی بہمنی سلطنت سے خطرہ لاحق رہا۔وجے نگر کے حکمرانوں نے سلطنت کی توسیع کے ساتھ ہی پڑوسی ریاستوں کے حملے سے دفاع کا بھی خیال رکھا اور بوقت ضرورت ان پر حملے بھی کیے۔برہان معاصر کے مصنف علی بن طباطبا اور فرشتہ نے دونوں سلطنتوں کے درمیان کش مکش کو مذہبی رنگ دیا ہے۔ان کے مطابق کش مکش کی وجہ مذہبی مخاصمت تھی۔فرشتہ کے مطابق دونوں سلطنتوں کے بیچ امن کی بنیاد وجے نگر کو عہد کا پابند بنا کر ٹیکس کی رقم حاصل کرنے پر تھی۔بہر حال وجے نگر اور بہمنی سلطنت کی رسہ کشی کے پس پشت جغرافیائی، سیاسی، معاشی اور فوجی نوعیت کے وجوہات تھے۔دکن کو صدیوں سے کرشنا اور تنگ بھدرا ندی نے زمین کے دو قدرتی حصوں میں بانٹ رکھا ہے۔اس قدرتی سرحد کو پار کر کے مختلف حکمراں ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے تھے۔وجے نگر اور بہمنی عہد میں بھی اسی جدوجہد کا اعادہ ہوا۔دونوں کے درمیان مذہبی اختلاف نے اس جدوجہد کو مزید سخت بنانے میں کردار ادا کیا۔کرشنا اور تنگ بھدرا کے درمیان واقعہ قلعے مشترکہ حلقہ اختیار تھے لہٰذا جدوجہد بھی اسی علاقے میں ہوتی تھی۔کش مکش کی دوسری وجہ سیاسی تھی۔ دونوں سلطنتیں تنگ بھدرا کے جنوبی اور شمالی کنارے پر اپنی شہنشاہیت کی وسعت کرنا چاہتی تھیں۔بہمنی سلطنت کے لیے توسیع کا راستہ صرف تنگ بھدرا کے شمال میں ہی تھا کیوں کہ اس کے تین جانب طاقت ور ریاستیں: مالوہ، گجرات اور اڑیسہ تھیں۔کشمکش کی تیسری وجہ معاشی تھی۔ایک طرف کرشنا کا جنوبی حصہ بے حد زرخیز تھا اور جنوبی ہندوستان کے بیش تر بڑے بندرگاہ اسی حصہ میں واقع تھے۔دوسرے، رائچور دو آب ہیرے اور لوہا جیسی معدنیات کے لیے مشہور تھا۔اس لیے معاشی نقطۂ نظر سے پیداواری اور زرخیز علاقوں پر قبضے کی خواہش دونوں کے درمیان باہمی نزاع کی وجہ تھی۔اس لیے یہ کشمکش مذہبی جنون کی نہیں بلکہ معاشی، سیاسی اور سماجی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے تھی۔

8.3.8 تالی کوٹ کی جنگ

وجے نگر کی بڑھتی ہوئی طاقت سے دکنی سلطنتیں آشنکت ہوئیں۔ انھیں صاف نظر آرہا تھا کہ ان کے درمیان پھوٹ سے وجے نگر کا حکمراں، رام رائے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اس لیے تمام اختلافات بھلا کر انھوں نے ایک اتحاد قائم کیا، جس میں بیجاپور کا علی عادل شاہ، گولکنڈہ کا ابراہیم قطب شاہ، احمد نگر کا حسین نظام شاہ اور بیدر کا علی برید شاہ شامل تھے۔ نیل کنٹھ شاستری کے مطابق ابراہیم قطب شاہ اور حسین نظام شاہ نے اس اتحاد میں اہم کردار ادا کیا۔ درحقیقت جنگ کی اصل وجہ وجے نگر کے خلاف دکنی سلطنتوں کے حسد اور نفرت کے جذبات تھے۔ رام رائے اس جدوجہد کے لیے کم ذمہ دار نہیں تھے۔ اس نے دکنی ریاستوں کی اندرونی سیاست کے معاملات میں بے وجہ مداخلت کی۔ وجے نگر کے خلاف جب محاذ قائم ہو گیا تو بیجاپور کے علی عادل شاہ نے رام رائے سے رائچور، مدگل اور دوسرے قلعوں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ رام رائے نے اس مطالبے کو ٹھکرا دیا۔ 24 دسمبر 1564 کو چاروں دکنی سلاطین کی افواج تالی کوٹ پہنچی جو کرشنا ندی کے ساحل پر واقع قلعہ تھا۔ وجے نگر کا موجودہ حکمراں سداشو تھا، مگر جنگ میں اس کی نمائندگی رام رائے نے کی۔ وہ اپنے دونوں بھائیوں، ترومل اور وینکٹادی کے ساتھ کرشنا ندی کے جنوبی ساحل پر آکر ڈٹ گیا۔ حریف افواج ایک ماہ سے زاید عرصہ تک ایک دوسرے کے خلاف ڈٹی رہیں جس کے درمیان ابتدائی طاقت کا امتحان ہوا۔ فرشتہ اور آر سیویل کے مطابق دونوں فریقوں کے درمیان 23 جنوری 1565 کو فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ اس جنگ کو کئی ناموں مثلاً ''رکشش تنگدی''، ''تالی کوٹ''، ''بنی ہٹّی'' یا ''کرسن'' کی جنگ سے یاد کیا جاتا ہے۔ فرشتہ نے اسے تالی کوٹ کی جنگ کہا ہے۔ اس جنگ کا حقیقی میدان کرشنا ندی کا جنوبی ساحل تھا جو دو گاؤں اجو ''رکشسی'' اور ''تنگدی'' کے درمیان واقع تھا۔ اس لیے مورخین نے اس جنگ کو رکشش تنگدیکے نام سے یاد کرتے ہیں۔ آغاز میں تو دکنی سلاطین کی فوج کو شکست دے دی گئی مگر بعد میں ان کے توپ خانے نے وجے نگر کی فوج پر قہر برپا کر دیا۔ اس جنگ میں وجے نگر کی فوج کا بڑا حصہ جس کی قیادت دو مسلم سپہ سالار کر رہے تھے، دکنی سلاطین کی فوج سے جا ملے۔ سیزر فریڈرک کے مطابق اس کے بعد لڑائی زیادہ دیر تک نہ چل سکی۔ بالآخر رام رائے کو حسین نظام شاہ نے گھیر لیا اور اس کا سر کاٹ کر اس کو ایک نیزے پر ٹانگ کر میدان جنگ میں گھمایا۔ اس کے بعد فاتح فوج نے وجے نگر میں گھس کر تباہی و بربادی مچائی۔ اس جنگ میں وجے نگر کے ایک لاکھ لوگ مارے گئے، جس میں رام رائے اور اس کا بھائی وینکٹادی بھی تھے۔ یہ جنگ ہندوستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ تباہی و بربادی والی جنگوں میں سے ایک ہے۔ حالاں کہ اس جنگ کے ایک سو سال بعد تک وجے نگر کی سلطنت باقی رہی مگر اس کی گذشتہ شان و شوکت لوٹ نہ سکی۔ اس کا رعب و دبدبہ ختم ہو گیا۔ این وینکٹ رفیّا نے اسے ''وجے نگر کی تاریخ کا واٹرلو'' قرار دیا ہے۔ رام رائے کا بھائی ترومل سداشورائے کو لے کر پینو گونڈا بھاگ گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد سواشورائے کو قتل کر کے ترومل خود حقیقی حکمراں بن گیا۔ اس نے وجے نگر کی بازآبادکاری کی کوشش کی مگر کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

8.4 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

وجے نگر سلطنت جو کسی زمانہ میں ایک عظیم سلطنت تھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں زوال کے آثار پیدا ہونے لگے۔ حکومت کے زوال کے پیچھے کئی اسباب کارفرما تھے۔ ان ہی اسباب میں ایک وجہ مرکزی حکومت کی کمزوری تھی۔ ریاست کے اندرونی نزاع نے

حکومت کی بنیاد کو کمزور کر دیا۔ حکومت کے مختلف امرا نے زوال میں خاص کردار ادا کیا۔ علاقائی گورنروں نے اس میں مزید اضافہ کیا۔ مخصوص جانشین کے اصول کی کمی کی وجہ سے وقتاً فوقتاً وراثت کے جھگڑے ہوتے رہے۔ ان جھگڑوں کی وجہ سے مرکزی قیادت کمزور ہو گئی۔ کمزور اور نااہل جانشینوں نے زوال کی رفتار کو اور بھی تیز کر دیا۔ ان کی نااہلی کی وجہ سے اندرونی طاقتوں کو مرکز کے خلاف اٹھ کھڑا ہونے کا موقع فراہم ہوا۔ بیرونی حملہ آوروں اور پڑوسی ریاستوں نے موقع کو غنیمت جان کر حملے کیے اور سلطنت کے بہت سارے علاقے چھین لیے۔ وجے نگر سلطنت میں یکے بعد دیگرے چار شاہی خاندانوں نے حکومت کی۔ یہ شاہی خاندان سابقہ شاہی خاندان کے افراد کے خلاف سازش کر کے تخت پر قابض ہوتے تھے۔ اس طرح مختلف شاہی گھرانوں کی وجہ سے سازشوں نے جنم لیا اور بالآخر حکومت میں کمزوری کے آثار پیدا ہوئے۔ یوں تو وجے نگر کے حکمرانوں نے ایک بہت بڑی فوج اکٹھا کر رکھی تھی مگر اس کی اپنی کمزوریاں بھی تھیں، جس کی قیمت بھی انھیں چکانی پڑی۔ پڑوسی ریاست بہمنی حکومت سے کش مکش کی وجہ سے وجے نگر کو بہت نقصان پہنچا۔ ان کے معاملے میں وجے نگر کے حکمرانوں نے دور اندیشی سے کام نہیں لیا۔ ان کے معاملات میں بے جا مداخلت کی وجہ سے ان کے عتاب کا شکار ہونا پڑا، جس کا ایک نتیجہ تالی کوٹ کی جنگ بھی ہے۔ اس جنگ میں شکست فاش کے بعد وجے نگر کی حکومت اپنے پرانے وقار کو دوبارہ حاصل نہ کر سکی۔ زوال کے دوسرے اسباب بھی تھے مثلاً تجارتی کمزوری، معاشی بہاؤ، قحط اور خشک سالی وغیرہ۔ ان سارے اسباب کی وجہ سے سترہویں صدی میں وجے نگر کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

8.5 کلیدی الفاظ (Keywords)

باج گزار	:	ٹیکس ادا کرنے والے
نایک	:	وجے نگر میں اصلاً ملٹری گورنر
نائینکر	:	وجے نگر سلطنت میں مرکزی تنظیم

8.6 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

8.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. وجے نگر سلطنت میں کتنے قسم کے صوبے ہوتے تھے؟
2. وجے نگر سلطنت میں نایکوں کی کیا حیثیت تھی؟
3. وجے نگر سلطنت میں صوبوں میں گورنر کی حیثیت کیا تھی؟
4. وجے رائے دوم کب تخت نشین ہوا؟
5. وجے رائے دویم کا بیٹا ملک ارجن کیسا بادشاہ ثابت ہوا؟
6. نیل کنٹھ شاستری نے کس حکمراں کو دوسرا بڑا غاصب بتایا ہے؟

7. 1405 میں کس نے سالوا خاندان کے آخری بادشاہ کو قتل کر کے وجے نگر کے تیسرے شاہی خاندان کی بنیاد رکھی؟
8. تولوا خاندان کے کس بادشاہ کو قتل کر کے وجے نگر کے چوتھے شاہی خاندان کی بنیاد رکھی گئی؟
9. نیونز نے کس کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ شراب پی کر بدحواس پڑا رہتا تھا؟
10. تالی کوٹکی جنگ کو اور کن ناموں سے جانا جاتا ہے؟

8.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. وجے نگر کے زوال میں مرکزی حکومت کی کمزوری کس حد تک ذمہ دار تھی؟
2. کمزور اور نااہل جانشینوں کا وجے نگر کے زوال میں کیا کردار رہا؟
3. وراثت کے جھگڑے سے وجے نگر سلطنت کو کیا نقصان پہنچا؟
4. وجے نگر کی سلطنت پر حکمرانوں کی عیاشیوں کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟
5. وجے نگر کی حکومت کے زوال کے لیے فوجی تنظیم کس حد تک ذمہ دار تھی؟

8.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. وجے نگر اور بہمنی سلطنت کے درمیان کش مکش کے کیا وجوہات تھے؟
2. تالی کوٹ کی جنگ پر ایک مضمون لکھئے۔

8.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Asian Educational Services, *The Vijayanagar Empire*: *Chronicles of Paes and Nuniz*, Asian Educational Services, New Delhi, 1991.
2. Filliozat, Vasundhara ed., *Vijayanagar as seen by Dorningos Paes and Fernao Nuniz (16 Century Portuguese Chroniclers) and Others*, National Book Trust, India, 2015 (first pub. in 1977).
3. Mahalingam, T.V., *Administration and Social Life under Vijayanagara*, Madras, 1940.
4. Nilakanta Sastri, K.A., *A History of South India*: *From Prehistoric Times to the Fall of Vijayanagar*, Oxford University Press, New Delhi, 1997 (first pub. in 1955).
5. Nilkantha Shastri, K.A., and N. Venkata Ramanayya, *Further Sources of Vijayanagara History*, Madras, 1946.
6. Pillai, Manu S., *Rebel Sultans*: *The Deccan from Khilji to Shivaji*, Juggernaut, New Delhi, 2018.
7. Ramakrishna, V. et al eds., *History of Telangana*, Andhra Pradesh History Congress in association with Potti Sreeramulu Telugu University, EMESCO Books, Hyderabad, 2016.
8. Reddy, Srinivas, *Raya*: *Krishnadevaraya of Vijayanagara*, Juggernaut, New Delhi, 2020.
9. Ritti, Shrinivas and Y. Subbarayalu eds., *Vijayanagara and Krishnadevaraya*, Indian Council of Historical Research, Southern Regional Centre, Bangalore, 2010.

10. Sewell, Robert, *A Forgotten Empire (Vijayanagar)*: *A Contribution to the History of India*, Asian Educational Services, New Delhi, 2000 (first pub. in 1900).
11. Sherwani, H.K. ed., *History of Medieval Deccan* (*1295–1724*), Two Vols., The Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 1973.
12. Stein, Burton, The New Cambridge History of India: Vijayanagara, Cambridge University Press, New Delhi, 1990.
13. Verghese, Anila and Anna L. Dallapiccola eds., *South India under Vijayanagara*: *Art and Archaeology*, Oxford University Press, New Delhi, 2011.
14. Yazdani, G. ed., *The Early History of the Deccan*, *Parts VII – XI*, Department of Archaeology and Museums, Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 2013 (first pub. in 1960).

اکائی 9۔ قیام اور توسیع

(Foundation and Expansion)

اکائی کے اجزاء

9.0	تمہید
9.1	مقاصد
9.2	بہمنی سلطنت
9.3	بہمنی سلاطین
9.3.1	علاءالدین حسن بہمن شاہ
9.3.2	محمد شاہ اول
9.3.3	علاءالدین مجاہد شاہ
9.3.4	محمد شاہ دوم
9.3.5	تاج الدین فیروز شاہ
9.3.6	شہاب الدین احمد شاہ
9.3.7	علاءالدین احمد شاہ دوم
9.3.8	ہمایوں شاہ
9.3.9	نظام شاہ
9.3.10	محمد شاہ سوم
9.3.11	محمود شاہ دوم
9.3.12	محمود گانواں
9.4	سلطنت کی توسیع
9.5	اکتسابی نتائج

9.6 کلیدی الفاظ
9.7 نمونہ امتحانی سوالات
9.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

9.0 تمہید (Introduction)

سلطان محمد بن تغلق نے دکن کو فتح کر کے دولت آباد کو ایک نئے مرکز کے طور پر منتخب کیا، لیکن اس مرکز کے راجدھانی سے دور ہونے کے سبب یہاں کے صوبہ دار اور امراء ہمیشہ مرکز سے علیحدگی کے لیے بغاوت پر آمادہ رہتے تھے۔ ایسی ہی ایک بغاوت امران صدہ اور دکن کے امراء نے 1345ء میں اسماعیل مخ کی قیادت میں کی اور ایک آزاد دکن ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ لیکن جلد ہی اسمایل مخ حسن گنگو ظفر خان کے حق میں حکومت سے دستبردار ہو گیا اور 3 اگست 1347ء کو ظفر خان علاءالدین حسن بہمن شاہ کے قلب سے دولت آباد میں قطب الدین مبارک شاہ خلجی کی تعمیر کردہ جامع مسجد میں دکن کا سلطان بننے کا اعلان کر دیا گیا۔ اس طرح دکن میں بہمنی سلطنت کا قیام عمل میں آیا جو موجودہ کرناٹک، مہاراشٹر اور آندھرا پردیش کے کچھ علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ شروع میں احسن آباد گلبرگہ اور بعدہٗ محمد آباد بیدر اس کا دارالسلطنت قرار پایا۔ اس سلطنت میں تجارت و زراعت، تعلیم و فن تعمیر کے فروغ میں سلاطین بہمنی سے قابل تعریف کام کیے۔ اور مسلم تہذیب و تمدن کو دکن کے علاقوں میں خوب فروغ حاصل ہوا۔ 1490ء کے قریب بہمنی سلطنت کے زوال کا عمل شروع ہوا۔ 1526ء تک آتے آتے بہمنی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ سلطنت اپنے پورے دور میں وجے نگر سلطنت سے برسرپیکار رہی۔ اور اس سلطنت کے آغاز پر پانچ چھوٹی دکنی ریاستیں گولکنڈہ، بیجاپور، بیدر، برار اور احمد نگر ابھر کر سامنے آئیں۔

9.1 مقاصد (Objectives)

اس کائی کے مطالعے کے بعد آپ

- بہمنی سلطنت کے قیام کے اسباب کو سمجھ سکیں گے۔
- بہمنی سلطنت اور وجے نگر سلطنت کے مابین ٹکراؤ کے تعلق صحیح سمجھ پیدا ہو گی۔
- بہمنی سلطنت کی جغرافیائی و علاقائی توسیع کی جانکاری حاصل کر سکیں گے۔
- اس توسیع پسندی کے پس پشت معاشی اسباب سے متعارف ہو پائیں گے۔

9.2 بہمنی سلطنت (Bahmani Empire)

1345ء میں دکن میں محمد بن تغلق کے خلاف بغاوت کی قیادت اسمایل مخ نے کی، جسے دکن کے باغی امراء نے دولت آباد میں سریر آرائے سلطنت کیا۔ جب یہ حسن گنگو ظفر خاں کے حق میں اقتدار سے دستبردار ہوا تو اس سلطان محمد بن تغلق نے اس بغاوت کو کچلنے کے لیے

دولت آباد کا محاصرہ کر لیا۔ مگر اسی زمانے میں گجرات و سندھ میں سلطان کے خلاف بغاوت شروع ہو گئی اور سلطان محمد بن تغلق کو بڑی عجلت میں دولت آباد سے گجرات روانہ ہونا پڑا اور شیخ برہان الدین بلگرامی، ملک جوہر اور دیگر امراء کو دولت آباد کے محاصرہ کی ذمہ داری سونپی گئی اور اپنے داماد عماد الملک کو ناپ مقرر کیا۔ لیکن حسن گنگو ظفر خان اور دیگر امرائے دکن و امیران صدہ نے شاہی فوج کو بیدر کے قریب شکست دی اور عماد الملک جو اپنی شجاعت اور دلیری کے لیے مشہور تھا اتفاقاً مارا گیا، جس کے نتیجے میں دولت آباد میں بہمنی سلطنت کی اساس قائم ہوئی۔

9.3 سلاطین بہمنی (Sultans of Bahmani)

9.3.1 علاءالدین حسن بہمن شاہ (Alauddin Hasan Bahman Shah)

ظفر خان جو اب سلطان علاءالدین حسن بہمن شاہ تھا، ایک اولوالعزم انسان تھا۔ تخت نشین ہونے کے بعد یہاں کے صوفیاء و علماء کی حمایت اسے حاصل تھی جو اس کے سیاسی اقتدار کو ایک قانونی جواز فراہم کرتی ہے۔ اپنے مددگار امراء و ماتحت افراد کو عہدہ اور جاگیریں دے کر حسن بہمن شاہ نے ایک نئی روایت کی ابتداء کی۔ اس نے غیر مسلم عوام سے جزیہ نہ لینے کا حکم دیا۔ دکن کے ہندو حکمرانوں کو اس نے اپنے ماتحت کیا۔ محمد قاسم فرشتہ کے مطابق ''بہمن شاہ'' کا لقب اس نے اپنے دلی کے سرپرست و آقا گنگو برہمن کو احترام پیش کرنے کے لیے اختیار کیا تھا۔ ایک دیگر روایت کے مطابق اس نے اپنا شجرہ نسب ایران کے افسانوی شہنشاہ اسفندیار اور بہمن سے جوڑا اور اپنے آپ کو اس کی نسل سے بتایا۔ محمد بن تغلق اور سلطان فیروز شاہ تغلق کے دربار سے وابستہ مورخ ضیاءالدین برنی لکھتا ہے کہ حسن بہمن شاہ برہمن نسل سے تھا، جو بنیادی طور پر پنجاب کا رہنے والا اور اسلام میں داخل ہو گیا تھا۔ نیز بہمن، برہمن کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اس نظریہ کو ایس۔ اے کیو چینی نے خارج کیا ہے۔ علاءالدین حسن بہمنی ایک افغان یا ترک نسل سے تعلق رکھتا تھا۔ انسائیکلوپیڈیا ایرانیکا میں اسے ایک اولوالعزم خراسانی تحریر کیا ہے، جس نے بہرام غور کے خاندان سے ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ بہر حال علاءالدین حسن بہمن شاہ ایک اولوالعزم سلطان تھا، جس کے اپنے عہد میں بہمنی سلطنت کے طول و عرض میں دریائے کرشنا تک تمام علاقے موجودہ مہاراشٹرا، کرناٹک، تلنگانہ اور آندھرا پردیش کے کچھ علاقوں تک پورے دکن میں پھیلی ہوئی تھی۔ اور اپنے دور حکومت کے آخری ایام میں مغربی ساحل سمندر کی دابل بندرگاہ کو شامل سطنت کیا تھا، جو اس زمانے کی ایک اہم تجارت بندرگاہ تھی۔

9.3.2 محمد شاہ اول (Muhammad Shah I, 1358–1375)

علاءالدین بہمن شاہ کے انتقال کے بعد اس کا بڑا لڑکا محمد شاہ اول تخت نشین ہوا۔ یہ ایک قابل منتظم اور جنرل تھا۔ اس نے اپنے دور حکومت میں ملکی نظم و نسق کی بہترین تنظیم کی۔ ہندوستان میں سب سے پہلے جنگی حربے کے طور پر بارود کا استعمال اس کے عہد میں شروع و متعارف ہوا تھا۔ جو سلطنت کے حفاظتی نقطہ نظر سے ایک انقلابی آفرین پیش رفت تھی۔ بارود کے استعمال کے بعد قلعہ جات کی تعمیری نقشے میں حفاظتی نقطۂ نظر سے اہم تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ اس کا عہد حکومت

جنگ وجدال کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔ محمد شاہ اول کے عہد میں ہی وجے نگر اور ورنگل پر فتح حاصل ہوئی تھی اور انہیں صلح کرنے کے لیے مجبور کیا۔ 1360ء میں جب محمد شاہ اول کی والدہ حج کے لیے گئیں تو اس نے خلیفہ مصر المعتضد باللہ سے رسمی سند خلافت حاصل کر کے اپنے نام کے سکے اور خطبہ جمعہ میں اپنا نام شامل کروایا، جو اس کے جواز کی تصدیق کے طور پر تھا۔

9.3.3 علاءالدین مجاہد شاہ (Alauddin Mujahid Shah, 1375–1378)

محمد شاہ اول کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا علاءالدین مجاہد شاہ تخت نشین ہوا۔ اس نے بھی وجے نگر کے خلاف مہم آرائی کی۔ اسی کے عہد میں ایران، ماورانہر، عراق و عرب سے آئے لوگ کو طبقہ امراء میں شامل کیا گیا۔ یہ گروپ آگے چل کر آفاقی (غریب الدیار) کہلایا۔ مجاہد شاہ کے خلاف جلد ہی اس کے چچازاد بھائی داؤد کی سازشوں کے چلتے اس کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اور داؤد نے تخت پر قبضہ کر لیا۔ لیکن یہ مشکل تمام ڈیڑھ ماہ کے عرصے میں مجاہد شاہ کے رشتہ داروں کی ایما پر اس کا قتل ہو گیا۔

9.3.4 محمد شاہ دوم (Muhammad Shah II,1378–1397)

امراء اور فوجی افسران کی مدد سے محمد شاہ دوم بہمنی سلطنت کے تخت پر بیٹھا۔ یہ علاءالدین بہمن شاہ کے بیٹے محمود خان کا بیٹا تھا۔ یہ ایک امن پسند اور علم کا قدر دان شخص تھا۔ اس نے اپنی پڑوسی ریاستوں سے دوستانہ تعلقات استوار کیے۔ اس کی توجہ کا مرکز تعمیرات تھیں۔ اس نے اپنے عہد میں بہت سے مدرسے اور مساجد تعمیر کروائیں۔ اس کے عہد میں ایک مرتبہ شدید قحط پڑا جس کا اس نے پامردی سے مقابلہ کیا اور عوام کے لیے ممکن سہولت فراہم کی۔ اس نے غلہ و اناج کی فراہمی کا معقول بندوبست کیا۔ عوامی فلاح و بہبود کے لحاظ سے اس کا دور انتہائی اہم ہے۔ 20 اپریل 1397ء میں اس کے انتقال کے بعد اس کے دو نااہل بیٹے غیاث الدین تہمتن شاہ اور شمس الدین شاہ یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے، جو امیر تغلچین کے ہاتھوں ایک کٹھ پتلی بن گئے۔ غیاث الدین صرف سترہ سال تھا۔ اسے دو مہینے بعد ہی ترکی غلام تغلچین نے گدی سے اتار دیا اور ذاتی بغض اور غصے میں غیاث الدین کو اندھا کر دیا۔ اس نے غیاث الدین کے سوتیلے بھائے شمس الدین کو تخت نشین کرایا اور خود اس کا قائم مقام بن کر حکومت کرنے لگا۔ علاءالدین کا پوتا فیروز شاہ تغلچین کو اقتدار سے نجات دلانے میں کامیاب ہوا۔

9.3.5 تاج الدین فیروز شاہ (Tajuddin Feroz Shah, 1397–1422)

بہمنی سلطنت کا آٹھواں حکمراں جس کے متعلق برہان الماثر رقم طراز ہے ن ''فیروز شاہ ایک طاقتور حکمراں تھا۔ اس نے ظلم و تشدد کے انسداد کے لیے اپنی تمام ترجمانی اور دماغی قوت وقف کر دیں۔ مشائخ و علماء اور درویشوں کی صحبت میں اسے دلی مسرت حاصل ہوتی تھی۔ اس نے آفاقیوں (ایشیائی غیر ملکی) کو بہمنت سلطنت میں مستقل سکونت پذیر ہونے کی دعوت دی اور انہیں اعلیٰ عہدے بھی دیئے، جس سے آگے چل کر بہمنی امراء دو گروپوں میں آفاقی اور دکنی میں منقسم ہو گئے۔ جو آگے چل کر بہمنی سلطنت کے زوال کا سبب بھی بنے۔ فیروز شاہ بہت سی زبانوں پر قدرت رکھتا تھا۔ 1398ء اور 1406ء میں اس نے وجے نگر کے فتح حاصل کی اور وجے نگر کے راجا نے بطور تاوان کثیر

رقم پیش کی اور اپنی ایک بیٹی فیروز شاہ کے حرم میں بھیجی۔ فیروز شاہ بہمنی نے اپنے دور حکومت میں بڑی تعداد میں ہندوؤں کو انتظامیہ میں داخل کیا، جنہوں نے نظم ونسق میں اہم کردار ادا کیا۔ دولت آباد میں اس نے ایک اسپتال اور صدگاہ تعمیر کروائی۔ فیروز شاہ قرآنی علوم میں اچھی دستگار رکھتا تھا۔ علم فلکیات سے اسے بہت دلچسپی تھی۔ وہ ایک اچھا شاعر اور خطاط بھی تھا۔ آخری دور میں اس کے گلبرگہ کے مشہور صوفی حضرت گیسودراز سے اختلافات ہو گئے تھے۔ اسی کے دور میں 1417ء میں روسی سیاح نکیتن دکن میں آیا تھا۔ اس نے اپنے عہد میں خلیج فارس اور بحر احمر سے ہونے والی بین الاقوامی تجارت کے فروغ میں خصوصی دلچسپی لی۔ 1420ء میں وجے نگر پر ناکام حملے اور پے در پے شکست کے صدمے میں اس کی صحت گرتی چلی گئی۔ وہ اپنے بیٹے حسن خان کو اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا، مگر مخالفت کے سبب ایسا نہ کر سکا۔ اور آخر میں حکومت کے معاملات اپنے دو غلاموں آئین الملک اور نظام الملک کے سپرد کر کے کنارہ کش ہو گیا اور اس کا بھائی احمد شاہ فوج کشی کر کے تخت پر قابض ہو گیا۔ ستمبر 1422ء میں سلطان فیروز شاہ بہمنی کا انتقال ہو گیا۔

9.3.6 شہاب الدین احمد شاہ (Shahabuddin Ahmed Shah, 1422–1436)

تخت نشین ہونے کے بعد اس نے بہمنی سلطنت کی راجدھانی گلبرگہ کی جگہ بیدر کو بنایا۔ اور وہاں ایک شہر احمد آباد' بیدر آباد کیا۔ اس کے عہد حکومت میں بہمنی سلطنت گروہی (آفاقی و دکنی) سیاست فرقہ وارانہ گندگی کا شکار ہوتی گئی۔ سلطان نے ایران کے شیعہ علماء و صوفیاء کو دکن میں مدعو کیا، جس کے نتیجے میں شیعہ سنی جھگڑا تیز ہو گیا۔ خراسان کے اسفرائن شہر کا شاعر شیخ آذری اس کے دربار سے وابستہ ہوا، جس نے بیدر کے محل کی تعریف میں صرف دو اشعار کہے جس کے بدلے سلطان نے ایک کثیر رقم آذری کو بطور انعام دی۔ اسی کے محل کے دروازے پر ان دو اشعار کو گندہ کرایا گیا۔ حالانکہ اس کا عہد مذہبی راسخ العقیدگی اور انصاف کے لیے مشہور ہے اور ساتھ ہی اس کا تعلق و عقیدت صوفی حضرت گیسودراز سے ہونے کے سبب اسے تاریخ میں احمد شاہ ولی اور صوفی ولی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ احمد شاہ نے بہمنی سلطنت کا وقار بحال کیا اور وجے نگر کے خلاف ایک کامیاب مہم میں وجے نگر کے راجا کو صلح کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ راجا نے بیش بہا تحائف دے کر امان حاصل کی۔ 1424ء میں احمد شاہ کے جنرل خان اعظم نے ورنگل پر قبضہ کر لیا تھا جس کی وجہ سے کافی مال و دولت حاصل ہوا۔ اس نے مالوہ کے سلطان بوشنگ شاہ کو بھی شکست دی اور کونکن کے بہت سے ہندو راجاؤں کو باجگذار بنایا۔ 17 اپریل 1436ء میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کی موت کے بعد اس کا بڑا لڑکا علاء الدین ثانی کے نام سے تخت نشین ہوا۔

9.3.7 علاء الدین احمد دوم شاہ (Alauddin Ahmed II Shah, 1436–1458)

حالانکہ یہ اپنے باپ کی طرح ایک قابل حکمراں نہیں تھا۔ اس کے دور حکومت میں آفاقی امراء کی آمد پہلے کے مقابلے زیادہ بڑھ گئی۔ اسی کے عہد میں ایک انتہائی اہم شخصیت بطور تاجر محمود گاوان کی شکل میں وارد دکن ہوئی، جسے ملک التجار کا خطاب عطا کیا گیا۔ آگے چل کر بہمنی سلطنت میں اسے انتہائی عروج حاصل ہوا۔ احمد شاہ دوم نے تخت نشینی کی جنگ میں اپنے بھائی کو شکست دی تھی، لیکن اسے معاف کرنے کے بعد رائچور کا صوبہ دار بنایا گیا۔ احمد شاہ نے کونکن پر فوج کشی کی اور راجہ نے اپنی خوبصورت بیٹی کی شادی سلطان سے کر کے اپنی جان بچائی۔

1443ء میں وجے نگر کو صلح کرنے کے لیے مجبور ہونا پڑا۔ اور آئندہ باج گذار راجہ کی حیثیت سے رہنے کا وعدہ کرنا پڑا۔ اس عہد کے مورخ فرشتہ اور برہان ماثر کے مطابق احمد شاہ دوم نے بہت سے مدروں اور مسجدوں کو تعمیر کروایا اور کئی فلاحی ادارے قائم کیے۔ بیدر میں ایک عالی شان شفاخانہ تعمیر کروایا اور اس کے اخراجات کی تکمیل کے لیے دو عمدہ گاؤں وقف کیے تاکہ ان کی آمدنی سے ادویات اور پانی کی فراہمی کا بندوبست کیا جاسکے۔ احکام شرع کی پابندی پر بہت زور دیتا تھا۔ شراب اور دیگر نشہ آور اشیاء کا حدود سلطنت میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ 6 مئی 1458ء میں اس کا انتقال ہوا اور اس کا لڑکا ہمایوں شاہ تخت نشین ہوا۔

9.3.8 ہمایوں شاہ (Humayun Shah, 1458–1461)

علاءالدین احمد شاہ دوم کی موت کے بعد یہ بہمنی سلطنت کے تخت پر بیٹھا۔ ہمایوں شاہ اپنی سفاکی و قتل کرنے کے لیے کافی بدنام تھا۔ اپنے عہد میں اس کے ان ہی سفاکانہ کاموں کی بنیاد پر لوگ اسے ظالم کے نام سے پکارتے تھے۔ اسے دکن کے نیرو کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس نے اپنے دور حکومت میں غیر ملکی افراد کو اعلیٰ مناصب دیے اور دکنی لوگوں کے مقابلے ان آفاقی لوگوں کو ترجیح دی۔ اس نے آفاقی امیر محمود گانواں کو بیجاپور کا صوبہ دار اور ملک کا نائب (وزیر اعظم) مقرر کیا۔ اس کے عہد میں سکندر خاں اور اس کے باپ جلال خاں سے تلنگانہ میں بغاوت کی۔ ایک بغاوت راجدھانی میں اس کی اور اس کے وزراء کی غیر موجودگی میں ہوئی۔ ان بغاوتوں کو بڑی رحمی سے کچل دیا گیا۔ جس کی مثال بہمنی سلطنت میں نہیں ملتی۔ حالانکہ اس کی بیوی مخدومہ جہاں اور محمود گانواں بھی اس سفاکی کو روکنے میں ناکام رہے۔ ستمبر 1461ء میں اس کی موت کے بعد لوگوں نے اطمینان کی سانس لی۔ کہا جاتا ہے کہ ''اس کی خدمت گاروں نے اسے نشہ کی حالت میں قتل کر ڈالا۔ وہ اس کی سنگ دلی اور حیوانیت سے تنگ آچکے تھے۔'' اس کے بعد اس کا بیٹا نظام شاہ سلطان بنا۔

9.3.9 نظام شاہ (Nizam Shah, 1461–1463)

تخت نشینی کے وقت نظام شاہ صرف آٹھ سال کا تھا۔ ہمایوں نے مرنے سے قبل نظام شاہ کی ماں ملک شاہ ترک 'خواجہ جہاں اور محمود گانواں کو اس کا سرپرست و اتالیق بنایا گیا۔ اس کونسل کی مدد سے سلطنت کے کام انجام دیے گئے۔ نظام شاہ کے عہد میں محمود گانواں نے بہمنی سلطنت کی دل و جان سے خدمت کی اور اپنی مدبرانہ سیاست و سیادت سے بہمنی سلطنت کو بام عروج پر پہنچادیا۔ حالانکہ نظام شاہ کے عہد حکومت میں تلنگانہ اور اڑیسہ کے حکمرانوں نے شدید حملہ کیا اور مالوہ کے سلطان محمود اول نے ایک شدید حملے میں دارالخلافہ کا محاصرہ کرلیا، مگر گجرات کی مدد سے بہمنی افواج مالوہ کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا۔ 30 جولائی 1463ء میں سلطان کی اچانک موت نے بہمنی سلطنت کو ایک مرتبہ پر متزلزل کردیا۔

9.3.10 محمد شاہ سوم (Muhammad Shah III, 1463–1482)

نظام شاہ کی اچانک موت کے بعد اس کے کمسن بھائی جس کی عمر اس وقت نو سال تھی، نظام شاہ کے زمانے میں قائم مقام مجلس حکومت کے کام انجام دیتی رہی۔ لیکن خواجہ جہاں کی حوصلہ مندی نے اختلافات کو ہوا دی۔ اس نے محمود گانواں کو دارالخلافہ سے ہٹا کر اس کو

بہمنی سلطنت کی سرحد پر تعینات کر دیا گیا۔ ملکہ خواجہ جہاں اس کی نیت کو سمجھ گئیں۔ نتیجتاً اپنے لڑکے کے ذریعہ خواجہ جہاں کو سزائے موت دلوادی۔ بعدہٗ محمود گانواں کو دارالسلطنت بلایا گیا اور امیر الامراء کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔ محمد شاہ سوم جب پندرہ سال کا ہو گیا تو اس کی والدہ ملکہ نے سلطنت کی فرائض سے سبکدوشی اختیار کر لی۔ اور 1472ء میں بانکاپور کے راجہ ہیر کن کے خلاف محاصرہ کے دوران کیمپ میں ملکہ کا انتقال ہو گیا، جن سے آخر وقت تک محمد شاہ سوم امور سلطنت میں مشورے لیا کرتا تھا۔ محمد شاہ سوم فیروز شاہ کے بعد بہمنی سلاطین میں ایک عالم فاضل شخص تھا۔ ساتھ ہی وہ بہت اولوالعزم، جوشیلا اور مستعد سلطان اور ایک بہادر سپاہی تھا۔ شراب نوشی کا عادی تھا جو اس کے لیے موت کا سبب بھی بنی۔ اس کے عہد میں سلطنت میں محمود گانواں کی بڑھتی اہمیت و مقبولیت امراء کے ایک طبقے کو راس نہ آئی اور انہوں نے محمود گانواں کے خلاف سلطان کے کان بھرے۔ سلطان ان کی باتوں میں آگیا اور جس کے نتیجے میں 5 اپریل 1481ء میں اس نے محمود گانواں کو سزائے موت دے دی۔ اپنی اس حماقت کا احساس ہونے پر شرمندگی اور صدمے کی وجہ سے 26 مارچ 1482ء کو انتقال کر گیا۔

9.3.11 محمود شاہ دوم (Mahmud Shah II,1482–1518)

محمود شاہ دوم محمد شاہ سوم کا بیٹا تھا اور سلاطین میں حقیقی طور پر طاقت و اقتدار پر اختیار رکھنے والا آخری سلطان ثابت ہوا۔ ملک حسن نے ایک معمولی سی تاجپوشی کی رسم ادا کر کے بارہ سالہ محمود شاہ دوم کو بہمنی سلطنت کا سلطان بنایا۔ اس میں سلطان بننے کی صلاحیت نہ تھی۔ آہستہ آہستہ تمام اہم امراء اس سے بد ظن ہوتے گئے۔ برار، احمد نگر، بیجاپور اور گولکنڈہ کے صوبہ داروں نے اپنے آپ کو مرکز سے علیحدہ کر لیا اور آگے چل کر خود مختاری کا اعلان کر دیا اور بہمنی سلطنت بیدر تک محدود رہ گئی۔ 27 دسمبر 1518ء میں محمود شاہ کا انتقال ہو گیا۔ محمود شاہ دوم کے انتقال کے بعد یکے بعد دیگر اس کے چار لڑکے بہمنی سلطنت کے تخت پر بیٹھے۔ نائب السلطنت (وزیر اعظم) امیر علی برید اول نے سب سے پہلے احمد شاہ سوم کو تخت نشین کرا کر 27 دسمبر 1518 تا 15 دسمبر 1520 تک حکومت کی۔ اس کے بعد علاءالدین شاہ سوم نے 15 دسمبر 1520 تا 5 مارچ 1521 تک سلطنت سنبھالی۔ اس نے امیر علی برید سے آزاد ہونے کی کوشش کی، جس کے نتیجے میں اس کو تخت شاہی سے اتار کر قید کر لیا گیا بعدہٗ قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد ولی اللہ شاہ نے 5 مارچ 1521 تا 1524 تک حکومت کی۔ اس کی یہ تین سالہ سلطنت برائے نام تھی۔ اس کا حشر بھی علاءالدین کی طرح ہوا۔ بہمنی سلطنت کا آخری سلطان کلیم شاہ کا دور حکومت 1524 سے 1527 تک پھیلا ہوا ہے۔ اس نے امیر علی برید سے گلو خاصی چاہی اور بابر بادشاہ تک کو خط لکھا۔ بابر نے کوئی جواب نہ دیا۔ امیر علی برید کو اس کی خبر لگ گئی۔ نتیجتاً کلیم اللہ شاہ بیجاپور بھاگ گیا، مگر وہاں پر کوئی پذیرائی نہ ہونے کے سبب وہ احمد نگر چلا گیا اور کچھ عرصہ بعد 1527ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ بعدہٗ بیدر میں اس کی تدفین عمل میں آئی اور اس طرح خاندان بہمن شاہ کا خاتمہ ہو گیا۔ بہمنی سلطنت کی کل مدت حکومت آغاز سے اختتام تک 180 سال رہی۔ اسی سلطنت نے دکن پر بڑے گہرے تہذیبی و سیاسی اثرات مرتب کیے۔

9.3.12 محمود گانواں (Mahmud Gawan)

محمود گانواں اپنے وقت کا ایک بہترین منتظم، مدبر، سیاست داں تھا۔ بہمنی سلطنت کو وسعت دینے اور مضبوط بنیادوں پر مستحکم

کرنے میں اور انتظامی ڈھانچے میں انقلابی تبدیلی لانے میں اس نے اہم کردار ادا کیا۔ خواجہ محمود گانواں کا تعلق ایران کے شہر گاواں سے تھا۔ وہ نہ صرف ایک سیاسی مدبر، منتظم اور سپہ سالار تھا بلکہ اسلامی علوم و فنون، فارسی زبان اور ادب اور ریاضی کا بھی زبردست عالم تھا۔ ساتھ ہی ادبی و ثقافتی دلچسپی کا حامل شخص تھا۔ وہ علم اور علماء کا مداح اور سرپرست تھا۔ اس نے بہمنی سلطنت کے ایران، عراق، مصر اور جیلان کے حکمرانوں سے خوشگوار تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی اور ان کے ساتھ مسلسل خط و کتابت کی۔ محمود گانواں نے بہمنی سلطنت کے دونوں گروپوں آفاقی اور دکنی امراء کا اعتماد اور تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی اور عام درستی اور مصالحت کی پالیسی کو اپنایا تاکہ بہمنی سلطنت کو مستحکم کیا جاسکے۔ اس کے لیے اس نے بہمنی سلطنت کے نظم و نسق کے ڈھانچے میں اہم تبدیلیاں بھی کی تھیں۔ ساتھ ہی ساتھ بہمنی سلطنت کی حدود کو وسعت دے کر ترقی کی بلندی تک پہنچایا تھا۔ اس کی ان تمام کامیابیوں اور اثر و رسوخ اور سلطان سے تعلقات کے سبب دربار میں اس کے مخالفین کی تعداد بڑھ گئی، جنہوں نے محمد شاہ سوم جو ایک نو عمر سلطان تھا کہ اتنے کان بھرے کہ اس نے 1481ء میں محمود گانواں کو بغاور کے جرم میں قتل کروادیا۔ اس کی موت کے بعد بہمنی سلطنت تیزی کے ساتھ تنزلی کا شکار ہوتی چلی گئی۔

9.4 سلطنت کی توسیع (Expansion of the Empire)

علاء الدین بہمنی شاہ کے عہد 1347 سے لے کر 1422 یعنی احمد شاہ کے تخت نشین ہونے تک تمام سیاسی سرگرمیوں کا مرکز دارالسطنت گلبرگہ تھا۔ احمد شاہ نے اپنے لیے نئے دارالسلطنت بیدر کا انتخاب کیا جو اب گلبرگہ کی جگہ بہمنی سلاطین کا سیاسی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ جب بہمنی سلطنت کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی جنوبی ہندوستان میں ایک اور اہم سلطنت وجے نگر کا قیام بھی ہوا تھا۔ اور اڑیسہ کے علاقے میں گجپتی حکمرانوں کی سلطنت تھی۔ وجے نگر اور بہمنی سلاطین کے درمیان تنگ بھدرا دوآب کرشنا گوداوری ندیوں کا ڈیلٹا اور مراٹھواڑا کا میدانی علاقہ ٹکراؤ اور کشمکش کا بنیادی سبب تھا، کیونکہ یہ علاقے اپنی زرخیزی، معاشی وسائل اور دولت سے مالا مال تھا۔ اور ہر سلطنت ان علاقوں اور اس کے وسائل پر کنٹرول کرنا چاہتی تھی۔ ساتھ ہی کونکن کے ساحل پر واقع گوا اور ۔۔۔۔۔۔۔ کی بندرگاہ بھی غیر ملکی تجارت کے لحاظ سے اہم مرکز تھیں۔ ان سلطنتوں کے مسلسل باہمی ٹکراؤ کے پیچھے یہی عوامل کارفرما تھے جو ان سلطنتوں کے خاتمے تک پورے عرصے جاری رہے۔

بہمنی سلطنت کے قیام کے بعد تھوڑے عرصے میں ہی آندھرا پردیش میں کوٹ گیری، مہاراشٹرا میں کندھار، کرناٹک میں کلیانی، تلنگانہ میں بھونگیر، گلبرگہ صوبہ میں ساگر، کھیم بھومی، مال کھیر، سیرم، مہاراشٹرا میں کلیان، مرام، اکل کوٹ مہندری، مالوہ میں مانڈہ وغیرہ علاقے فتح کر لیے گئے اور یہاں کے راجاؤں کو بہمنی سلطنت کے مطیع ہونا پڑا۔ اور یہاں کے باشندوں کو جان و مال و عزت کی پوری طرح امان دی گئی۔ مدھول کی فتح کے بعد اس کے حکمراں نرائن کو واپس کر دیا گیا، کیونکہ یہ راجا سلطان کا دست راست بن گیا۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ شمال میں مانڈو سے جنوب میں رائچور اور مشرق میں بھونگیر سے مغرب میں دابھول اور گوا تک کے سارے علاقے بہمنی سلطنت کا حصہ یا اس کے مطیع ہو چکے تھے۔ یہ علاقے خاص طور پر تنگ بھدرا دوآب رائچور مغربی ساحل پر گوا ایسے علاقے تھے جو وقتاً فوقتاً کبھی بہمنی تو کبھی وجے

نگر کے حکمرانوں کے قبضے میں ہوتے تھے۔ ساتھ ہی دونوں طاقتوں کا مقصد دکن کے علاقے میں اپنی اپنی بالادستی قائم کرنا تھا۔ ساتھ ہی بہمنی سلطنت کا مطالبہ وجے نگر سے خراج وصول کرنے بنا رہا اور اس کے لیے بار بار فوجی طاقت کا استعمال کرنا پڑا، جس کے نتیجے میں تنگ بھدرا کے علاقے پر بار بار حملے ہوتے رہے اور یہ علاقہ کبھی کسی ایک کے تو کبھی دوسرے کے قبضے میں جاتا رہا اور نتائج تباہ کن جنگوں کی شکل میں سامنے آئے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ دونوں طاقتوں کا مشترکہ قبضہ تنگ بھدرا دوآب قائم ہو گیا۔ ایک جنگ میں وجے نگر نے گوا کو بہمنی سلطان سے حاصل کر لیا۔ کھیر لہ موجودہ مدھیہ پردیش کے علاقے کے راجہ کو بہمنی سلطان کے خلاف وجے نگر، مالوہ، خانیش کے حکمرانوں کی حمایت بھی مل جاتی تھی، لیکن ایک جنگی مہم میں بہمنی سلطان کے آگے کھیر لہ کے راجہ نے شکست تسلیم کی۔ راجمندری اور ویلاما جو تلنگانہ کے علاقے تھے ان کو کبھی بہمنی تو کبھی وجے نگر کے حکمرانوں کی حمایت مل جاتی تھی۔

جب بہمنی دارالسلطنت بیدر منتقل ہو گیا جو فوجی نقطہ نظر سے بہت اہم جگہ تھی۔ 1526-1422 کے دوران اس علاقے پر کنٹرول کے لیے وجے نگر سے فوجی کشمکش بنی رہی۔ اس دوران ورنگل کو بہمنی سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔ اور گجرات اور مالوہ کے خلاف بھی بہمنی سلاطین کی جدوجہد جاری رہی جس میں مالوہ کے ہوشنگ غوری کو کامیابی ملی، مگر گجرات کے حکمراں نصیر الدین احمد شاہ کے خلاف ناکام ثابت ہوئے۔ لیکن سنگمیشور اور خاندیش کے حکمرانوں نے بہمنی سلطنت کے اقتدار کو تسلیم کر لیا۔ لیکن گجرات مہم کی ناکامی کا بنیادی سبب اس مہم کے دوران آفاقی اور دکنی امراء کے درمیان گروہی شدید اختلاف تھے جس کے نتیجے میں دکنی امراء کو سزا دی گئی اور آفاقی امراء نے دوبارہ دربار میں اپنی پوزیشن کو مستحکم کیا۔ اور محمود گانواں کی عزت و توقیر میں اضافہ ہوا۔ محمود گانواں نے پہلے مالوہ فتح کیا۔ اس نے ہبلی، بلگام اور باگل کوٹ پر فتح حاصل کر کے بہمنی سلطنت کا حصہ بنایا اور ساتھ ہی ممبئی کرناٹک کے علاقے بہمنی سلطنت کے اقتدار کا حصہ بن گئے۔ اس کا سب سے اہم فوجی کارنامہ ڈھابول اور گوا پر فتح تھی۔ گوا مغربی ساحل کی سب سے اہم و مشہور تجارتی بندرگاہ تھی جو وجے نگر سلطنت کا ایک طرح سے محفوظ علاقہ تھا۔ محمود گانواں کی اس فتح کے سبب وجے نگر کی ساکھ کو بڑا دھچکا لگا، کیونکہ ان بندرگاہی شہروں پر کنٹرول سے ایران کی خلیج فارس اور بحر احمر کی انتہائی منافع بخش تجارت میں زبردست اضافہ ہوا۔ اور اس کی فوجی قیادت نے اڑیسہ سے ممبئی کونکن مغربی گھاٹ کے تمام علاقوں کو اپنے زیر نگین کر لیا اور بہمنی سلطنت کی حدود کو انتہائی عروج پر پہنچا دیا۔

9.5 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

1345ء میں ایرانی صدہ کی اسمایل مخ کی قیادت میں بغاوت کے نتیجے میں دکن کا دہلی سلطنت سے رشتہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا اور ایک آزاد ریاست وجود میں آئی۔ بعدہٗ اسمایل مخ کا علاءالدین بہمن شاہ کے حق میں دستبردار ہونے کے بعد بہمنی خاندان کی سلطنت قائم ہوئی، جس نے دریائے کرشنا کے علاقے موجودہ مہاراشٹرا، کرناٹک، تلنگانہ، آندھرا پردیش کے کچھ علاقوں کو فتح کر کے بہمنی سلطنت کی توسیع کی۔ بعد کے سلاطین محمد شاہ اول کے عہد (1375-1358) میں بارود کے استعمال سے قلعوں کی تعمیراتی منصوبہ میں تبدیلی ہوئی اور بارود ایک اہم جنگی ہتھیار بن گیا۔ مجاہد شاہ (1378-1375) کے عہد میں وجے نگر کے خلاف مہم جوئی ہوئی۔ اسی کے دور میں آفاقی لوگ طبقہ امراء

میں داخل ہونا شروع ہوئے۔ محمد شاہ دوم (1397-1378) جو ایک امن پسند اور علم دوست حکمراں تھا، اس نے پڑوسی ریاستوں سے دوستانہ تعلقات قائم کیے۔ فیروز شاہ (1422-1397) نے ظلم و تشدد کے انسداد کی بھرپور کوششیں کیں۔ فیروز شاہ کئی زبانوں میں مہارت رکھتا تھا اور علماء و فضلاء کی صحبت کو پسند کرتا تھا۔ اس کے عہد میں بین الاقوامی تجارت کو فروغ حاصل ہوا۔ احمد شاہ 142201436) کے دور میں گلبرگہ کی جگہ بیدر کو دارالسلطنت بنایا گیا۔ اسی کے عہد میں بہمنی سلطنت میں شیعہ سنی کا نزاع پیدا ہوا۔ وجے نگر کے خلاف ایک فوجی مہم میں کامیابی حاصل کی اور مالوہ کے ہوشنگ شاہ کو بھی شکست دی۔ کونکن کے راجاؤں کو بھی اپنا باجگذار بنایا۔ احمد شاہ دوم (1458-1436) کے عہد میں آفاقی امراء کی آمد بڑھی اور محمود گانواں کی شکل میں ایک عمدہ فوجی جنرل، سیاسی مدبر اور علم دوست شخص کا عروج حاصل ہوا۔ اس کے عہد میں فلاحی کاموں پر توجہ مرکوز ہوئی۔ ہمایوں شاہ (1461-1458) کا عہد ظلم و سفاکی کے لیے یاد کیا جاتا ہے۔ اس نے اپنے جانشین نو عمر آٹھ سالہ بیٹے نظام شاہ (1463-1461) کو حکمرانی میں مدد دینے کے لیے ایک کونسل ملکہ شاہ ترک، خواجہ جہاں اور محمود گانواں پر مشتمل بنائی تھی۔ اس کے عہد میں مالوہ، تلنگانہ، اڑیسہ اور مالوہ کے حکمرانوں نے شدید حملے بہمنی سلطنت پر کیے۔ محمد شاہ سوم (1482-1463) جو کمعمری میں سلطان بنا تھا اس کے عہد میں مذکورہ بالا کونسل حکمرانی میں مدد کے لیے موجود تھی۔ اسی کے عہد میں محمود گانواں کو امیر الامراء کا خطاب ملا۔ یہ ایک جوشیلا اور اولوالعزم سلطان تھا۔ اس کے انتقال کے بعد بہمنی سلطنت زوال کا شکار ہوتی چلی گئی۔ محمود شاہ دوم (1518-1482) حقیقی طور پر طاقت و اقتدار کا مالک سلطان تھا۔ لیکن اس کے انتقال کے بعد وزیر اعظم امیر علی برید اول نے یکے بعد دیگرے چار سلطانوں احمد شاہ (1520-1518)، علاءالدین شاہ سوم (1521-1520)، ولی اللہ شاہ (1524-1521) اور کلیم اللہ شاہ (1527-1524) کو تخت پر بٹھایا اور یہ سلاطین امیر الامراء امیر علی برید اول کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنے رہے۔ اول الذکر تین سلطانوں کو امیر علی برید اول نے قتل کر دیا اور آخری سلطان کلیم اللہ شاہ احمد نگر چلا گیا جہاں اس کی موت ہو گئی اور بعدہٗ سلطنت بہمنی پانچ آزاد ریاستوں بیدر، برار، احمد نگر، بیجاپور اور گولکنڈہ میں منقسم ہو گئی۔ تمام سلاطین بہمنی کے دور میں وجے نگر، مالوہ، اڑیسہ اور گجرات کے حکمرانوں سے جنگیں ہوتی رہیں۔ وجے نگر اور بہمنی سلطنت کے درمیان نزاع کا علاقہ تنگ بھدرا دوآب، کرشنا گوداوری ڈیلٹا، رائچور اور کونکن بنا رہا۔ جو کبھی وجے نگر تو کبھی بہمنی سلطنت کے زیر اقتدار آتا رہا اور جاتا رہا۔

9.6 کلیدی الفاظ (Keywords)

اولوالعزم	:	جوشیلا، پختہ ادارے کا مالک
جزیہ	:	اسلامی حکومت میں غیر مسلموں سے لیے جانا والا ٹیکس
زمام	:	باگ ڈور
گلوخاصی	:	آزادی
گج پتی	:	ہاتھوں کے مالک
آفاقی	:	غریب الدیار، غیر ملکی

9.7 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

9.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. امیر ان صدہ نے کس سال بغاوت کی؟
2. یہ بغاوت کس کی حکومت کے خلاف تھی؟
3. اس بغاوت کی قیادت کس نے کی؟
4. حسن گنگو کس سال دکن کا سلطان بنا؟
5. بارود کا استعمال سب سے پہلے کس سلطان کے عہد میں ہوا؟
6. آفاقی امراء سے کیا مراد ہے؟
7. فیروز شاہ کے حرم میں کس ریاست کے راجا نے اپنی بیٹی کو بھیجا تھا؟
8. روسی سیاح نکیتن کس بہمنی سلطان کے عہد میں آیا تھا؟
9. کس سلطان نے گلبرگہ کی جگہ بیدر کو دارالسلطنت بنایا تھا؟
10. شاعر شیخ آذری کا تعلق کہاں سے تھا؟

9.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. علاءالدین حسن بہمن شاہ کی حکومت کن علاقوں پر تھی؟
2. 'بہمن شاہ' لقب کیوں اور کس نے اختیار کیا؟
3. آفاقی اور دکنی امراء کے درمیان ٹکراؤ کے کیا اسباب تھے؟
4. کس بہمنی سلطان کو ایک صوفی ولی کہا جاتا تھا اور کیوں؟
5. آخری چار بہمن سلاطین کے نام اور ان کی موت کی وجہ کے بارے میں اظہار خیال کریں۔

9.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. تاج الدین فیروز شاہ پر ایک تفصیلی مضمون لکھیے۔
2. محمود گانواں کے حالات کے بارے میں تفصیل سے لکھیں۔
3. بہمنی سلطنت کی توسیع کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ روشنی ڈالیں۔

9.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Nilakanta Sastri, K.A., *A History of South India*: *From Prehistoric Times to the Fall of Vijayanagar*, Oxford University Press, New Delhi, 1997 (first pub. in 1955).
2. Nilkantha Shastri, K.A., and N. Venkata Ramanayya, *Further Sources of Vijayanagara History*, Madras, 1946.
3. Pillai, Manu S., *Rebel Sultans*: *The Deccan from Khilji to Shivaji*, Juggernaut, New Delhi, 2018.
4. Ramakrishna, V. et al eds., *History of Telangana*, Andhra Pradesh History Congress in association with Potti Sreeramulu Telugu University, EMESCO Books, Hyderabad, 2016.
5. Reddy, Srinivas, *Raya*: *Krishnadevaraya of Vijayanagara*, Juggernaut, New Delhi, 2020.
6. Sewell, Robert, *A Forgotten Empire (Vijayanagar)*: *A Contribution to the History of India*, Asian Educational Services, New Delhi, 2000 (first pub. in 1900).
7. Sherwani, H.K. ed., *History of Medieval Deccan* (*1295–1724*), Two Vols., The Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 1973.
8. Sherwani, H.K. *The Great Vazir Mahmud Gawan*, Bombay 1942.
9. Stein, Burton, The New Cambridge History of India: Vijayanagara, Cambridge University Press, New Delhi, 1990.
10. Yazdani, G. ed., *The Early History of the Deccan*, *Parts VII – XI*, Department of Archaeology and Museums, Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 2013 (first pub. in 1960).
11. دکن کے بہمنی سلاطین۔ہارون خان شیروانی۔دہلی1978۔اردو مترجم:رحم علی الہاشمی۔
12. عہد وسطی کا ہندوستان۔پروفیسر ستیش چندر۔اُردو مترجم سید محمد عزیزالدین حسین۔دہلی2003۔
13. جنوبی ہند کی تاریخ۔کے اے نیل کنٹھ شاستری۔اردو مترجم آر کے بھٹناگر۔دہلی2011۔
14. مختصر تاریخ دکن۔مولوی محمد نجم المغنی صاحب قریشی۔حیدرآباد1930۔

اکائی 10۔انتظامی ساخت

(Administration Orgnisation)

اکائی کے اجزاء

10.0 تمہید

10.1 مقاصد

10.2 بہمنی سلطنت سے قبل دکن کا نظم ونسق

10.3 دکن کی اہمیت

10.4 بہمنی سلطنت کا انتظام حکومت

10.4.1 مرکزی حکومت

10.4.2 صوبائی تنظیم

10.4.3 فوجی نظم ونسق

10.4.4 بارود کا استعمال

10.4.5 معیشت

10.5 اکتسابی نتائج

10.6 کلیدی الفاظ

10.7 نمونہ امتحانی سوالات

10.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

10.0 تمہید (Introduction)

دکن میں مسلم سلطنت کا آغاز محمد بن تعلق کی دکن فتح کے ساتھ ہوتا ہے جو دہلی سلطنت کا ایک حصہ تھی، لہٰذا یہاں پر نظم ونسق کی تنظیم وہی تھی جو دہلی سلطنت میں تھی۔ 1347ء میں علاء الدین بہمنی شاہ کے ہاتھوں ایک پہلی آزاد دکنی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ یہ حکمراں طبقہ وہی تھا جو کبھی دہلی سلطنت کا حصہ تھا تو پھر لامحالہ ابتدائی دور میں اسی جیسے انتظامی اداروں کی اساس پر ہی یہاں کا تنظیمی ڈھانچہ معمولی ردوبدل کے ساتھ نافذ کیا گیا، جس میں سلطان کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اور وکیل، وزیر، بخش، قاضی وغیرہ اس کی انتظامیہ کا حصہ تھے۔ محمد شاہ اول کے عہد میں سلطنت کو چار صوبوں (طرف) میں منقسم کیا گیا جو طرف دار کے زیر نگران تھے۔ یہ صوبے گلبرگہ، دولت آباد، بیدر اور برار تھے، جن کی تعداد بعد میں آٹھ ہوگئی۔ وزیر اعظم محمود گاواں کے عہدِ وزارت میں نظم ونسق میں انقلابی تبدیلیاں آئیں۔ بہمنی سلطنت روزِ اول سے ہی وجے نگر، اڑیسہ، مالوہ، گجرات اور دیگر علاقائی عملداریوں کے ساتھ برسرپیکار رہی تھی۔ لہٰذا ایک مضبوط و مستحکم انتظامی ڈھانچے کا ہونا ضروری تھا۔ ان تبدیلیوں کی وجہ سے اس دور میں سلطنت اپنے استحکام اور عروج کی انتہائی بلندی پر پہنچ گئی۔

10.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- بہمنی سلطنت کے ابتدائی دور کے نظمِ حکومت کو جان پائیں گے۔
- انتظامِ حکومت کی ساخت میں آئی تبدیلیوں کو سمجھ سکیں گے۔
- بہمنی فوج کی تنظیم اور اس کے نظم سے واقف ہوں گے۔
- بہمنی سلطنت میں بارود کے استعمال اور اس کی عسکری اہمیت کا اندازہ لگا پائیں گے۔

10.2 بہمنی سلطنت سے قبل دکن کا نظم ونسق

(Administration of the Deccan before the Bahmani Empire)

محمد بن تغلق نے اپنے دکن کے مفتوحہ علاقوں کو 23 مختلف اقالیم (واحد قلیم) یعنی صوبوں میں جیسے دیوگیری (دولت آباد)، تلنگ، جاج نگر (اڑیسہ)، دوار سمندر، مرہٹ (مہاراشٹرا)، کمپیلی وغیرہ میں منقسم کیا تھا اور ہر اقلیم کو مدینہ اور شہر (شہری اضلاع) اور شق (دیہی اضلاع) میں تقسیم کیا۔ شق کا افسرِ اعلیٰ شقدار تھا۔ اس کے ماتحت عامل یا ناظم ہوتے تھے جو امورِ نظم میں اس کی مدد کیا کرتے تھے۔ اقلیم (صوبہ) کا نگران ولی (گورنر) کہلاتا تھا اور سو گاؤں (کبھی زیادہ بھی) کا انچارج یا نگران کو امیر صدہ (جمع امیرانِ صدہ) یعنی سو گاؤں کا نگران افسر۔ یہ امیر صدہ صرف لگان و محصول وصول کرنے والے افسر ہی نہیں تھے، بلکہ اہم فوجی کمانڈر بھی تھے اور مقامی محصولات وصول کرنے والے بھی تھے۔ دراصل یہی والی، شقدار اور امیرانِ صدہ راست طور پر عوام کے رابطہ میں تھے اور یہی امراء حکومت کی تشکیل کرتے تھے۔ لگان محصول وصول کرنے کے لیے ہر شق کو ہزاری اور صدی میں تقسیم کیا گیا تھا، جن کے نگران والی، شقدار، امیرانِ ہزارہ، امیرانِ صدہ

وغیرہ تھے۔ لگان وصول کرنے والے افسران، متصرف، کارکن، چودھری، کلکرنی وغیرہ کہلاتے تھے۔ سب سے زیادہ طاقتور ان 23 اقالیم کا میر نائب (وائسرائے) ہوتا تھا۔ اس کے بعد امیرانِ صدہ تھے جن کے راست کنٹرول میں سوگاؤں ہوا کرتے تھے۔

10.3 دکن کی اہمیت (Importance of Deccan)

دکن میں تنگ بھدرا کا دوآب، کرشناندی اور گوداوری کا ڈیلٹا، رائچور کے علاقے اپنی زرخیزی کی وجہ سے ہمیشہ عسکری کشاکش کے شکار رہے۔ اس کے ساتھ ہی کونکن کا سمندر ساحل اور مغربی گھاٹ کے درمیان پتلی سی زمینی پٹی کا وہ علاقہ جس میں کئی اہم بندرگاہ ہیں واقع تھیں، جیسے گوا، دابھول وغیرہ۔ اس کے علاوہ اس علاقے میں کئی دیگر اہم بندرگاہیں بھی تھیں جو دکن کے علاقے کی ملکی و غیر ملکی تجارت کے لحاظ سے بڑی اہمیت کی حامل تھیں۔ لہٰذا اس علاقے سے حاصل ہونے والے محاصل اور پیداوار پر تسلط قائم رکنے کا مطلب اپنی معیشت کو مضبوطی فراہم کرنا تھا۔ یہی وہ بنیادی اسباب تھے جن کی وجہ سے وجے نگر سلطنت اور بہمنی سلطنت کے مابین ان علاقوں کو لے کر مسلسل جنگیں ہوتی رہیں، جنہوں نے ملکی انتظامی ساخت پر بڑے اہم اثرات مرتب کیے۔

10.4 بہمنی سلطنت کا انتظامِ حکومت (Administration of the Bahmani Empire)

بہمنی سلطنت نے بڑے تزک و احتشام کے ساتھ حکومت کی اور ایک عظیم سلطنت کے سلطان کی طرح اپنے دربار کو آراستہ کیا۔ حسن بہمن شاہ نے اپنے لیے چاندی کا تخت بنوایا جس پر براجمان ہو کر وہ اپنے سارے درباری معاملات انجام دیا کرتا تھا۔ مارچ 1363ء میں محمد شاہ اول کے دورِ حکومت میں جب اس نے تلنگانہ کے راجہ ونایک راؤ کو شکست دی تو اس کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس نے سلطان کے لیے نازیبا الفاظ کا استعمال کیا، جس کی پاداش میں اسے سزائے موت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے باپ کرشن نے سلطان سے صلح کر لی اور گولکنڈہ سلطان محمد شاہ اول کے سپرد کرنا پڑا۔ اس موقع پر اس سلطان کو بہت سے تحائف پیش کیے اور تحفہ میں اپنا شاندار ہیرے جواہرات سے مزین تخت فیروز محمد شاہ اول کو پیش کیا، جو آخری بہمنی سلطان کے عہد تک تمام سلاطین بہمنی کا شاہی تخت تھا۔ سلاطین کے اخلاق کے متعلق اس عہد کی تصنیف نصائح الملوک میں تحریر ہے "سلطان کو اخلاق عالیہ کا مالک ہونا چاہیے اور اس میں اس بات کا ملکہ ہونا چاہیے کہ وہ مختلف کاموں کے لیے صحیح و موزوں لوگوں کا انتخاب کرے، سہل پسند اور عیش پرست کی صحبت سے پرہیز کرے، نیز علماء اور ارباب فہم و فراست کے مشورے قبول کرنے کے لیے سلطان کو ہمیشہ تیار رہنا چاہیے"

10.4.1 مرکزی حکومت (Central Government)

بہمنی سلاطین نے دہلی سلطنت کے ہی نظم و نسق کے ڈھانچے کو معمولی یا بنا کسی تبدیلی کے اپنایا تھا۔ انتظام حکومت کی نوعیت جاگیر دارانہ تھی جس کے تحت صوبائی گورنر ایک متعین علاقہ پر حکومت کرتے تھے۔ سلطان ہی مملکت کا سربراہ ہوتا تھا۔ لامحدود اختیارات کے ساتھ سلطان ہی اقتدار کا سرچشمہ تھا کیونکہ وہ زمین پر خدا کا نمائندہ (ظل اللہ) تھا، حالانکہ سلطان کی طاقت وزراء اور امراء کے اثر اور صلاح

میں محدود ہو جاتی تھی۔ محمود گانواں (1463 تا 1482) کے وکیل سلطنت (وزیر اعظم) بننے سے قبل، جس کو خواجہ جہاں اور ملک التجار کے لقب دربار شاہی سے عطا ہوئے تھے۔ محمد شاہ اول کے عہد کے نظامِ حکومت کے تحت بہمنی سلطنت چار طرفوں (صوبے) دولت آباد، گلبرگہ، برار اور بیدر میں منقسم تھی۔ ہر صوبہ کو طرف کہا جاتا تھا جو ایک طرف دار (صوبہ دار یا گورنر) کے زیر نگین ہوتا تھا۔ شروع میں طرف دار اپنے اپنے صوبوں کے شہری و ملکی اور فوجی دونوں طرح کے امور کا ذمہ دار شخص تھا۔ اور اس زمانے میں قلعے دار یعنی قلعوں کو کماندار طرف دار کے ماتحت ہوا کرتے تھے۔ بہمنی سلطنت میں بیدر میں تلنگانہ کا وہ علاقہ بھی شامل تھا جو ابتداء میں بہمنی سلطنت میں شامل تھا۔ سب سے زیادہ اہم صوبہ گلبرگہ تھا جس میں دار السلطنت احسن آباد، گلبرگہ واقع تھا اور اس کا طرف دار عموماً سلطان سب سے زیادہ نزدیکی اور انتہائی بااعتماد امیر ہوا کرتا تھا۔ ایک صدی قبل سلطان محمد شاہ اول نے جو نظامِ حکومت قائم کیا تھا وہ تقریباً جاگیر دارانہ تنظیم تھی اور ملکی و فوجی افسران کو جو تنخواہیں دی جاتی تھیں وہ جاگیروں و منصوبوں کی آمدنی سے دی جاتی تھیں جو جاگیریں طرف داروں اور قلعہ داروں کو تفویض کی گئیں تھیں۔ محمد گانواں کے دورِ وزارت میں بہمنی سلطنت ایک سمندر (بحر عرب) سے دوسرے سمندر (خلیج بنگال) تک پھیل چکی تھی اور سلطنت اپنا انتہائی عروج حاصل کر چکی تھی۔ لہٰذا محمود گانواں نے سلطنت کی انتظامی نقطۂ نظر سے از سر نو تنظیم کی۔ اس نے سب سے پہلے سلطنت کو چار کے بجائے آٹھ طرف (صوبوں) میں تقسیم کیا۔ برار کو دو، گاول اور ماہور میں، جنیر کے کچھ علاقوں کو صوبہ دولت آباد سے الگ کر کے ایک نئی طرف بنائی۔ اسی طرح راجمندری کو تلنگانہ کے باقی ماندہ حصوں سے الگ کر کے ایک نئی طرف بنائی گئی اور صوبہ گلبرگہ سے بیجاپور کو علیحدہ کر کے ایک مستقل طرف تشکیل دی گئی۔ مرکزی حکومت کا انتظامیہ تین محکموں میں منقسم تھا، یعنی شہری و ملکی (سول)، فوجی اور عدالتی۔

وکیل سلطنت یا وزیر اعظم: یہ تمام ملکی و شہری محکموں کا سربراہ ہوتا تھا جس سے اس کے حکومتی امور میں مدد دینے کے لیے وزیر اور دبیر (سکریٹری) ہوا کرتے تھے۔

صدر الصدور: مذہبی امور اور مدد معاش کی زمینوں کی تفویض کا ذمہ دار اور سربراہ ہوتا تھا اور صوبوں و شہروں میں مفتی کا تقرر کرنا اس کے فرائضِ منصبی میں شامل تھے۔

قاضی القضاء: عدالت و انصاف کے محکمہ کا سربراہ و نگران ہوتا تھا اور عدالتی انصاف دینے کے لیے قاضیوں کا تقرر کرنا اور ملک میں عدل و انصاف قائم کرانے کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی تھی۔

کوتوال: شہروں میں امن و امان بنائے رکھنے، قوانین کا نفاذ اور تمام شہریوں کی حفاظت کی ذمہ داری اس کے امور میں شامل تھی۔

وزیر: مالیات کے امور کا نائب سربراہ جسے ناظر بھی کہا جاتا تھا۔

پیشوا: وکیل سطنت کا مددگار تھا۔

محتسب: ناظر اخلاق عامہ ہوا کرتا تھا۔ غیر اخلاقی کاموں کو روکنے کی ذمہ داری اس کی ہوا کرتی تھی۔

امیر الامراء: فوج کا سپہ سالار ہوتا تھا۔ دار السلطنت میں اس کے ماتحت بہت سے افسران ہوتے تھے۔

طرف دار: صوبہ دار کو کہا جاتا تھا جو اپنی طرف میں مختارِ کل تھا۔ کبھی کبھی طرف دار کو وزیر بھی مقرر کیا جاتا تھا۔

میر نائب: گلبرگہ کے وائسرائے کو کہا جاتا تھا۔ گلبرگہ کی سیاسی اہمیت کے مد نظر یہاں سب سے زیادہ معتمد و معتبر امیر کو متعین کیا جاتا تھا جسے

میر نائب کہتے تھے۔

ایک بار برداری کا افسرِ اعلیٰ بار بردان ہوتا تھا، جس کا کام ان بار برداروں کے ذریعے فوری ضرورت کے وقت بے قاعدہ فوج کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچانے اور ان کی ترغیب بندی اس کے امور میں شامل تھی۔

بخشی یا امور پرواخت: افسران و کارکنان کو تنخواہیں دینے کے کام کا ذمہ دار تھا اور اس کا ریکارڈ اس کی نگرانی میں رہتا تھا۔

خاصہ خیل: سلطان کی حفاظتی دستہ و فوج (باڈی گارڈ) کو کہتے تھے۔ محمد شاہ اول کے دور میں خاصہ خیل چار ہزار بہترین تربیت یافتہ فوج پر مشتمل تھی جو پوری طرح اسلحہ بند یعنی مسلح دستہ اور فوج تھی۔

سلحہ دار: دوسو یکہ جوانان یا سلحہ داروں کا افسر اعلیٰ تھا جو سلطان کے ذاتی اسلحہ کی دیکھ ریکھ کا ذمہ دار تھا۔

مہنیان: جاسوسی کے امور کا انجام دیتا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ ممنوع اشیاء کے استعمال کو روکنے کی ذمہ داری اس کے فرائضِ منصبی میں شامل تھی۔

10.4.2 صوبائی تنظیم (Provincial Administration)

صوبہ کو طرف کہا جاتا تھا جو سرکاری 'پرگنہ اور گاؤں میں انتظامی نقطۂ نظر سے تقسیم کیا گیا تھا۔

نظام الدین احمد شاہ دوم جو کم عمری میں سلطان بنا تھا اس کے عہدِ حکومت میں انتظامِ حکومت سنبھالنے کے لیے ہمایوں شاہ کی وفات پر قائم کی گئی مجلس ارکان ثلاثہ بنائی تھی، جس کے ارکان میں ہمایوں شاہ کی بیوی مخدومہ جہاں 'نرگھس بیگم 'خواجہ جہاں اور محمود گانواں تھے۔ 1466ء میں خواجہ جہاں ترک کے قتل کے بعد محمود گانواں کے وزیر اعظم بننے کے بعد تک بھی یہ مجلس اپنا کام کرتی رہی۔ محمود گانواں کی وزارت کے عہد میں بہمنی سلطنت کو جو عروج حاصل ہوا تھا وہ اس سے پہلے اور بعد میں حاصل نہ ہو سکا۔ محمود گانواں کے دورِ وزارت میں صوبائی نظم و نسق میں بھی اہم تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ صوبوں کے طرف داروں کے اختیارات کو محدود کیا گیا۔ پہلے یہ ملکی اور فوجی امور کا نگران اعلیٰ ہوا کرتا تھا اور اس کو قلعداروں کی تقرری کے اختیارات حاصل تھی۔ ساتھ ہی وہ اپنی مرضی سے مستقل فوجی سپاہیوں کی تعداد میں کمی یا اضافہ کرنے کا اختیار رکھتا تھا۔ اسی طرح وہ جاگیر جو فوجی اخراجات کے لیے مخصوص تھی اس کی آمدنی سے اپنی مرضی کے مطابق جتنا چاہے خرچ کر سکتا تھا۔ محمود گانواں نے طرف داروں کے ان اختیارات میں کافی حد تک کمی کر دی۔ اس کے حکم کے مطابق آئندہ قلعداروں کا تقرر مرکزی حکومت کرنے لگی اور اس طرح طرفدار کا صرف ایک ہی قلعہ کنٹرول باقی رہ گیا۔ تنخواہ تقسیم کرنے والے افسر (بخشی) کو پوری طرح حساب کتاب کا ذمہ دار قرار دیا جو اس نے جاگیر یا منصب سے اسی مقصد کے لیے لیا ہوتا ہے۔ یہ پہلی مرتبہ ہوا تھا جب جاگیر داروں کو سلطان کے سامنے حساب و کتاب کے لیے ذمہ دار بنایا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہر صوبے میں زمین کے ایک حصے کو "شاہی املاک یا خاصہ سلطانی" کے نام سے مخصوص کیا گیا، جس کی آمدنی سلطان کے لیے تھی۔ کاشت کی زمینوں کی پیائش کی گئی اور اسی کے ساتھ ممالک محروسہ میں گاؤں و قصبوں کی حد بندی بھی کی گئی اور اس کا ایک رجسٹر میں اندراج کیا گیا، نیز لگان و محاصل کو متعین کرنے کے احکامات جاری کیے گئے۔ ان اقدامات کی وجہ سے سلطنت کی آمدنی متعین ہو گئی اور امراء و افسران کا کرپشن بھی کم ہوا۔ نتیجے کے طور پر سلطنت کی آمدنی میں اضافہ ہوا۔ لگان کی شرح ایک تہائی تھی۔ مغل بادشاہ اکبر کے زمانے ٹوڈرمل کی زمینی اصلاحات سے دو سو سال قبل ہی اس طرح کی اصلاحات کا نفاذ ہو چکا تھا۔ اس کے

علاوہ دیگر ٹیکس جیسے گھر پر ٹیکس، کانوں پر ٹیکس، تمباکو پر ٹیکس، چراگاہی ٹیکس، تجارت پر ٹیکس بھی محصول کا حصہ تھے۔ ان سے حاصل شدہ رقم شاہی دربار عمارات و محلات کی دیکھ بھال نیز عوامی فلاح و بہبود کے کاموں پر خرچ کی جاتی تھی۔ لیکن محمود گانواں کے قتل کے بعد ان اصلاحات سے صرفِ نظر کیا گیا۔ اس نظام کو بہمنی سلطنت کے بعد دکن کی تمام ریاستوں نے اپنالیا تھا۔

10.4.3 فوجی نظم ونسق (Military Administration)

بہمنی سلاطین کے پاس ایک بڑی اور مستقل فوج تھی، کیونکہ بہمنی سلطنت مسلسل پڑوسی ریاستوں کے ساتھ معرکہ آرائی میں مصروف رہی۔ لہٰذا ایک بڑی فوج کا رکھنا ناگزیر تھا۔ یہ فوج امیر الامراء کی سپہ سالاری میں ہوتی تھی۔ بہمنی فوج پیدل سپاہی، گھوڑ سوار سپاہی، جنگی ہاتھی اور توپ خانہ پر مشتمل تھی۔ اس کے علاوہ سلطان اس کے محل اور دربار کی حفاظت کرنے کے لیے ایک محافظ فوج بھی تھی جسے خاصہ خیل کہا جاتا تھا۔ اس کا سربراہ سرنوبت ہوتا تھا۔ فوج میں سلطان شہاب الدین احمد نے منصب داری نظام کی شروعات کی، جس میں فوجی افسران کو ان کے منصب کی بنیاد پر ان کے خرچ کے لیے جاگیریں دی جاتی تھیں تاکہ وہ اپنے زیر کمان فوجیوں کا خرچ اٹھا سکیں۔ ہارون خان شیروانی لکھتے ہیں کہ ''احمد شاہ نے منصب داری طریقے کو منظم کیا اور سر لشکر کو دو ہزار کا منصب دیا۔ امیر الامراء کو 1500، وکیل کو 1200 کا اور دوسرے امراء کو 100 سے 1000 تک کے مناصب دیے۔ اس نے یہ بھی حکم دیا کہ جن لوگوں کا منصب 1000 سے اوپر ہو وہ اپنا علم و نقارہ اور گلوبند استعمال کرنے کے مجاز ہیں۔ سر لشکر کا اور امیر الامراء کا نقدی منصب وزیر اعظم سے زیادہ ہونے کی یہ وجہ تھی کہ اول الذکر دونوں فوجی کماندار تھے اور اگرچہ فوج کے اخراجات کے لیے ان کے پاس جاگیریں تھیں، مگر انہیں منصب کی رقم سے اپنی حیثیت اور وقار کو برقرار رکھنا پڑتا تھا'' قلعہ دار، قلعوں کے نگران و محافظ تھے جو پہلے طرف دار کے زیر کمان آتے تھے۔ محمود گانواں کے عہد میں یہ راست طور پر مرکزی انتظامیہ کو جواب دہ بن گئے۔ اگر کوئی منصب دار امیر 500 سواروں کا دستہ رکھتا تھا تو اس کو ایک لاکھ سالانہ تنخواہ ملتی تھی۔ یہ ادائیگی نقد اور جاگیر دونوں شکلوں میں ممکن تھی۔ انہیں لگان وصولی کے لیے الگ سے اخراجات دیے جاتے تھے۔ اگر وہ فوجیوں کی مقررہ تعداد رکھنے میں ناکام ہوتا تو اسی تناسب سے اسے رقم شاہی خزانے میں جمع کرنا ضروری تھا۔

مارچ 1481ء میں جب محمد شہ سوم کانچی پورم میں تھا، تب اس کی غیر حاضری میں محمود گانواں کے خلاف ایک سازش رچی گئی، جس کے نتیجے میں 15 اپریل 1481ء میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ محمود گانواں کے قتل کے بعد اس کے ذریعہ کی گئی اصلاحات کو صرفِ۔ طرکیا گیا۔ وزیر اعظم قاسم بریدنے 95-1494 میں چھوٹے منصب داروں کو ذاتی شاہی محافظ فوج میں بھرتی کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد اس کو سرگروہ یا ''حولدار'' کے لقب سے پکارا جانے لگا، کیونکہ یہ قدم بے دلی کے ساتھ اٹھایا گیا تھا، اس لیے یہ چھوٹے جاگیر داروں اور منصب داروں سے آگے نہ بڑھ سکا اور بڑے امراء اس سے پوری طرح محفوظ رہے۔ بہمنی سلطنت کے زوال کے عمل اور پانچ علاقائی ریاستوں بیجاپور، گولکنڈہ، احمد نگر، برار اور بیدر کا قیام جن اسباب کی وجہ سے ہوا تھا، ان میں سے ایک یہ تھا کہ مذکورہ بالا اصلاحات کالعدم ہو گئیں اور پھر طرف داروں نے اپنی قوت اور اقتدار میں بے تحاشہ اضافہ کرنا شروع کر دیا۔ فکولو کونٹی اٹلی کا سیاح جس نے پندرہویں صدی میں جنوبی ہندوستان کی سیاحت کی تھی، نے لکھا ہے کہ یہاں کے فوجی نیزوں، تلواروں، مختلف اقسام کے ہتھیاروں، ڈھالوں اور تیر و کمان کا استعمال کرتے ہیں۔ وہ

آگے لکھتا ہے کہ ہر اول دستہ توپوں اور گولہ باری کے آلات کے ساتھ ہی گھیرا بندی کے ہتھیار کا استعمال کرتے ہیں۔ دورائے بار بوسا جس نے 1500-1517 کے درمیان جنوبی ہندوستان کی سیاحت کی۔ اس نے بھی اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ''فوجی گدا' نیزوں اور تیر و کمان کا استعمال کرتے ہیں'' آگے لکھتا ہے کہ ''مسلمان بلند کجاوے اور ہودے پر سوار ہو کر لڑتے ہیں، ہندو زیادہ تر پیدل لڑتے ہیں جبکہ کچھ گھوڑوں پر سوار ہو کر لڑتے ہیں''

10.4.4 بارود کا استعمال (Use of Gunpowder)

بہمنی سلطان محمد شاہاول کے عہد میں ہندوستان میں پہلی مرتبہ بارود کے استعمال کی شروعات ہوئی، جس کی وجہ سے حفاظتی اور اقدامی طریق کار میں بڑی اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ بارود کے استعمال کا سب سے پہلا تذکرہ محمد شاہ اول کے ذریعے 66-1365 میں قلعہ ادونی کے محاصرہ کے تعلق سے چڑھنے کو ملتا ہے۔ ہارون خان شیروانی لکھتے ہیں ''بارود کی دریافت کے ساتھ ہی مدافعتی آلات کے تخیل میں بنیادی تبدیلی رونما ہوئی اور ہم دیکھتے ہیں کہ بھدی دیواروں کے قلعوں کی جگہ عظیم الشان قلعے تعمیر ہوئے جن کی دیواریں بہت موٹی ہوتی تھیں اور ان میں فصیلوں کے برجوں کے درمیان مضبوط دیواریں (curtains) قائم کی گئی، جن میں سوراخ' برج اور بارود تھے۔ اس قسم کے جو قلعے پہلے پہل تعمیر کیے گئے ان میں ایک نام ''پناہ اسلام'' تھا۔ یہ مقام بھنگر میں واقع تھا اور 75-1374 میں تعمیر کیا گیا تھا'' سلطان محمد شاہ کے عہد میں تنگ بھدرا دوآبے پر وجے نگر کے مطالبہ کو لے کر ہوئی جنگ میں بہمنی سلطنت کے توپخانہ کے رسالے میں رومی اور فرنگی سپاہیوں کی موجودگی کا علم ہوتا ہے اور یہ پہلا موقع ہے جب ہندوستان کی کسی ریاست کے حکمران نے اپنی فوج میں یوروپی لوگوں کو اپنی ملازمت میں داخل کیا تھا۔ وجے نگر کا راجہ دیوارایادوم (46-1425) جب گدی پر بیٹھا تو اس نے اپنی فوج کو مضبوط بنانے اور بہمنی سلطنت کی فوجوں سے مقابلہ کرنے کے لیے اپنی فوج میں بڑی تعداد میں مسلمانوں کو بھرتی کیا کیونکہ وہ بہمنی سلطنت کی فوجی طاقت کی مضبوطی ان کے توانا گھوڑے اور ایک بڑی تیر انداز فوج کو سمجھتا تھا، اس لیے ان سے مقابلہ کرنے کی غرض سے اس نے دو ہزار مسلمان فوجی سپاہیوں کو اپنے ہندو سپاہیوں اور افسران کو تیر اندازی کے فن کو سیکھنے اور مہارت حاصل کرنے کے لیے اپنی فوج میں بھرتی کیا اور ان کو باقاعدہ جاگیریں عطا کیں، حالانکہ وجے نگر سلطنت میں دیوارایا اول کے دور سے بقول فرشتہ ساٹھ ہزار ماہر تیر انداز، اسی ہزار گھوڑ سوار اور دو لاکھ پیدل فوج تھی۔ لیکن اچھے گھوڑوں کے سوداگر عرب تھے جن کی اس دور میں اس تجارت پر اجارہ داری تھی، وہ زیادہ قیمت پر گھوڑے فروخت کرتے تھے، جس سے وجے نگر کی معیشت پر یقیناً بوجھ پڑا ہوگا۔

10.5 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

1347ء میں بہمنی سلطنت کے قیام کے ساتھ ہی یہاں کے سلاطین نے نظم و نسق کے اسی ڈھانچے کو اپنایا جو دہلی سلطنت میں جاری تھا۔ یہ ایک فطری بات تھی کیونکہ دکن کی یہ سلطنت دہلی سے علیحدہ ہو کر ایک آزاد ریاست کی شکل میں وجود میں آئی تھی۔ تو لا محالہ ان ہی یا ان جیسے تنظیمی اداروں کو ہی برقرار رکھنا پڑا۔ دکن سلطنت نے جب اپنی علاقائی توسیع کی اور سلطنت کو کسی قدر استحکام نصیب ہوا تو ہم دیکھتے

ہیں کہ محمد شاہ اول کے عہد میں جاری اس نظام مملکت میں تبدیلیوں کا آغاز ہوا۔ محمد بن تغلق کے زمانے میں دکن کا علاقہ 23 اقالیم مدینہ، شہر، شق میں تقسیم تھا، جو والی، شقدار اور امیران صدہ کی زیر نگرانی ہوتا تھا۔ بہمنی سلطان محمد شاہ اول نے اپنی دکن ریاست کو چار طرف گلبرگہ، دولت آباد، بیدچر اور برار میں منقسم کرکے ان کے نگران طرف دار کو بنادیا جو ملکی اور فوجی امور کا ناظم بھی تھا۔ اقتدار کا مرکز و منبع اور محور سلطان تھا۔ مرکزی حکومت میں وکیل سلطنت بحیثیت وزیر اعظم مملکت کے امور وزیر اور دبیر کے ساتھ مل کر انجام دیتا تھا۔ صدر الصدور اور قاضی القضاۃ مذہبی امور اور عدل وانصاف کے ذمہ دار افسر تھے۔ کوتوال کی ذمہ داری شہری امن وامان بنائے رکھنے اور قانون کے نفاذ کی تھی۔ حکومت کے مالیات کی ذمہ داری امیر جملہ اور وزیر کی تھی۔ وزیر، اشرف، پیشوا، محتسب دیگر اہم وزراء تھے۔ ایک اور انتہائی اہم افسر امیر الامراء تھا جو ایک مستعد و مضبوط فوج بنائے رکھنے کا ذمہ دار تھا، جس کے ماتحت بہت سے افسران اس کے کاموں میں مدد دینے کے لیے موجود تھے۔ بخشی افسران و کارکنان کو تنخواہ تقسیم کرنے والا افسر تھا۔ صوبہ میں طرف دار اپنی طرف کا مختارِ کل تھا جو طرف کے ہر طرح کے امور اپنے نائب افسران کے ذریعہ انجام دیتا تھا، جس کے کنٹرول میں بہت سے قلعے ہوا کرتے تھے، جس کا نگران قلعہ دار تھا۔ محمود گانواں کے عہد میں چار طرف کی بجائے آٹھ طرف ہو گئیں اور قلعے بھیاب مرکز کی نگرانی میں آگئے۔ صرف ایک قلعہ پر طرف دار کا کنٹرول باقی رہ گیا۔ محمود گانواں نے ہر طرف میں زمین کے ایک حصہ کو خاصہ سلطانی کے نام سے محفوظ کرکے اس کی آمدنی سلطان کے لیے مخصص کردی۔ محمود گانواں نے زمینوں کی پیائش کرکے لگان کو متعین کیا اور ان سب کا ریکارڈ تیار کروایا تاکہ بے ایمانی اور کرپشن کو روکا جاسکے۔ بہمنی سلاطین نے ایک بڑی اور مستقل فوج رکھی جو پیدل سپاہیوں، گھوڑ سوار سپاہی، ہاتھی اور توپ خانے پر مشتمل تھی۔ بہمنی سلطنت میں ہی ہندوستان میں سب سے پہلے بارود کا استعمال شروع ہوا، جس نے جنگ میں دفاع حملہ کرنے کی نوعیت بدل دی۔ توپ خانہ بہمنی سلطنت کی فوج کا سب سے اہم حصہ تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ حکومت نے زراعت اور تجارت کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ ملکی اور غیر ملکی تجارت کو ترقی دینے کے لیے اقدامات کیے۔ ایران، عراق، عرب و مصر سے صرف تجارتی تعلقات ہی استوار نہیں ہوئے بلکہ غیر ملکی تجارت کو بڑھاوا ملا۔ نتیجے کے طور پر معیشت نے ترقی کی اور اس خوشحالی کی بنیاد پر ثقافت نے ترقی کی۔

10.6 کلیدی الفاظ (Keywords)

اقلیم	:	ملک، صوبہ، علاقہ
عسکری	:	فوجی
ظل اللہ	:	اللہ کا سایہ
ملک التجار	:	تاجروں کا امیر
تفویض	:	تحویل، حوالگی، سپردگی
صدر الصدور	:	مذہبی امور کا سربراہ
قاضی القضاۃ	:	چیف جسٹس

کجاوہ : اونٹ کی کاٹھی جس پر دو شخص ایک دوسرے کے مقابل بیٹھتے ہیں۔

ہودہ : ہاتھی کی پیٹھ پر بیٹھنے کے واسطے رکھی جانے والی عماری

10.7 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

10.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. بہمنی سلطنت کا قیام کس سن میں ہوا تھا؟
2. بہمنی سلطنت کے بانی کا پورا نام بتایئے۔
3. محمد شاہاول کے عہد میں سلطنت کتنے صوبوں میں تقسیم تھی؟
4. بہمنی سلطنت کی دکن کی کس ریاست میں مسلسل معرکہ آرائی چلتی رہی؟
5. محمود گانواں کا قتل کسن سن میں ہوا؟
6. محمود گانواں نے سلطنت کو کتنے صوبوں میں تقسیم کیا تھا؟
7. بارود کا استعمال کس کے عہد میں شروع ہوا تھا؟
8. وکیل سلطنت کس کو کہتے تھے؟
9. نکولو کونٹی کس ملک کا سیاح تھا؟
10. وجے نگر کا راجہ کس سن میں تخت نشین ہوا؟

10.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. محمد بن تغلق نے فتح دکن کے بعد کس طرح کا نظم کیا تھا؟ تحریر کریں۔
2. دکن کی سیاسی و معاشی اہمیت کی وضاحت کیجیے۔
3. صوبائی نظمِ حکومت پر روشنی ڈالیں۔
4. محمود گانواں کے ذریعہ تشکیلکردہ آٹھ طرف کے بارے میں اظہار خیال کریں۔
5. مجلس ارکان ثلاثہ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ قلم بند کریں۔

10.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. بہمنی سلطنت کے مرکزی نظامِ حکومت کے بارے میں تفصیل سے لکھیے۔
2. بہمنی سلطنت کے فوجی نظم و نسق کو تفصیل سے بیان کیجیے۔
3. بہمنی سلطنت میں بارود کے استعمال کے بعد جنگی معاملات میں کس طرح کی تبدیلیاں واقع ہوئیں؟ وضاحت کیجیے۔

10.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Nilakanta Sastri, K.A., *A History of South India*: *From Prehistoric Times to the Fall of Vijayanagar*, Oxford University Press, New Delhi, 1997 (first pub. in 1955).
2. Nilkantha Shastri, K.A., and N. Venkata Ramanayya, *Further Sources of Vijayanagara History*, Madras, 1946.
3. Pillai, Manu S., *Rebel Sultans*: *The Deccan from Khilji to Shivaji*, Juggernaut, New Delhi, 2018.
4. Ramakrishna, V. et al eds., *History of Telangana*, Andhra Pradesh History Congress in association with Potti Sreeramulu Telugu University, EMESCO Books, Hyderabad, 2016.
5. Reddy, Srinivas, *Raya*: *Krishnadevaraya of Vijayanagara*, Juggernaut, New Delhi, 2020.
6. Sewell, Robert, *A Forgotten Empire (Vijayanagar)*: *A Contribution to the History of India*, Asian Educational Services, New Delhi, 2000 (first pub. in 1900).
7. Sherwani, H.K. ed., *History of Medieval Deccan* (*1295–1724*), Two Vols., The Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 1973.
8. Sherwani, H.K. *The Great Vazir Mahmud Gawan*, Bombay 1942.
9. Stein, Burton, The New Cambridge History of India: Vijayanagara, Cambridge University Press, New Delhi, 1990.
10. Yazdani, G. ed., *The Early History of the Deccan*, *Parts VII – XI*, Department of Archaeology and Museums, Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 2013 (first pub. in 1960).
11. دکن کے بہمنی سلاطین۔ہارون خان شیروانی۔دہلی1978۔اردو مترجم:رحم علی الہاشمی۔
12. عہد وسطی کا ہندوستان۔پروفیسر ستیش چندر۔اُردو مترجم سید محمد عزیزالدین حسین۔دہلی2003۔
13. جنوبی ہند کی تاریخ۔کے اے نیل کنٹھ شاستری۔اردو مترجم آر کے بھٹناگر۔دہلی2011۔
14. مختصر تاریخ دکن۔مولوی محمد نجم الغنی صاحب قریشی۔حیدرآباد1930۔

اکائی 11۔ ریاست، سماج اور ثقافت

(State, Society, and Culture)

اکائی کے اجزاء

11.0		تمہید
11.1		مقاصد
11.2		سلطنت کی نوعیت
	11.2.1	فنِ تعمیر
	11.2.2	تعلیم و تربیت
	11.2.3	تہذیبی لین دین
11.3		اکتسابی نتائج
11.4		کلیدی الفاظ
11.5		نمونہ امتحانی سوالات
11.6		تجویز کردہ اکتسابی مواد

11.0 تمہید(Introduction)

1347ء میں علاءالدین حسن گنگو بہمن شاہ کے ذریعے دکن میں بہمنی سلطنت کا قیام عمل میں آیا تھا۔اس سے قبل دکن کا علاقہ محمد بن تغلق کی سلطنت کا حصہ تھا، جو دہلی سلطنت کے نام سے معروف ہے۔ محمد بن تغلق نے 1328ء میں دولت آباد (دیوگیری) کو اپنا دوسرا مستقر بنایا تھا، تاکہ دکن کے معاملات کو بہتر طریق پر انجام دیا جاسکے۔ دولت آباد کو اپنا دوسرا مستقر بنانے کے لیے اس نے دہلی سے امراء، علماء، فضلاء، دانشور، صوفیاء وغیرہ کو بھی دولت آباد منتقل کرایا تھا، جو اپنے ساتھ دہلی کی تہذیبی و تمدنی روایات لے کر آتے تھے۔اس کے بعد جب بہمنی سلطنت کی اساس پڑی تو اس کے بعد اس سلطنت میں شمالی ہند کے تہذیبی عناصر و روایات اور دکنی تہذیب (ہندو تہذیب) و روایات کا ایک آمیزہ تیار ہوا۔ دکنی سلطنت کے فروغ کے ساتھ ہی ہم ایران، خراسان، عراق، عرب اور دیگر ایشیائی و آفریقی ممالک کے افراد کو بہمنی سلطنت کی طرف ہجرت کر کے آباد ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں، جنہوں نے ہمیشہ کے لیے اس کو اپنا وطن بنالیا۔ ان میں ایران سے آئے افراد کی تعداد زیادہ تھی۔ یہ بھی اپنے ساتھ اپنی تہذیبی و تمدنی روایات لائے، جو دکن کی تہذیبی و تمدنی روایات کا حصہ بنتی گئیں، چونکہ بہمنی سلاطین نے بھی اپنا رشتہ ایران کے افسانوی شہنشاہ اسفندریار اور بہمن شاہ سے جوڑا تھا، اس لیے انہوں نے ایرانی تہذیبی عناصر کو دکنی تہذیبی عناصر کے ساتھ اپنا کر ایک نئی دکن تہذیب و تمدن کو فروغ دیا، جس نے سلطنت کی نوعیت کو ایک نئی جہت عطا کی۔ بہمنی سلاطین کی جنوب کے ہندو حکمرانوں کے ساتھ معرکہ آرائی نے انہیں اسلامی و مسلم سیاسی اور ثقافتی قیادت کے لیے مجبور کیا تھا۔

11.1 مقاصد(Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- دکنی اور ایرانی روایات و تہذیبی عناصر سے واقف ہو سکیں گے۔
- مشترکہ روایات کے فروغ پانے کی سمجھ طلباء میں پیدا ہو گی۔
- تہذیبی و تمدنی ارتقاء اور اس کے فروغ میں حکمران طبقہ کی ضرورت کو سمجھ پائیں گے۔
- سلاطین کے ذاتی رجحانات کا ایک خاکہ بنانے میں کامیاب ہوں گے۔
- ان محرکات و ضروریات کا اندازہ لگا سکیں گے جو مشترکہ اقدار کو پیدا کرتی ہیں۔

11.2 سلطنت کی نوعیت (Nature of Empire)

بہمنی سلطنت کی دہلی سلطنت کے ساتھ کوئی مشترکہ سرحد نہیں تھی۔ان دونوں سلطنتوں کے درمیان خاندیش، مالوہ اور اڑیسہ جیسی ریاستیں موجود تھیں، لیکن چونکہ بہمنی سلطنت دہلی کی تغلق سلطنت سے الگ ہوئی تھی، لہٰذا ابتدائی دور میں ہم کو تغلق دور یعنی دہلی سلطنت کے اثرات اس کی تعمیرات اور سکوں میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔اسی کے ساتھ وہ تارکین وطن جو شمال سے جنوب میں وارد ہوئے اور ہمیشہ کے لیے یہیں آباد ہو گئے تھے، وہ اپنے ساتھ شمالی ہندوستان کے اثرات اور روایات لائے تھے، جو ہم کو ابتدائی دور کی بہمنی تعمیرات جیسے گلبرگہ قلعہ کی

جامع مسجد، مسجد شاہ بازار اور پہلے دو سلطنتوں بہمن شاہ اور محمد شاہ اول کے مقبرے میں ہم کو تغلق عہد کا فن تعمیر اور طرز دیکھنے کو ملتا ہے، جیسے چپٹے گنبد، مخروطی دیواریں، کونوں پر پھولوں کے گلدستے، چپٹے مینار وغیرہ ان کی خصوصیت ہیں۔ بہمنی سلاطین نے بڑی شان و شوکت اور جاہ و حشم کے ساتھ حکومت کی تھی اور اپنے دربار کو ایک عظیم سلطنت کے سلطان کے دربار کی طرح آراستہ کیا تھا۔ علاء الدین حسن بہمن شاہ نے اپنے دربار کے لیے چاندی کا تخت بنوایا تھا جس پر بیٹھ کر وہ اپنی حکومت کے انتظامی امور انجام دیا کرتا تھا۔ تلنگانہ کے راجہ ونایک راؤ کو جب مارچ 1363ء میں محمد شاہ اول نے شکست دی اور سلطان کے لیے غیر مناسب و ہتک آمیز الفاظ استعمال کیے تو اس کو سزائے موت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ تب اس کے باپ کرشن نے سلطان سے صلح کرلی اور گولکنڈہ، سلطان محمد شاہ اول کے حوالے کرنا پڑا۔ اسی موقع پر اس نے محمد شاہ کو تحفے میں اپنا شاندار جواہرات سے جڑا تخت فیروزہ دیا تھا، جو آخری بہمنی سلطان کے عہد تک سلاطین بہمنی کا شاہی تخت تھا۔

11.2.1 فنِ تعمیر (Architecture)

بہت سے بہمنی سلاطین نے اپنے دورِ حکومت میں بہت سی عمارات تعمیر کروائیں۔ ان میں قلعے، محلات، مساجد، مقبرے، مدرسے، شفاخانے وغیرہ شامل تھے۔ مثال کے طور پر گلبرگہ کا قلعہ، ہفت گنبد، گلبرگہ کی جامع مسجد، بیدر کا قلعہ، بہمنی سلاطین کے مقبرے، مدرسہ محمود گاوان وغیرہم، بہمنی فن تعمیر کے اہم نمونے ہیں۔ یہ تعمیرات دولت آباد، گولکنڈہ، بیجاپور، رائچور وغیرہ میں قلعوں کی شکل میں بھی ہمیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ایرانی طرز کی رنگین ٹائلوں کا استعمال، مختلف رسم الخط میں عربی فارسی میں تحریر کتبے، گنبد، ستونوں پر تعمیر مساجد، میناریں وغیرہ طرزِ تعمیر کا حصہ ہیں۔ تعلیمی اداروں، کتب خانوں، مدرسوں کی تعمیر سے بہمنی سلاطین کی تعلیمی و علمی فروغ کے تئیں ان کے جذبے و عزم اور دلچسپی کا پتہ چلتا ہے۔

رفیع بن شمس قزوینی کے نقشے کے مطابق 1367ء میں محمد شاہ اول کے عہد میں تعمیر ہوئی جامع مسجد میں اندلسی طرز کی روایات نظر آتی ہیں۔ اس کے گنبدوں کو خاص بلند سطح پر تعمیر کیا گیا ہے۔ اس مسجد کے ستونوں کو جنپر اس کی چھت ٹکی ہوئی ہے، اس انداز میں ترتیب دیا گیا کہ جماعت کے ہر نمازی چاہے وہ مسجد کے کسی بھی حصے میں کھڑا ہو امام کو منبر پر اچھی طرح سے دیکھ سکتا تھا۔ احمد شاہ اول نے بیدر کا قلعہ ایک قدیم قلعے کے آثار پر تعمیر کیا تھا جو بیدر کی ایک پہاڑی کے نشیب پر واقع ہے۔ چار ہزار پانچ سو گز کی ایک دیوار اس کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ اس کی ایک قدیم مسجد ہے جس کی چھت پر پانی کا ذخیرہ کیا جاتا تھا، جس سے مسجد اور قرب و جوار کے محلوں و عمارات کو پانی مہیا کیا جاتا تھا۔ یہاں کی عمارات پر ایرانی طرزِ تعمیر کا اثر نمایاں نظر آتا ہے۔ قلعے کے قریب احمد شاہ کا مقبرہ واقع ہے جسے مسلم اور غیر مسلم دونوں ''ولی'' مانتے تھے۔ اس کی طرزِ تعمیر بھی ایرانی طرز کی ہے۔ بیضوی گنبد، کتاب اور خطاطی کے نمونے بہت عمدہ ہیں۔ حالانکہ بہمنی سلاطین سنی مسلم تھے، لیکن ہم اس مقبرے کے گنبد میں حضرت علیؓ کا نام مختلف خط میں تحریر کیا ہوا دیکھتے ہیں۔ دکن میں ایرانیوں کی سخت مخالفت کے باوجود دکن کے فنِ تعمیر اور عام تہذیبی زندگی پر بہت گہرے اثرات مرتب ہوئے تھے۔ بیدر میں مشہور ولی شاہ نعمت اللہ کرمانی کے بیٹے شاہ خلیل اللہ کے مقربے کی عمارت میں نمایاں خصوصیت مغیث شیرازی کا وہ خوبصورت کتبہ ہے جو خط ثلث میں لکھا ہوا چالیس فٹ لمبا اور ہندوستان میں یہ پہلا کتبہ ہے۔ اسی طرح دولت آباد کی پہاڑی پر واقع بلند مینار میں ایرانی اثر واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

11.2.2 تعلیم وتربیت (Education and Training)

روسی سیاح نکیتن جس نے دکن کی سیاحت خواجہ یوسف خراسانی نام رکھ کر کی تھی۔ بیدر کو اسلامی ہندوستان کا سب سے بڑے شہر کے طور پر ذکر کرتا ہے، جو پندرہ میل مربع میں پھیلا ہوا تھا۔ گھوڑے، ریشم، کپڑے، سیاہ مرچ اور دوسری تجارتی اشیاء کی یہاں پر فراوانی کا ذکر کرتا ہے۔ بیدر میں ہی محمود گانواں نے 1472ء میں ایک مدرسہ کی تعمیر کروائی تھی، جو بیدر کی عظیم عمارات میں ایک سب سے اہم اور شاندار عمارت تھی۔ یہ تین منزلہ عمارت تھی۔ اس میں مختلف رنگوں کی ہزاروں ٹائلوں کا استعمال کیا گیا تھا۔ موٹی، بھاری دیواریں، کشادہ کمرے بنائے گئے تھے۔ اس مدرسے کے اساتذہ میں ہندوستان، ایران اور ماوراالنہر کے مستند علماء، فضلاء شامل تھے، جو اس عہد کے تشنگانِ علم کا ملجاء وماویٰ تھا اور جو اس سرچشمۂ علم وادب سے فیضیاب ہوئے تھے۔ اس مدرسے میں ایک ہزار طلباء واساتذہ قیام کرتے تھے، جنہیں کپڑے اور کھانا مفت ملتا تھا۔ محمود گانواں کی مولانا جامی، امیر تیمور کے سیرت نگار، علی المزدی، صوفی حضرت عبداللہ اصرار، فاتح قسطنطنیہ محمد ثانی، سلاطین گیلان، عراق ومصر کے فرمانرواؤں اور علماء وفضلاء سے خط وکتابت برابر جاری رہتی تھی۔

سلطان فیروز شاہ ایک اچھا خوش نویس اور خطاط تھا۔ اسے تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، نباتات (باٹنی)، جیومیٹری، طبعیات اور اصلاطلاحات تصوف پر مکمل عبور حاصل تھا۔ شاہی مصروفیت کے باوجود ہفتے میں کچھ وقت نکال کر طلباء کو درس بھی دریا کرتا تھا۔ شاعری میں فیروزیؔ اور عروجیؔ تخلص تھا۔ فارسی، عربی اور ترکی کے علاوہ تیلگو، مراٹھی، گجراتی، بنگالی اور کئی دیگر زبانوں کا ماہر تھا اور محل میں مختلف علاقوں کے مقیم افراد سے ان کی زبانوں میں گفتگو بڑی بے تکلفی کے ساتھ کرتا تھا۔ وہ آدھی رات تک اپنا وقت مذہبی افراد، شعراء، تاریخ پڑھ کر سنانے والوں اور بہترین علماء اور حاضر جواب قسم کے لوگوں کے ساتھ گذارتا تھا۔ اس نے جدید اور قدیم انجیلوں (نیو اینڈ اولڈ ٹیسٹامنٹ) کا مطالعہ بھی کیا تھا۔ وہ تمام مذاہب کا احترام کرتا تھا۔ اس میں بقول فرشتہ صرف دو کمزوریات تھیں وہ شراب پیتا تھا اور موسیقی سنتا تھا۔ 1408ء میں سید محمود گازرونی اور حکیم حسن گیلانی کے زیر اہتمام اس نے اورنگ آباد میں ایک رصدگاہ بنانے کا ارادہ کیا، لیکن حکیم حسن گیلانی کی موت ہونے کے سبب اس کا یہ منصوبہ ادھورا رہ گیا۔ گلبرگہ میں سید محمد گیسو دراز اور فیروز شاہ کا مقبرہ دریائے بھیما کے کنارے پر واقع ایرانی اور دکنی تعمیراتی خصوصیات کا مظہر ہے۔ فیروز شاہ کے مقبرے کی محرابیں خالص ہندوانہ طرز کے بازو پر ایستادہ ہیں اور چھجوں کو سہارا دینے والے بریکٹ بھی پوری طرح ہندو طرز تعمیر کا مظہر ہیں۔

فیروز شاہ کے اتنے علوم ون فنون میں مہارت اور بہت سی زبانوں پر قدرت اس عہد کی تعلیم وتربیت کی طرف اشاہ کرتی ہے۔ ظاہر ہے یہ اسی وقت ممکن ہے جب ان علوم کے ماہر علماء وفضلاء موجود ہوں۔ لہٰذا ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس دور کے مدارس اور علماء وفضلاء کا معیار تعلیم کیسا ہوگا۔ اور اس طرح کی سیکولر تعلیم حاصل کرنے کے کتنے اچھے مواقع میسر ہوں گے۔ یہاں کے مختلف مذاہب کے تقابلی مطالعہ کے علماء موجود ہوں گے، تبھی یہ ممکن ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے علوم کا حصول سہل ہوگا۔ ساتھ ہی اس دور میں مسلمانوں کو اس طرح علوم وفنون کا ذوق وشوق پیدا کرنے والے عالم رہے ہوں گے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیکولر علم وفن سیکھنے میں اس دور میں کسی قسم کا تعصب نہ تھا۔ لوگ اپنے ذوق وشوق کی بنیاد علم سیکھنے کے لیے آزاد تھے۔

فیروز شاہ کے عہد میں دہلی سے ہجرت کر کے آئے مشہور چشتی صوفی سید محمد گیسو دراز گلبرگہ میں 90 سال کی عمر میں 1413ء کو وارد شہر ہوئے تھے اور قلعہ گلبرگہ کے قریب ایک خوبصورت خانقاہ میں قیام پذیر ہوئے۔ شروع میں فیروز شاہ ان کا بڑا عقیدت مند تھا، مگر بعد میں ان کے متعلق شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گیا اور حضرت گیسو دراز کو کسی اور جگہ آباد ہونے کا پیغام بھیجا، لیکن اس کے بھائی احمد جو بعد میں شہاب الدین احمد اول کے نام سے تخت نشین ہوا، آپ سے بے انتہا عقیدت رکھتا تھا اور آپ کے اخلاقی و روحانی کمالات کا معترف تھا۔ یہ آپ کے ساتھ زندگی بھر اپنی عقیدت کا اظہار کرتا رہا تھا۔ ان کی موت کے بعد اس گلبرگہ کی جگہ بیدر کو اپنی راجدھانی بنایا تھا۔ ہارون خان شیروانی لکھتے ہیں ''رعایا کی جسمانی تربیت کی طرف بھی بہمنی سلطنت میں پوری توجہ دی جاتی تھی اور دارالحکومت میں اسی مقصد کے لیے چار ''تعلیمات'' یا جسمانی تربیت گاہ کے چار مساوی اکھاڑوں پر تقسیم کیا گیا تھا، جن میں ہر ایک اکھاڑہ ہندوؤں کی ایک قدیم تاریخی عمارت سے جو عین شہر کے وسط میں واع تھی، شروع ہو کر پھیلتا تھا۔ ہر ''تعلیم'' (اکھاڑے) کی اپنی ایک ورزش گاہ تھی اور ہر ایک میں کم از کم ایک مدرسہ ہوتا تھا اور ایک مسجد، جہاں متعلقہ اکھاڑے کے نوجوان ''تعلیم'' کی مجلس منتظمہ کے زیر نگرانی جسمانی تربیت اور دنیوی و دینی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اگرچہ ان ''تعلیمات'' (اکھاڑوں) کو عزاداری محرم کے ساتھ خاص نسبت تھی، لیکن اس کے دروازے بلا امتیاز رعایا یعنی بلا امتیاز مذہب و ملت کے ہر مرد کے لیے کھلے رہتے تھے اور اپنی تنظیم میں یہ اکھاڑے مکمل طور پر جمہوری انداز کے علمبردار تھے''

شاید یہی وجہ تھی کہ سلطان احمد شاہ نے اپنے بیٹوں کو جو وصیت کی تھی وہ اس کے روادانہ رویے اور تعلیم و تعلم، علم و علماء کے تئیں اس کے جذبات و نظریات کو ظاہر کرتی ہے۔ ''اس میں ہدایت کی گئی ہے کہ وہ (شہزادے) پڑھے لکھے لوگوں کے ساتھ جو علم کے خزانے دار ہیں، عہدیدارانِ سلطنت کے ساتھ جنہیں عوام کے ساتھ بھلائی کرنے کی قدرت حاصل ہے، شاہی مشیروں کے ساتھ جو سلطنت کی حکمت عملی کے موسس ہوتے ہیں، اور کاشتکاروں کے ساتھ جو سب کے لیے خوراک مہیا کرتے ہیں، مہر و التفات کا برتاؤ کریں'' ان مذکورہ بالا شہادتوں سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سلاطین بہمنی کو عوام کی تعلیم و تربیت کی فکر اور علم کی کتنی اہمیت تھی۔ ساتھ ہی عوامی فلاح و بہبود کی کتنی فکر تھی۔ انہوں نے صرف مکتب و مدارس اور تعلیم و تربیت کے مراکز ہی قائم نہیں کیے بلکہ علماء و فضلاء کی سرپرستی کی۔ انہوں نے زبان و ادب، سائنس، فنِ تعمیر اور کثیر لسانی ماحول کو بڑھاوا دیا۔ ان حالات میں دکن میں اسلام اور ہند اسلامی روایات کو فروغ حاصل ہوا۔

بہمنی سلطنت میں چشتی، قادری، شطاری سلسلے کے صوفیاء بھی آکر آباد ہوئے۔ بیدر قادری سلسلے کا ایک اہم مرکز تھا۔ شیخ سراج الدین پہلے صوفی تھے، جن پر سلطان کی نظرِ کرم تھی۔ یہاں پر چشتی صوفیاء کو سب سے زیادہ احترام حاصل ہوا۔ دہلی کے صوفی سید گیسو دراز بھی دہلی سے آکر گلبرگہ میں آباد ہو گئے۔ سلطان فیروز شاہ نے ان کی خانقاہ کی دیکھ بھال کے لیے کئی گاؤں وقف کیے تھے۔ صوفیاء کی یہ خانقاہیں تعلیم و تربیت کے اہم مراکز تھیں، جہاں سماج کے ہر طبقے کے لیے دروازے کھلے تھے اور صوفیاء بڑے خلوص سے اپنے عقیدت مندوں کی تعلیم و تربیت کرتے تھے۔ سلطان محمد، سلاطین بہمنی میں اپنے دور کا ایک قابل انسان تھا، جو امن پسند، تہذیب و تمدن کا دلدادہ اور علم دوست نیز علماء و فضلاء کا بڑا قدر دان تھا۔ اس نے دکن کو علم و تمدن کا ایک نمایاں مرکز بنانے کی کوشش کی۔ اس کے عہد میں بڑی تعداد میں وسط ایشیاء، خراسان، ماوراءالنہر، ایران و عراق اور عرب سے ادیب، علماء، فضلاء، دستکار، تاجر، سپاہی، فنِ تعمیر کے ماہروں وغیرہ نے دکن کی جانب ہجرت

کی اور ہمیشہ کے لیے ہندوستان کو اپنا وطن بنالیا۔ بعد میں ان غریب الدیار لوگوں کا یہ گروہ آفاقی کہلایا۔ محمد ثانی نے عالمی شہرت یافتہ عالم و شاعر خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی کو بھی ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی، مگر وہ کسی سبب دکن نہ آسکے۔ حالانکہ آگے چل کر ان آفاقی لوگوں اور دکنی لوگوں کے درمیان ایک اہم سیاسی نزاع بھی پیدا ہوا جو سلطنت بہمنی کے زوال کا سبب بھی بنا۔ سلطان فیروز شاہ نے دابھول اور چولی کی بندرگاہوں سے جہاز دیارِ غیر سے علماء و فضلاء اور ہنر مندان کو لانے کے لیے روانہ کیا تھا۔

11.2.3 تہذیبی لین دین (Cultural Transactions)

محمود گانواں نے اپنی وزارت کے دوران نہ صرف آفاقیوں اور دکنیوں کے درمیان توازن قائم کرنے کی کوشش کی بلکہ اس نے ہندو آبادی کے دلوں کو جیتنے کی بھی پوری کوشش کی۔ سلطان شمس الدین نے محمود گانواں کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے بلگام کے پرکتیہ کے ناشائستہ افعال کو معاف کر دیا، اس وجہ سے مرہٹوں سے مصالحت ممکن ہو سکی۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ مدھول کے سردار نے 1471ء میں برسات کے موسم میں جب محمود کولہاپور میں تھا تو مدھول کے کرن سنگھ نے محمود گانواں کی مدد کے لیے گھاٹوں پر اپنے محافظ مقرر کیے اور وہاں پر انہوں نے قلعے کی فصیلوں پر چڑھنے کے لیے پراگوہوں کو بڑی تعداد میں پکڑا تھا، تاکہ ان کی کمر میں رسی باندھ کر کھیلنا کے قلعے کے فصیلوں پر ان کو چڑھایا جاسکے، جن پر چڑھنا کسی بھی طرح ممکن نہ تھا۔ ان پڑاگوہوں نے جب فصیل کی دیوار پر مضبوطی سے قدم جمائے تو کرن سنگھ کے لڑکے بھیم سنگھ نے اپنی مرہٹہ فوج کے سپاہیوں کو جن کی کمر سے رسی بندھی تھی فصیل پر چڑھادیا اور خود بھی چڑھ گیا، نیز قلعہ کی محافظ فوج کو قتل کر کے قلعہ کو فتح کر لیا۔ محمود گانواں کی سفارش پر سلطان نے بھیم سنگھ کو ایک بڑی جاگیر دی اور گھوڑپڑے بہادر (گھوڑپڑے ہندی میں پڑاگوہ کو کہتے ہیں) کا خطاب دیا جو مدھول کے خاندان کے لوگ آج تک اختیار کیے ہوئے ہیں۔

بہمنی سلطنت میں ایرانی اثرات نمایاں تھے۔ محمد شاہ اول نوروز کے ایرانی تہوار کے دن ہی تخت نشین ہوا تھا۔ تب سے بہمنی سلاطین کے ذریعہ نوروز کا تہوار منایا جانے لگا تھا۔ موسیقار 'لاہور' دہلی 'ایران اور خراسان سے اپنی قسمت آزمائی کے لیے دکن آتے تھے، جن کی یہاں کے سلاطین و امراء کے ذریعہ حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ امراء بڑی شان و شوکت کی زندگی گزارتے تھے۔ نکیتن ان کے متعلق لکھتا ہے ''امراء کو چاندی کے تختوں پر بٹھا کر لایا جاتا تھا جن کے آگے سونے سے مزین گھوڑے ہوا کرتے تھے اور 300 گھوڑ سوار' 500 پیدل سپاہی' 10 شعلچی ان کے ساتھ ساتھ چلتے تھے'' نکیتن محمود گانواں کے متعلق لکھتا ہے کہ ''ہر دن اس کے دستر خوان پر پانچ سو لوگ کھانا کھاتے تھے۔ اس کے گھر کی نگرانی و حفاظت سو مسلح سپاہی کیا کرتے تھے''

آفاقی امراء کی بڑی تعداد میں بہمنی سلطنت میں آنے کی وجہ سے شیعوں کو بھی کافی اہمیت حاصل تھی۔ احمد شاہ اول نے ایک مرتبہ تیس ہزار ٹنکے کربلا کے سیدوں میں تقسیم کرنے کے لیے بھیجے تھے، جس سے اس کے شیعہ مذہب کی طرف احترام کا انداز ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے ''ملک سیف الدین غوری نے ایک مرتبہ سلطان کی فہمائش کی تھی کہ اسے ہمیشہ رسول ﷺ کی اولاد یعنی کربلا' نجف اور مدینہ کے سادات اور نیز عالی خاندان اور آبائی روایات کے لوگوں کو ترجیح دینا چاہیے'' اس لیے اس نے بہترین دماغ کے لوگوں جن کا تعلق عراق و ایران سے تھا،

ان کو خوش آمدید کیا اور عہدوں سے نوازا۔ صرف ایسا نہیں تھا کہ ایرانی اثر کو بہمنی سلطنت میں قبول کیا جارہا تھا بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مجاہد شاہ کے زمانے میں مقامی ہندوؤں کی تہذیب کا اثر بہمنی سلطنت میں دیکھنے کو ملنے لگا۔ اس کی رعایا اسے خالص ہندو لقب ''بلوان یا بلونت'' کے نام سے پکارتی تھی کیونکہ یہ غیر معمولی قدر و قابت اور قوت کا مالک تھا۔ احمد شاہ کے کئی وزیر شیعہ مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ پروفیسر ستیش چندر لکھتے ہیں ''فیروز شاہ بہمنی کا سب سے یادگار کام انتظامیہ میں بڑی تعداد میں ہندوؤں کو شامل کرنا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے دور میں انتظامیہ میں دکنی برہمن اکثریت اور اہمیت میں آگئے تھے۔ دکنی ہندوؤں نے باہر سے آنے والے آفاقیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے خلاف بھی توازن پیدا کیا۔ مغربی ایشیاء سے آنے والے غیر ملکیوں میں خاصی تعداد ایرانیوں کی تھی، جن کے اثر سے ایرانی تہذیب و تمدن اور شیعہ ملک سلطنت میں عام ہوا۔ بہمنی حکمران مذہبی معاملات میں روادار تھے، حالانکہ ان میں زیادہ تر سنی عقیدے کے پیرو تھے، مگر انہوں نے شیعت کو کبھی دبانے یا کچلنے کی کوشش نہیں کی۔ اسی طرح سلطنت کے ابتدائی دور میں جزیہ بھی ہندوؤں پر عائد نہیں کیا گیا۔ بعد کے دور میں بھی جزیہ کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ اگر بہمنی دور میں کبھی جزیہ وصول بھی کیا گیا تو اسے زمینی لگان (خراج) کے ایک حصے کے طور پر کیا گیا۔ فیروز شاہ بہمنی نے علم فلکیات (آسٹرونوٹس) کی بھی سرپرستی کی اور دولت آباد کے پاس ایک رصدگاہ بنوائی تھی۔ اس نے اپنی سلطنت کی بندرگاہوں چول اور دابھول کی طرف بھی خصوصی توجہ دی تھی جو خلیج فارس اور بحر احمر سے آنے والے تجارتی جہازوں کی توجہ کا مرکز تھی جو ساری دنیا سے آنے والے عیش وآرام کے سامان یہاں پہنچاتے تھے۔'' ہم دیکھتے ہیں کہ دکن میں تجارت پر ہندوؤں کا غلبہ تھا اور یہ غیر ممالک سے کاروبار کرتے تھے۔ یہی ہندو تاجر بہمنی حکمرانوں کو ''ہرمز کے گھوڑے، سیلون کے ہاتھی اور چین کی مشک اور مسمور'' مہیا کرتے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمان قلیل تعداد میں بحیثیت فاتح ہندوستان میں آئے تھے اور حکومت قائم کرنے کے بعد اس کے انتظامی اداروں کو چلانے کے لیے قابل افراد کی ضرورت تھی، لہٰذا یہ ناگزیر تھا کہ بغیر مقامی آبادی کے قابل افراد کو انتظامیہ میں داخل کیے بغیر انتظامی اداروں کو بہ حسن و خوبی چلایا جاسکے۔ اور مسلم حکمرانوں نے بھی بنا کسی مذہبی تعصب کے ہندو حضرات کو حکومت میں شامل کیا اور انہیں اعلیٰ مناصب وانتظامی عہدوں سے نوازا۔ لہٰذا انہوں نے بھی دل و جان سے حکومت کی خدمت کی۔

وجے نگر اور بہمنی سلطنتیں ہمیشہ آپس میں برسرپیکار رہتی تھی، لیکن وجے نگر کی راجدھانی میں موجود عمارات کے باقیات میں واضح طور پر بہمنی طرز تعمیر دیکھنے کو ملتی ہے۔ خالص ایرانی محراب اور گنبد یہاں کی مختلف عمارات جیسے زمانہ محل، فیل خانہ، پہرہ داروں کے مکانات، کنول محل، شہر کے داخلی دروازے وغیرہ میں دیکھنے کو ملتے ہیں اور حیرت ہوتی ہے کہ آپسی دشمنی اور معرکہ آرائی کے باوجود ایک دوسرے کے تہذیبی و تمدنی عناصر کو قبول کیا جارہا تھا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ سیاسی طور پر دشمن تھے لیکن ثقافتی اعتبار سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑنے اور باہم مربوط ہونے کا عمل جاری تھا۔ یہی مشترکہ ثقافت اور ملی جلی تہذیب سلطان احمد شاہ کے عرس میں دیکھنے کو ملتی ہے، جسے دکن کے لوگ ایک ''ولی'' کے طور پر یاد کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ جس قمری مہینے میں ہولی کا تہوار آتا ہے اس کی بیس تاریخ کو احمد شاہ کے عرس کی شروعات ہوتی تھی اور عرس کا آغاز وافتتاح جنگم یعنی گنگایت فرقے کا سربراہ گلبرگہ کے ایگاؤں میں کرتا تھا اور اپنے فرقے کے تین سو عقیدت مندوں کے ہمراہ بیدر آتا اور بڑے تزک واحتشام کے ساتھ مقبرے میں داخل ہوتا تھا۔ سنگھ بجاتا اور مقربے کی دہلیز پر ناریل پوڑتا اور پھر اس ناریل کا

پانی پیتا اور اس طرح عرس کا آغاز ہوتا۔ یہ عرس 29 تاریخ تک جاری رہتا تھا اور عوام الناس میں بلا امتیاز مذہب و ملت اپنی عقیدت سلطان کی بارگاہ میں پیش کرتے جو صدیوں پہلے ان پر حکمرانی کرتا تھا۔ اس کا عرس ابھی کچھ عرصے پہلے تک بھی ہر سال بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا تھا۔

وجے نگر اور بہمنی سلطنت کی مسلسل آویزش اور معرکہ آرائیوں کے اثرات فی الواقع دکن کی تہذیب و ثقافت پر مرتب ہوئے تھے۔ سلطان فیروز شاہ کی شادی وجے نگر کی شہزادی کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ فیروز شاہ کی بارات کے لیے شہر کے دروازے سے محل تک دس کیلو میٹر لمبے اس راستے پر طلائی، مخمل اور سائن کے بیش قیمتی کپڑے بچھائے گئے تھے۔ اس کی شادی کی تقریبات تین دن تک تلیں تھیں۔ ایسی ہی ایک شادی مدگل کے ایک سنار کی بیٹی پرتھار کی شہزادہ حسن خان سے ہوئی تھی جو ایک نامور گلوکارہ اور خوش گفتاری میں مشہور و معروف تھی۔ ستیش چندر کے بقول فیروز شاہ بہمنی کی جنوبی ہند میں یہ پہلی سیاسی شادی نہیں تھی۔ گولکنڈہ کے کھیری کے حکمران نرسنگھ رائے کو جب فیروز شاہ نے شکست دی تو اس نے امن و امان بنائے رکھنے کی غرض سے فیروز شاہ سے اپنی لڑکی کی شادی کی تھی۔ یہ شہزادی فیروز شاہ کی سب سے زیادہ منظور نظر ملکہ تھی۔ فیروز شاہ نے کھیر لا کو بھر نرسنگھ رائے کو واپس کر کے اپنی سلطنت میں امیر بنا دیا تھا۔ اسے شاہی خلعتیں عطا ہوئیں جن میں ایک کشیدہ کاری کی گئی ٹوپی بھی شامل تھی۔ ایک ہندو راجہ سدھو نے بھی فیروز شاہ کی ساگر پر بغاوت فرو کرنے میں مدد کی تو فیروز شاہ نے اس کے لڑکے بھیروں سنگھ کو مدھول اور چوراسی گاؤں کی جاگیر اس کو تفویض کی۔ یہ واقعہ 1398ء کا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بہمنی سلطنت میں بین مذہبی شادیاں ہوئیں۔ اس کا اثر رعایا کی سماجی زندگی میں بھی پڑا اور فنون و تعمیرات میں ہمیں راست طور پر ہندو اثر دیکھنے کو ملتا ہے۔

وجے نگر کا راجہ دیورایا دوم (46–1425) جب گدی پر بیٹھا تو اس نے اپنی فوج کو مضبوط بنانے اور بہمنی سلطنت کو فوجوں سے مقابلہ کرنے کے لیے اپنی فوج میں بڑی تعداد میں مسلمانوں کو داخل کیا، کیونکہ وہ بہمنی سلطنت کی فوجی طاقت کی مضبوطی کو ان کے توانا گھوڑے میں ایک بڑی تیر انداز فوج کو سمجھتا تھا، اس لیے بہمنی طاقت سے مقابلہ کرنے کی غرض سے اس نے دو ہزار مسلمان فوجیوں کو اپنے ہندو سپاہیوں اور افسران کو تیر اندازی کے فن کو سیکھنے اور مہارت حاصل کرنے کے لیے اپنی فوج میں بھرتی کیا تھا اور مسلمان افواج کے مصارف کے لیے ان کو بڑی بڑی جاگیر عطا کیں۔ اس نے اپنے دارالحکومت میں ایک مسجد بھی تعمیر کروائی۔ اس نے حکم دیا کہ ایک آراستہ کرسی پر قرآن کریم کا ایک نسخہ اس کے ٹھیک سامنے رکھا جائے تاکہ مسلمان کورنش کی رسم، اسلام کے اصولوں کی خلاف ورزی کیے بغیر بلا جھجک ادا کر سکیں۔ بقول ہارون خان شیروانی ''1430ء میں وجے نگر کی فوج میں دس ہزار مسلمان تھے اور دیورائے کے مصاحبوں میں ایک احمد خان بھی تھا۔'' حالانکہ کہا جاتا ہے کہ دیورایا اول کی اپنی فوج میں ساٹھ ہزار ہندو ماہر تیر انداز، اسی ہزار گھوڑ سوار، اور دو لاکھ پیدل فوجی تھے۔ فرشتہ کے مطابق اچھے گھوڑوں کے سوداگر عرب تھے، جن کی اس دور میں اس تجارت پر اجارہ داری تھی۔ وہ وجے نگر میں زیادہ قیمت پر گھوڑے فروخت کرتے تھے جس سے وجے نگر کی معیشت پر یقیناً بوجھ پڑا ہوگا۔

سلطان محمد شاہ اپنے دربار میں کس طرح کا امتیاز روا نہیں رکھتا تھا۔ وزیر اعظم ملک سیف الدین غوری جو اس کا خسر بھی تھا، کو بھی

دربار داری آداب کے ساتھ تخت شاہی کے نیچے کھڑا ہونا پڑتا تھا۔ اس نے ہمیشہ اہلِ علم کی صحبت کو پسند کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے دارالسلطنت میں شیخ المشائخ زین الدین دولت آبادی، عین الدین بیجاپوری، مولانا نظام الدین برنی، حکیم ظہیر الدین تبریزی جیسے اہلِ علم جمع ہو گئے تھے۔ اس کے خسر ملک سیف الدین غوری جو علاء الدین بہمن شاہ کا رفیق تھا، نے سلاطین کے لیے ایک رسالہ ''نصائح الملوک'' تحریر کیا تھا۔ سلطان، وکیل سلطنت، وزیر، دبیر، فوجی عہدیدار جیسے محافظ سردار، قلعہ دار، بخشی، عدالتی افسران، قاضی، مفتی، کوتوال، محتسب وغیرہ کی صفات تحریر کیں، ان کے ساتھ فرائض کا بھی ذکر کیا، جس پر محمد شاہ نے عمل بھی کیا۔

جب ہم بہمنی سلطنت کی نوعیت پر غور کرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ایک خاندانی مسلم حکومت تھی، جہاں تخت نشینی کا کوئی واضح قانون یا ضابطہ نہیں تھا۔ تخت نشینی کی اختلافی صورتحال میں جو بھی حمایت یا وسائل جمع کرنے میں کامیاب ہو جاتا وہ سرخرو ہوتا۔ بہمنی سلاطین کا دربار ایرانی بادشاہوں کے دربار کی طرز پر آراستہ کیا جاتا تھا۔ جہاں اقتدار کا منبع و محور خود سلطان کی ذات تھی، جو پورے شاہانہ وقار کے ساتھ اپنے دربار کو آراستہ کرتا جہاں جمعہ کے دن کے علاوہ ہر روز عمدہ قسم کے ریشمی قالین بچھائے جاتے۔ زربفت کے شامیانے خاص و عام کے لیے لگائے جاتے تھے۔ سلطان دربار میں دن کا ایک پہر گزارنے کے بعد آتا اور دوپہر تک حکمرانی و درباری معاملات سرانجام دیتا۔ اس کی مدد کے لیے وزراء، امراء اور حکومت کے دیگر افسران موجود ہوتے۔ ایک مضبوط و جری فوج رکھنا ضروری تھا تاکہ وہ اپنی حلیف ریاستوں سے مقابلہ کر سکے۔ سلطان ہر وہ کام انجام دیتا جس سے اس کی سلطنت مستحکم ہو سکے۔

سلطان کی حیثیت زمین پر خدا کے سائے (ظل اللہ) کی تھی۔ اس کی اس حیثیت کی توثیق علمائے وقت وقتاً فوقتاً کرتے رہتے تھے۔ سلطان محمد شاہ نے تو باقاعدہ مصر کے عباسی خلیفہ سے اپنے اقتدار کو جائز ٹھہرانے کے لیے سند حاصل کی تھی۔ خطبہ میں سلطان کا نام شامل کیا جاتا تھا، جو اس کی حکمرانی پر مذہبی مہر ثبت کرنے جیسی بات تھی۔ وہ اپنے نام کے سکے جاری کرتا۔ اس کے ساتھ سلطان کے دربار میں شاہی و درباری آداب و رسوم کا پورا خیال رکھا جاتا تھا۔ غلطی کی سخت سزا ملتی تھی۔ امراء کو سلطان کے سامنے کورنش بجالانا ضروری تھا۔ سلطان لامحدود اختیارات کا مالک تھا۔ اس کے ساتھ وہ قابل امراء سے صلاح و مشورے بھی کرتا تھا۔ وقت پڑنے پر فوجوں کی قیادت کرتا تھا۔ سلطنت میں عدل و انصاف اور امن و امان قائم کرنا اور عوامی فلاح و بہبود کے کام کرنا بھی سلطان کا فرض تھا جس کو قاضیوں اور کوتوال کے ذریعہ ادا کروایا جاتا تھا۔

بہمنی سلاطین نے علماء، فضلاء اور صوفیاء کا بڑا ادب و احترام کیا۔ بہت سوں کو دیارِ غیر سے بلا کر اپنی سلطنت میں آباد کیا۔ انہیں مدد معاش کی زمینیں دیں۔ ان علماء و فضلاء اور صوفیاء نے علم کی ترویج و اشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔ بہمنی سلاطین نے اپنی شانو شوکت کا مظاہرہ مساجد اور قلعے بنا کر کیا۔ عوام الناس کی فلاح و بہبود کے لیے مدارس اور شفاخانے وغیرہ تعمیر کروائے۔

بہمنی سلاطین نے انتظام حکومت چلانے کے لیے قابل افراد اور ہندوؤں کو انتظامیہ کا حصہ بنایا۔ خاص طور پر پٹواری، مقدم، چودھری جو پاٹل، کلکرنی وغیرہ کہلاتے تھے، عموماً ہندو تھے۔ محاسبی کے کاموں میں بھی اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کو داخل ملازمت کیا تھا، جس

سے ان کے غیر متعصب ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ ہم بہمنی سلطنت کی بہت سی جنگوں میں ہندو راجاؤں کو سلطان کا معاون دیکھتے ہیں۔ ان واقعات سے اس دور کی سیاست کا اندازہ لگانے میں مدد ملتی ہے۔ ساتھ ہی اس دور کے ہندو مسلم رشتوں کو بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔ سلاطینِ بہمنی نے موقع بہ موقع اور وقت وقت پر ضابطے بھی بنائے، کیونکہ بہمنی سلطنت میں شرعی قوانین کا پوری طرح رواج نہیں تھا۔ بہمنی سلاطین عام طور پر اپنی غیر مسلم رعایا سے جزیہ بھی نہیں لیا۔ زمینی لگان ایک تہائی حصہ وصول کیا جاتا تھا جو شریعت کے مطابق نہیں تھا۔ نزاعی معاملات میں بہمنی سلطنت میں پوری طرح شرعی قوانین کا نفاذ نہیں تھا۔ ایک بڑا مسئلہ عہدِ وسطیٰ میں یہ بھی تھا کہ آج کی طرح کوئی مثالی دنیاوی قانون مدون نہیں ہوا تھا۔ مسلمانوں کے پاس شریعت کی شکل میں ایک مثالی قانون موجود تھا، لیکن مسئلہ یہ تھا کہ مسلمان اقلیت میں تھے اور اکثریت ہندوؤں کی تھی اور مسلمانوں کو ان پر حکومت کرنی تھی، لہٰذا پوری طرح شریعت کو لاگو نہیں کیا جاسکتا تھا۔ لہٰذا کچھ نزاعی معاملات قاضی شریعت کی طرف ہی رجوع کرتے تھے۔ ان باتوں سے حکومت کی نوعیت کو شرعی یا اسلامی حکومت سمجھنا ایک بڑی غلطی ہوگی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ سیاسی مصلحت کے مدنظر خاص طور پر جنگوں کے زمانے میں مسلم حکمرانوں نے کبھی کبھی مذہب و شریعت کا نعرہ لگایا، لیکن نعرہ کا مذہبی جذبہ کم حکمرانی کا جذبہ زیادہ تھا اور کبھی کبھی یہ نعرہ مسلمانوں کے ایک طبقے کو مطمئن کرنے کی غرض سے بھی ہوتا تھا۔ مجموعی اعتبار سے بہمنی سلطنت کے حکمران روادار مسلمان تھے۔

11.3 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

1347ء میں علاءالدین بہمن شاہ نے بہمنی سلطنت کی اساس رکھی، جس نے اپنا نسب ایران کے بادشاہ بہمن شاہ سے جوڑا۔ چونکہ یہ سلطنت محمد بن تغلق کی دہلی سلطنت سے الگ ہوئی تھی اور دکن کے ابتدائی امراء کا تعلق بھی دہلی سلطنت سے تھا جو اب دکن میں آباد ہو چکے تھے اور اب بہمنی سلطنت کا حصہ تھے۔ بہمنی سلطنت کو اپنے ابتدائی دور سے ہی جنوب کی ہندو ریاستوں سے نبرد آزمائی کرنی پڑی اور اس علاقے میں مسلسل جنگوں کا ماحول بنا رہا۔ شمالی ہند سے آنے والے تارکینِ وطن جو اب دکن میں سکونت پذیر ہو چکے تھے اور اپنے ساتھ شمالی ہندوستان کی روایات لائے تھے، لہٰذا ان کی ابتدائی تعمیرات میں شمالی ہندوستان اور دکن کا طرزِ تعمیر دیکھنے کو ملتا ہے۔ گلبرگہ قلعہ کی جامع مسجد، مسجد شاہ بازار، بہمن شاہ اور محمد شاہ کے مقبرے، تغلق عہد کی فن تعمیر کی یادگاریں ہیں۔ بعد میں آفاقی لوگ دکن میں آئے تو وہ بھی اپنے ساتھ ایران و وسط ایشیاء، عرب و عراق کی روایات اور فنون اپنے ساتھ لائے۔ ان کے آنے کے بعد ہم کو فن تعمیر میں تغلق عہد کے تعمیری عناصر گم ہوتے گئے اور ایرانی عناصر نے فن تعمیر میں اہم کردار ادا کرنا شروع کر دیا، جن میں رنگین ٹائلوں کا استعمال، عربی فارسی کے مختلف رسم الخط کے کتبے، گنبد، ستون، مینار یں ایرانی اثرات کی زیادہ نمائندگی کرتی نظر آتی ہیں۔ قلعوں کی تعمیر میں بارود کے استعمال کے بعد حفاظتی پہلو واضح ہوتا گیا اور اندرون قلعہ کی عمارات میں ایرانی و ہندوستانی طرزِ تعمیر کا آمیزہ تیار ہوتا گیا، جس کو بعد میں ہند اسلامی فنِ تعمیر کے نام سے جانا گیا، جیسے بیضوی گنبد، کتبات، خطاطی کے نمونے، نباتاتی اشکال وغیرہ اس کی اہم خصوصیات تھیں۔ محمود گاواں کے بیدر میں تعمیر کردہ عمارات ہند اسلامی فن تعمیر کا ایک عمدہ نمونہ ہیں۔

مختلف علوم وفنون کے اساتذہ اور علماء وفضلاء، دانشوروں کی ایران، خراسان، عرب وعراق جیسے علاقوں سے ہندوستان کے دکن میں ورود نے تحصیلِ علم کو فروغ دیا اور بہمنی سلاطین نے مدارس، مساجد، شفاخانے وغیرے تعمیر کروائے۔ صوفیاء کی خانقاہوں نے بھی تحصیلِ علم کے فروغ میں اپنا اہم کردار نبھایا۔ بہت سے بہمنی سلاطین خود بھی بڑے عالم فاضل تھے، لہٰذا ان کی تعلیم کے فروغ میں دلچسپی قابل ستائش تھی۔ سلاطین بہمنی نے جسمانی تعلیم وتربیت کے واسطے مدرسے قائم کیے۔ تعلیم وتعلم کے تئیں بہمنی سلاطین نے بے تعصبی کے رویہ کو اپنایا جو بلا تخصیص مذہب وملت تھا۔ اس کے ساتھ بہمنی سلطنت میں تہذیبی لین دین کا عمل تیز ہوتا نظر آتا ہے۔ وجے نگر اور بہمنی سلطنت میں مسلسل آویزش بنی رہتی تھی، مگر اس کے باوجود ہمیں وجے نگر کی راجدھانی میں تعمیر بہت سی عمارات جیسے زنانہ محل، فیل خانہ، پہرے داروں کے مکانات، کنول محل، شہر کے داخلی دروازے وغیرہ تہذیبی لین دین کے عمل کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ بہمنی سلاطین نے جزیہ کا نفاذ بھی پیش کیا۔ سلطان محمد شاہ کو لوگوں نے ایک ''ولی'' سمجھا اور باقاعدہ اس کا عرس منایا جاتا رہا۔ اس کا عرس کا افتتاح جنگم فرقے کے سنیاسیوں کے گرو کے ہاتھوں ہوتا تھا، جو ہندو مسلم اتحاد کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ بہمنی سلاطین خود سنی تھے لیکن وہ شیعہ مذہب کا بھی بڑا احترام کرتے تھے۔ بہت سی بہمنی سلاطین ہندو شہزادیوں سے بڑی دھوم دھام کے ساتھ شادیاں کیں اور ان شہزادیوں نے محل میں اہم مقام حاصل کیا۔ بہمنی سلاطین نے اپنے دربار کو ایرانی بادشاہوں کے دربار کی طرز پر آراستہ کیا اور بہت سی ایرانی رسوم کو اپنے دربار میں رائج کیا، جس کے اثرات ہمیں وجے نگر سلطنت کے دربار میں بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ بہمنی سلاطین نے ہندوؤں کو بھی طبقہ امراء میں شامل کیا۔ ساتھ ہی ساتھ شاہی نوکریوں میں بھی ہندوؤں کا تقرر کیا۔ بہمنی سلاطین نے روادارانہ انداز میں حکومت کی۔ جنگ کے دوران حالات عام دنوں کے حالات سے قدرے مختلف رہتے ہیں۔ مجموعی طور پر بہمنی سلاطین نے اپنی حکومت کی نوعیت روادارانہ بنیادوں پر استوار کی۔

11.4 کلیدی الفاظ (Keywords)

مستقر	:	ٹھہرنے کا مقام
آمیزہ	:	ملاوٹ، میل
خط ثلث	:	عربی زبان کا ایک مشہور اور قدیم خط (لکھاوٹ، طرز) ہے جس کو ابن مقلہ شیرازی نے فروغ دیا۔
بیضوی	:	انڈے کی شکل کا
ماوراءالنہر	:	وسط ایشیاء کا ایک علاقہ جو موجودہ ازبکستان، تاجکستان اور جنوب مغربی قازقستان کے علاقے پر مشتمل ہے۔
ملجاءوماویٰ	:	پناہ لینے کی جگہ، مسکن، پشت پناہ
خانقاہ	:	درویشوں اور مشائخ صوفیاء کے رہنے کی جگہ
موسس	:	بنانے والا، قائم کرنے والا
غریب الدیار	:	پردیسی

مزین	:	سجاہوا، آراستہ
فہمائش	:	ہدایت سمجھانا، متنبہ کرنا، آگاہ کرنا
جزیہ	:	اسلامی ریاست میں غیر مسلم افراد سے لیا جانے والا حفاظتی ٹیکس
رصدگاہ	:	ستاروں وسیاروں کا مشاہدہ اور ان کی معلومات جمع کرنے کی جگہ
مربوط	:	بندھا ہوا، وابستہ، لگایا ہوا
خلعت	:	لباس، جوڑا، کپڑا جو انعام میں بادشاہوں یا حکومت کی طرف سے دیا جائے
کورنش	:	آداب، تسلیمات، جھک کر سلام کرنا
مدد معاش	:	وظیفہ، وہ جاگیر جو خاص مصرف کے لیے وقف کر دی جائے
ضابطہ	:	قانون، دستور العمل
تخصیص	:	خصوصیت

11.5 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

11.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. محمد بن تغلق نے کس سال دولت آباد کو اپنا دوسرا مستقر بنایا تھا؟
2. بہمنی سلطنت کی کس جنوبی ہند کی ریاست سے مسلسل جنگ ہوتی رہتی تھی؟
3. تخت فروزہ محمد شاہ اول کو کس تحفہ میں دیا تھا؟
4. رفیع بن شمس کے نقشے پر تعمیر مسجد کا طرز کیا ہے؟
5. بہمنی سلاطین میں کس سلطان کو ''ولی'' کہا جاتا ہے؟
6. سیاح نکیتن کس ملک سے آیا تھا؟
7. کہاں کی مسجد کی چھت پر پانی کا ذخیرہ کیا جاتا تھا؟
8. سلطان فیروز کا تخلص کیا تھا؟
9. حضرت سید محمد گیسو دراز سے عقیدت رکھنے والے سلطان کا نام بتایئے۔
10. ''بلوان یا بلونت'' کس بہمنی سلطان کا لقب تھا؟

11.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. احمد شاہ اولیٰ نے تیس ہزار ٹنکے کن لوگوں کے لیے اور کہاں بھیجے تھے؟

2. بہمنی سلطنت میں عوام کی جسمانی تعلیم و تربیت کے نظم کے بارے میں بتایئے۔
3. بہمنی فن تعمیر پر ایک مختصر مضمون لکھیے۔
4. صوفیاء کے تئیں سلاطین کے رویہ کے متعلق تحریر کیجیے۔
5. کیسے مدھول کے سردار نے محمود گانواں کی مدد کی تھی؟

11.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. سلطان فیروز شاہ پر ایک تفصیلی مضمون لکھیے۔
2. وجے نگر اور بہمنی سلطنتوں کے مابین لین دین کے عمل کا تذکرہ وضاحت سے کیجیے۔
3. سلطان محمد شاہ کے ذریعہ کی گئی تہذیبی و تمدنی پہل پر وضاحت سے روشنی ڈالیے۔

11.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Nilakanta Sastri, K.A., *A History of South India*: *From Prehistoric Times to the Fall of Vijayanagar*, Oxford University Press, New Delhi, 1997 (first pub. in 1955).
2. Nilkantha Shastri, K.A., and N. Venkata Ramanayya, *Further Sources of Vijayanagara History*, Madras, 1946.
3. Pillai, Manu S., *Rebel Sultans*: *The Deccan from Khilji to Shivaji*, Juggernaut, New Delhi, 2018.
4. Ramakrishna, V. et al eds., *History of Telangana*, Andhra Pradesh History Congress in association with Potti Sreeramulu Telugu University, EMESCO Books, Hyderabad, 2016.
5. Reddy, Srinivas, *Raya*: *Krishnadevaraya of Vijayanagara*, Juggernaut, New Delhi, 2020.
6. Sewell, Robert, *A Forgotten Empire (Vijayanagar)*: *A Contribution to the History of India*, Asian Educational Services, New Delhi, 2000 (first pub. in 1900).
7. Sherwani, H.K. ed., *History of Medieval Deccan* (*1295–1724*), Two Vols., The Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 1973.
8. Sherwani, H.K. *The Great Vazir Mahmud Gawan*, Bombay 1942.
9. Stein, Burton, The New Cambridge History of India: Vijayanagara, Cambridge University Press, New Delhi, 1990.
10. Yazdani, G. ed., *The Early History of the Deccan*, *Parts VII – XI*, Department of Archaeology and Museums, Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 2013 (first pub. in 1960).

11. دکن کے بہمنی سلاطین۔ہارون خان شیروانی۔دہلی1978۔اردو مترجم: رحیم علی الہاشمی۔
12. عہد وسطی کا ہندوستان۔پروفیسر ستیش چندر۔اُردو مترجم سید محمد عزیزالدین حسین۔دہلی2003۔
13. جنوبی ہند کی تاریخ۔کے اے نیل کنٹھ شاستری۔اردو مترجم آر کے بھٹناگر۔دہلی2011۔
14. مختصر تاریخ دکن۔مولوی محمد نجم الغنی صاحب قریشی۔حیدرآباد1930۔

اکائی 12۔ بہمنی سلطنت کا زوال

(Decline of Bahmani Sultanate)

اکائی کے اجزاء

12.0 تمہید

12.1 مقاصد

12.2 سلطنت کا زوال

12.2.1 سیاسی اسباب

12.2.2 معاشی اسباب

12.2.3 مذہبی و تہذیبی اسباب

12.3 سلطنت کا خاتمہ

12.4 اکتسابی نتائج

12.5 کلیدی الفاظ

12.6 نمونہ امتحانی سوالات

12.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

12.0 تمہید (Introduction)

1347ء میں امیرانِ صدہ کی محمد بن تغلق کے خلاف بغاوت کے بعد اسمایل مخ کی قیادت میں دکن سلطنت قائم ہوئی۔ مگر کچھ ہی وقت بعد اسماعیل مخ حسن گنگو کے حسن میں دستبردار ہو گیا اور دکن میں خاندان بہمنی کی حکومت کا قیام عمل میں آیا، جو لگ بھگ 1527ء تک قائم رہی۔ جس نے دکن کے ہر شعبۂ زندگی میں اپنے اثرات مرتب کیے۔ یہ اثرات یہاں کی زبان وادب، علم و تعلیم، فنِ تعمیر، زراعت، سماجی و مذہبی زندگی غرض ہر شعبہ ہائے زندگی میں آج تک نظر آتے ہیں۔ بہمنی سلطنت موجودہ کرناٹک کے علاقے، تلنگانہ، آندھرا پردیش، مہاراشٹرا کے علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے ارد گرد وجے نگر، اڑیشہ، مالوہ، گجرات جیسی ریاستیں موجود تھیں جن سے یہ خاص طور پر وجے نگر سے بہمنی سلطنت کی مسلسل آویزش رہتی تھی۔ اس سے متعدد جنگیں ہوئیں۔ ایک دوسرے سے تمدنی و تہذیبی مبادلہ کیا۔ سلطان محمد شاہ سوم (1463-1482) تک تھوڑے بہت اتار چڑھاؤ کے ساتھ مضبوط و مستحکم بنی رہی، لیکن جب سلطان نے اپنے وزیر اعظم محمود گانواں کو قتل کروادیا جس کی کوششوں سے بہمنی سلطنت اپنے انتہائی عروج پر پہنچی تھی، زوال پذیر ہونے لگی۔ محمد شاہ سوم کے بعد محمود شاہ (1482تا1518) کے عہد میں سلطنت بہت تیزی کے ساتھ زوال پذیر ہوئی، لیکن اس کے بعد کے حکمراں آہستہ آہستہ امراء کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنتے گئے اور آخر کار 1527ء تک آتے آتے سلطنت بہمنی کا عملاً خاتمہ ہو گیا، لیکن دکن کی تاریخ میں اس نے بڑے گہرے اثرات مرتب کیے۔ اس کے خاتمے کے بعد بہمنی سلطنت کے باقیات پر پانچ ریاستیں بیجاپور، گولکنڈہ، احمد نگر، بیدر اور برار وجود میں آئیں۔

12.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- اس کے مطالعے سے دکن کی دو بڑی سیاسی قوتوں وجے نگر اور بہمنی کے مابین اختلافات کی بہتر سمجھ پیدا کر سکیں گے۔
- ان عناصر اور طاقتوں کے بارے میں جان پائیں گے جو دکن کی سیاست میں اہم کردار ادا کر رہی تھیں۔
- بہمنی سلطنت کے اندر موجود دو گروہوں، آفاقی اور دکنی کی رقابت کے بارے میں جان سکیں گے۔
- آفاقی اور دکنی گروہوں کی سیاست کی وجہ سے حکومت میں آئی کمزوری کو بہتر طریقے سے جاننے میں مدد ملے گی۔
- اس کے مطالعے کے سے طلباء بہمنی سلطنت میں جانشینی کے مسائل سے واقف ہو سکیں گے۔
- اس کے مطالعہ سے طلباء میں بہمنی سلطنت کے زوال کے اسباب و عوامل کی صحیح سمجھ پیدا ہو سکے گی۔

12.2 سلطنت کا زوال (Decline of the Empire)

محمد شاہ سوم کی وفات (1482ء) کے بعد بہمنی اپنے نااہل حکمرانوں اور امرائے دکن کی آپسی رسہ کشی کے سبب بڑی تیزی کے ساتھ زوال کی طرف گامزن ہونے لگی۔ نیز وجے نگر، اڑیسہ، گجرات اور مالوہ جیسی پڑوسی ریاستوں سے اس عہد میں ہوئی لگاتار جنگوں نے اسے معاشی اور فوجی اعتبار سے کمزور کر دیا۔ حالانکہ ایک وقت یہ سلطنت شمالی ہندوستان اور جنوبی ہندوستان کے درمیان ایک کڑی تھی۔ علاءالدین

بہمنی شاہ، نظام شاہ، محمد شاہ سوم وغیرہ کے دور میں یہ سلطنت بڑی مستحکم اور طاقتور بنی رہی، جس نے وجے نگر وغیرہ ریاستوں کو بار بار شکست دی۔ بہمنی وزیر اعظم محمود گانواں نے اپنے دورِ وزارت میں بہمنی سلطنت کو اپنے انتہائی عروج پر پہنچادیا۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے سلطنت کی اندرونی سیاست میں توازن پیدا کرنے کی بھرپور اور کامیاب کوشش کی تھی۔

12.2.1 سیاسی اسباب (Political Causes)

خواجہ محمود گانواں کی موت کے بعد بہمنی سلطنت میں کوئی بھی ایسا شخص موجود نہ تھا جو اقتدار کے توازن کو بنائے رکھے۔ 1482ء میں محمد شاہ سوم کی وفات کے بعد شہاب الدین محمود شاہ سلطان بنا، لیکن یہ نہایت سست و کاہل شخص تھا، جس کی اس کاہلی، سستی اور نااہلی نے مرکز سے علیحدہ ہو جانے والی طاقتوں کو کھلی چھوٹ مل گئی۔ بقولہارون خان شیروانی ''اس کے نتیجے میں سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ بیدر میں ملک حسن نظام الملک ہی فقط ایک ممتاز قائد وامیر ہی باقی رہ گیا تھا، جس کی بات پر لوگ کان دھرتے تھے۔ اس کی آنکھ بند ہوتے ہی فی الواقع تمام باقی ماندہ قابل امراء دارالحکومت کو خیر باد کر کے چلتے بنے تاکہ اپنی اپنی عملداریاں علیحدہ علیحدہ قائم کریں اور بے چارے سلطان کو تن تنہا بے اصول قاسم برید ترک کے چنگل میں چھوڑ گئے۔ ان لامتناہی معرکوں نے جو سالہا سال تک بیجاپور، احمد نگر، برار، بیدر اور تلنگانہ (گولکنڈہ) کے صوبہ داروں کے مابین جاری رہے۔ بہمنی مرکز کی بنیادوں کو ہلادیا۔ ان جاگیرداروں کی قانونی حیثیت جو کچھ بھی ہو وہ سلطان کی برائے نام سیادت کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے اپنے علاقوں میں عملاً خود مختار تھے''ان پانچ ریاستوں کی تشکیل میں ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ محمود گانواں کے ذریعہ کی گئی انتظامی اصلاحات کالعدم ہو گئیں تھیں، جس کی وجہ سے یہ صوبہ دار اپنی طاقت و قوت اور اقتدار میں اضافہ کرتے چلے گئے اور اقتدار کا مرکز بنتے گئے۔ بہمنی سلطنت کا سب سے بڑا مسئلہ امراء کا باہمی اختلافات تھے۔ بہمنی امراء آفاقی اور دکنی دو گروہوں میں منقسم تھے، حالانکہ محمود گانواں بھی ایک آفاقی امیر تھا، لیکن اس نے دونوں گروہوں کے اختلافات کو کم کرنے کی کوشش کی۔ حالانکہ اس کو دکنی امراء کا اعتماد حاصل کرنے میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ واقعتاً اس نے اپنے دورِ وزارت میں مصالحت و مفاہمت کی پالیسی کو اختیار کیا، مگر وہ دربار میں بڑھتی گروہ بازی کو روکنے میں ناکام رہا۔ اس کی مرکز سے غیر موجودگی میں محمود گانواں کے دکنی حریفوں نے ظریف الملک، مفتاح حبشی وغیرہ نے نوجوان بادشاہ کو اس کے خلاف ورغلانے میں کامیابی حاصل کرلی، جس کے نتیجے میں 1481ء میں اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا گیا۔ اس وقت اس کی عمر ستر سال سے متجاوز تھی۔ محمود گانواں کے قتل کے بعد گروہ بندی میں اور شدت آئی اور عدم اعتماد کا ماحول بڑی تیزی کے ساتھ بنتا گیا۔ نتیجے کے طور پر کئی علاقوں کے گورنروں (صوبہ داروں) نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا، اور گولکنڈہ، بیجاپور، احمد نگر، برار اور بیدر ریاستیں وجود میں آئیں۔ بعد میں گولکنڈہ، بیجاپور، احمد نگر سترہویں صدی تک دکنی سیاست میں دخیل رہنے کے بد مغل سلطنت کا حصہ بن گئیں۔ بہمنی سلطنت کے آخری دنوں میں اس سیاسی بحران نے زوال کی رفتار اور تیز کر دی، جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وجے نگر کے راجا کرشنادیورائے نے 1517ء میں بہمنی سلطنت پر حملہ کر کے اسے زبردست شکست سے دوچار کیا۔ اس واقعہ سے بہمنی اقتدار کو زبردست دھکا لگا۔ پہلے سے چلی آرہی سلطنت میں نسلی عصبیت میں مزید اضافہ ہوا۔ اور بڑے بڑے امراء نے مرکز سے دور رہنے میں ہی اپنی عافیت محسوس کی۔ نتیجے کے طور پر سلطنت کا اندرونی اتحاد پارہ پارہ ہونے لگا۔

محمود گانواں کی موت کے بعد سلطنت میں کوئی ایسا قابل امیر موجود نہ تھا جو اس کی انتظامی اصلاحات کو اور اس نظام کو جو اس کے عہد میں مرتب ہوا تھا' جاری رکھ پاتا۔ بہت سے امراء اس خوف سے کہ کہیں ان کا حشر بھی محمود گانواں والا نہ ہو جائے خود کو دور رکھا یا غیر جانبدار بن گئے۔ اور کچھ نے خود غرضانہ مفاد کی بنیاد پر دربار میں اپنی جگہ بنانے کی کوشش کی اور سلطنت پر اسی گروہی خلفشار کا شکار ہو گئی۔ ہارون خان شیروانی لکھتے ہیں ''اگر ایک بھی محمود گانواں ہوتا تو وہ خود غرض سازش اور بدامنی کے رجحان کو روک سکتا تھا، مگر اس وفاداری اور دیانت کا کوئی اور شخص پیدا نہیں ہوا اور سلطنت ناموافق ہوا کے ایک جھونکے میں ریت کے گھروندے کی طرح پاش پاش ہو گئی'' قاسم برید نے 1496ء کے قریب چھوٹے امراء کو سلطان سے قریب لانے کی کوشش کی۔ اس مقصد کے تحت تمام بڑے امراء کو چھوڑ کر منصب داروں کو شاہی محافظ میں شامل کیا اور ان کو ''سر گروہ'' یا ''حولدار'' کا نام دیا گیا۔ وہ منصب دار جن کے منصب 20 سے 500 تک تھے ان کو شاہی محافظ فوج میں شامل کر لیا گیا۔ ان سے اوپر کے منصب داروں کو امیر کہا جاتا تھا۔ لیکن قاسم برید محمود گانواں کی طرح ہمت نہ دکھا سکا، جس نے بڑے بڑے جاگیر داروں کو راست طور پر سلطان سے وابستہ کر دیا تھا۔ اس نے بڑے امراء کو ایسے ہی چھوڑ دیا اور صرف چھوٹے منصب دار ہی سلطان سے وابستہ ہو سکے اور پھر یہ بڑے امراء اور صوبہ دار اپنی اپنی عمل داریوں میں خود مختار ہوتے چلے گئے اور آہستہ آہستہ ان کا رشتہ مرکز سے کمزور ہوتا چلا گیا۔ اس زمانے میں جنوب میں ایک نئے حریف کی آمد ہوئی، جنہوں نے بعد میں جنوبی ہند میں اپنے بڑے گہرے اثرات مرتب کیے۔ یہ تھی پرتگالی طاقت جو ہندوستان میں تجارت کی غرض سے آتے تھے، لیکن جلد ہی انہوں نے ہندوستان میں اپنے قلعے بنانے شروع کیے۔ سیاسی و تجارتی مقصد کے مد نظر 1510ء میں ہندوستانی مقبوضات کے پرتگالی گورنر البوقرق نے گوا کو فتح کر لیا جو بہمنی سلطنت کے بیجاپور صوبہ کا حصہ تھا۔ یہ ایک جزیرہ یا تجارتی بندرگاہ ہی نہیں بلکہ ایک مضبوط قلعہ بھی تھا، لیکن جلد ہی بیجاپور کے حاکم یوسف عادل شاہ نے گوا کو پرتگالیوں سے واپس چھین لیا۔ لیکن یوسف عادل شاہ کا اسی سال انتقال ہو گیا، جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پرتگالیوں نے گوا کو پھر فتح کر لیا اور بعدہ اس کا اپنا سب سے مضبوط قلعہ بنانے میں کامیاب رہے۔ اس کے نتیجے میں ان کی دکن کی سیاسی اور تہذیبی زندگی میں دخل اندازی تیز ہوتی گئی۔

12.2.2 معاشی اسباب (Economic Causes)

جنوبی ہندوستان میں بہمنی سلطنت کی وجے نگر' اڑیسہ' مالوہ' گجرات وغیرہ ریاستوں سے جو جنگیں ہوئی تھیں ان کے پس پشت مذہبی جذبات کام نہیں کر رہے تھے، بلکہ یہ تصادم مادی فائدے حاصل کرنے اور ان قدرتی وسائل پر قبضہ کرنے کے لیے تھے جو اس اعلاقے میں زراعت اور تجارت کی شکل میں موجود تھے، لہٰذا بنیادی طور پر مقصد سیاسی اور فوجی مصلحتوں کے ساتھ تجارت و کاروبار اور زرعی علاقوں پر اقتدار قائم کرنا ہی ان جنگوں کی بنیادی وجوہات تھیں۔ شمالی اور جنوبی ہند کی مختلف ریاستوں سے جو باہمی تصادم ہوئے ان کی نوعیت ایک دوسرے سے جداگانہ نہیں تھی۔ مالوہ اور گجرات کے حکمرانوں نے دکن کے معاملات میں دخل اندازی کی اور مشرقی ہند اور اڑیسہ کے حکمرانوں نے بنگال کے حکمرانوں سے نبرد آزمائی کی کیونکہ یہ کورومنڈل کے ساحل پر اپنا کنٹرول چاہتے تھے۔ 1450ء کے بعد اڑیسہ کے حکمرانوں نے جنوبی ہندوستان کے وجے نگر سلطنت اور بہمنی سلطنت کے اندرونی علاقوں تک حملے کیے۔ اڑیسہ کی فوجیں مدورائی تک پہنچ گئی تھیں کیونکہ دیورائے دوم کی موت ہو چکی تھی جس کے بعد وجے نگر سلطنت تیزی کے ساتھ کمزوری کی طرف گامزن تھی۔ اڑیسہ کے

حکمرانوں نے اس کمزوری کا فائدہ اٹھایا جس سے اس علاقے میں اڑیسہ کے حکمرانوں کی سرگرمیوں نے اس کو مزید کمزور کیا۔ یہی حال بہمنی اور وجے نگر سلطنتوں کا بھی تھا وہ بھی کونکن اور مالابار کے ساحلی علاقوں پر اپنا اقتدار چاہتے تھے، کیونکہ ان ساحلی علاقوں میں کئی اہم اور بڑی تجارتی بندرگاہیں تھیں جیسے دابھول، گوا وغیرہ جہاں ایران، عرب، مصر اور چین سے انتہائی منافع بخش تجارت ہوتی تھی۔ گھوڑے، ریشم، قیمتی کپڑے، سیاہ مرچ اور کئی اور قیمتی اشیاء کی تجارت بہت منافع بخش تھی۔ ساتھ ہی تنگ بھدرا، کرشنا، گوداوری ندیوں کا ڈیلٹا اور رائچور کا علاقہ بہت زرخیم تھا، جس پر قبضہ کرنے کا مطلب تجارت اور زراعت کے لحاظ سے بہمنی اور وجے نگر سلطنت کے لیے بڑے فائدے کی بات تھی۔ اس علاقے پر کنٹرول کرنے کا مقصد اپنی اپنی معیشت کو مضبوطی فراہم کرنا تھا، اسی لیے یہ علاقے دونوں طاقتوں کی مسلسل آویزش کی جولانگاہ بنے رہے اور اسی تجارت و کاروبار پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لیے پرتگالیوں نے بھی ہندوستان کا رخ کیا تھا۔

12.2.3 مذہبی و تہذیبی اسباب (Religious and Cultural Causes)

علاءالدین بہمنی شاہ نے جب بہمنی سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی، تو تعلق عہد کے امراء کے گروہ اور مقامی سرداروں نیز اس کے ماتحتوں کے گروہ نے اس کی مدد کی تھی، جن کے اپنے اپنے مفاد تھے۔ مجاہد شاہ (1375 تا 1378) کے عہد میں اس میں ایک نیا گروہ آفاقی کا اضافہ ہوا۔ یہ آفاقی بنیادی طور پر ایران، خراسان، عراق، عرب وغیرہ علاقوں کے رہنے والے تھے۔ حقیقتاً آفاقی اور دکنی امراء کے درمیان ٹکراؤ اور کشمکش 1397ء میں غیاث الدین تہمتن کے عہد سے شروع ہوئی، جب صلابت خان کو برار کا صوبہ دار، محمد خان سرنوبت اور احمد بیگ قزوینی کو پیشوا (تینوں آفاقی) کا بنایا گیا تھا، جس سے دکنی امراء اور تغلچین کے ترکی امراء کے گروہ میں بے اطمینانی اور شکوک و شبہات پیدا ہوئے۔ تغلچین نے آفاقیوں کے اثر کو کم کرنے کے لیے غیاث الدین تہمتن کا قتل کروادیا اور شمس الدین داؤد دوم کو ایک کٹھ پتلی سلطان بنا کر خود ملک نائب اور امیر جملہ کا عہدہ حاصل کر لیا۔ احمد شاہ اول (1422 تا 1436) نے خلف حسن بصری، جس کی مدد سے وہ تخت نشین ہوا تھا، وکیل سلطنت بنایا اور ملک النجار کا خطاب عطا کیا۔ دکنیوں کے مقابلے آفاقیوں کو یہ اہمیت اس وقت حاصل ہوئی جب وجے نگر کے خلاف مہم میں احمد شاہ کو خطرے سے باہر نکالنے میں آفاقی امیر سید حسین بڑخوئی اور اس کے ساتھیوں نے سلطان کی مدد کی۔ لامحالہ سلطان کا جھکاؤ آفاقیوں کی طرف ہو گیا اور اس نے آفاقی تیر اندازوں کا ایک فوجی دستہ تیار کیا۔ اس بات سے دکنیوں میں بے اطمینانی ہوئی۔ یہ نااتفاقی احمد شاہ کی گجرات کی مہم میں اور واضح ہو گئی، جب دکنی امراء نے ساتھ نہیں دیا اور ملک التجار کی سربراہی میں بہمنی فوج کو شکست ہوئی۔ احمد شاہ دوم کے عہد حکومت میں یہ آویزش اور زیادہ بڑھ گئی۔ جب خاندیش کے خلاف دکنیوں نے عدم تعاون کیا اور خلف حسن بصری کی قیادت میں فوج کو بھیجا گیا۔

1447ء میں سلطان احمد شاہ دوم نے خلف حسن بصری کو مرہٹوں کی سرکوبی کے لیے متعین کیا گیا۔ جنہوں نے مغربی گھاٹ کے علاقے کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنا رکھا تھا۔ ان کے ایک سردار شنکر راؤ سڑکے نے خلف حسن بصری کو یہ ظاہر کیا کہ وہ مشرف بہ اسلام ہو گیا اور اس کی فوج کو ایک گھنے جنگل میں لے گیا پھر اس نے راجہ سنگم ایشور کو دکنی فوج پر حملے کا پیغام بھیجا، جس کی فوج نے بہمنی افواج کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور بڑی تعداد میں سپاہیوں کو قتل کیا۔ خلف حسن بصری اس وقت بیمار تھا۔ سراسیمگی کے عالم میں بچے کچے جاکن کی طرف فرار ہو گئے۔ مہاراشٹرا کے ماہم کی جنگ کے واقعہ نے آفاقی اور دکنی کے درمیان اختلافات کو اور تیز کیا۔ جب فریقین کے مابین جنگ چل

رہی تھی تو اس موقع پر دکنی جان بوجھ کر پیچھے ہٹ گئے اور باقی ماندہ فوج (آفاقی) کو گجراتیوں کے ہاتھوں زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا، جو آفاقی دکنی اختلاف کو اور تیز کر دیا۔ اس کے نتائج آگے چل کر بہمنی سلطنت کے لیے مزید خطرناک صورت میں ظاہر ہوئے۔

یہ واقعہ دکنیوں اور آفاقیوں کے مابین عداوت کو اور تیز کرنے والا ثابت ہوا۔ دکنیوں کی ایک دیگر سازش کے نتیجے میں آفاقی مرد و عورتوں کو بڑی بے رحمی سے قتل کیا گیا۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ دکنی اور آفاقی امراء کے درمیان اختلافات و نزاع کس سطح تک پہنچ گیا تھا جو بہمنی سلطنت کو اندر ہی اندر کمزور کر رہا تھا۔ سلطان علاء الدین احمد شاہ دوم 1436 تا 1458ء نے اپنے عہد میں آفاقی امراء کی جانب داری اور حمایت کی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس کی تین بہنوں کی شادیاں آفاقی امرياء کے ساتھ ہوئیں تھیں۔ ان حالات میں محمود گانواں کی شخصیت ابھر کر سامنے آئی جو اس نسلی و فرقہ وارانہ توازن کو بنائے رکھنے میں کامیاب رہا۔ محمد گانواں کی اس کوشش نے سلطنت کے زوال کو کچھ وقت کے لیے روکنے میں کامیابی حاصل کی، ورنہ یہ سلطنت بہت پہلے ہی معدوم ہو چکی ہوتی۔

ہمایوں شاہ (1458 تا 1461) نے ان دونوں گروہوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ نظام شاہ (1461 تا 1463) کے عہد میں خواجہ جہاں، ملک التجار، نائب سلطنت محمود گانواں نے کافی حد تک دکنی اور آفاقی امراء کے درمیان ہم آہنگی پیدا کر دی۔ اس نے ملک حسن کو تلنگانہ کا سر لشکر اور فضل اللہ کو برار کا سر لشکر کے عہدہ پر تقرر کیا۔ لیکن خود محمود گانواں ظریف الملک اور مفتاح حبشی کی سازش کا شکار ہو گیا۔ اس کے بعد ان دونوں گروہوں کا ٹکراؤ مزید بڑھ گیا اور بعد کے سلاطین دکن کسی نہ کسی گروہ کی کٹھ پتلی بن گئے۔ شہاب الدین محمود (1482 تا 1518) کے عہد میں یہ آویزش اپنی انتہا کو پہنچ گئی اور ایک دکنی گروہ کے ساتھ حبشی گروہ نے سلطان کو مرانے کی سازش بھی کی، جس کے نتیجے میں بڑی تعداد میں دکنیوں کا قتل ہوا۔ ان آپسی جھگڑوں کی وجہ سے مرکز کمزور ہو گیا جو قاسم برید، ملک احمد، نظام الملک بہادر گیلانی وغیرہ کی سلطنت کے خلاف بغاوتوں کا دور تھا۔ شہاب الدین محمد کی موت کے بعد صوبہ داروں کو اپنے علاقوں میں اپنے آپ کو آزاد حکمران اعلان کرنے کا موقع مل گیا۔ سب سے پہلے عادل شاہ نے آزاد حکمراں ہونے کا اعلان کیا۔

12.3 سلطنت کا خاتمہ (End of the Empire)

آخری سلاطین بہمنی کے دور تک آتے آتے بہمنی سلطنت نظری حیثیت سے تو بیجاپور، گولکنڈہ، احمد نگر، برار اور بیدر کے وسیع علاقے پر محیط تھی، مگر عملاً آخری سلاطین کی حکمرانی ان کی ذاتی جائیداد تک محدود ہو کر رہ گئی تھی، کیونکہ 'طرف' پر عملاً طرف داروں کا مکمل کنٹرول ایک آزاد حکمراں کی طرح قائم ہو چکا تھا اور بہمنی سلطان اس حکومت کا علامتی سلطان رہ گیا تھا۔ سارا اقتدار اب صوبوں کے گورنروں کے ہاتھ میں چلا گیا تھا اور سلطان ان کے ہاتھوں کی ایک کٹھ پتلی بن گیا۔ آخری سلاطین میں سلطان احمد، امیر برید کی سخت نگرانی میں زندگی گذار رہا تھا، جسے محل کے باہر تک اپنی مرضی سے نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ علاء الدین شاہ حالانکہ ایک عاقل اور جری انسان تھا، نیز شراب نوشی اور عیش و عشرت سے پرہیم کرتا تھا۔ اس نے امیر برید کے شکنجے سے جوان جاسوسوں کے ذریعے سلطان کے گرد کسا گیا تھا، نکلنے کی کوشش کی، جس کے نتیجے میں اس کو دردناک طریقے سے قتل کر دیا گیا۔ سلطان ولی اللہ نے بھی امیر برید کی گھیرابندی سے باہر نکلنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں

اسے زنان خانے میں مقید کر دیا گیا۔ بقول ہارون خان شیر وانی "آقا محل کے منتظم کے دیے گئے روٹی کپڑے پر گذر کرنے لگا" جسے بعد میں زہر دے کر مار دیا گیا۔ کلیم اللہ، بہمنی سلطنت کا آخری حکمراں 1526 میں بنا جسے امیر برید نے اپنے مکمل حفاظتی گھیرے میں رکھا، جس سے اس نے نکلنے کی کوشش کی۔ اسی زمانے میں دہلی میں بابر بادشاہ نے مغل سلطنت قائم کی تھی، جس کو کلیم اللہ نے اپنے بچاؤ و مدد کے لیے خط لکھا، لیکن اس خط کا راز افشاں ہو جانے سے سلطان کی اپنی زندگی خطرے میں پڑ گئی اور وہ بیدر سے بیجاپور چلا گیا، جہاں اس کا کوئی خیر مقدم نہیں ہوا تو وہ احمد نگر چلا گیا، لیکن یہاں بھی ایک سلطان کا ادب و احترام نہ پا سکا اور یہاں پر وہ قدرتی موت یا زہر کھانے سے جلد ہی اس کی موت ہو گئی۔ بعد میں اس کی لاش کو بیدر بھیج دیا گیا جہاں پر اپنے اجداد کے مقبروں میں اس کو دفن کر دیا گیا۔ اس طرح بہمنی خاندان کا خاتمہ ہو گیا، اور پھر بہمنی سلطنت پانچ آزاد ریاستوں برار، بیجاپور، احمد نگر، گولکنڈہ اور بیدر میں تقسیم ہو گئی۔

برار: 1490ء میں فتح اللہ عماد الملک نے جو بہمنی سلطنت صوبہ برار کا گورنر تھا اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور عماد شاہی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ عماد الملک ایک کٹر ہندو سے مسلمان ہوا تھا جو بہمنی سلطنت کی وجے نگر کے خلاف جنگ میں قید ہوا اور اس کی پرورش ایک مسلمان کی حیثیت سے ہوئی تھی۔ اس کا انتقال 1504ء میں ہوا تھا۔

بیجاپور: یوسف عادل خان نے 1489ء میں بہمنی سلطنت سے الگ ہو کر ایک آزاد ریاست کا اعلان کیا تھا اور عادل شاہی خاندان کی حکومت قائم کی۔ یہ خاندان اپنے آپ کو ترکی کے عثمان شاہی خاندان کی نسل سے تعلق رکھا تھا۔ اس کا انتقال 1510ء میں ہوا تھا۔

احمد نگر: اس سلطنت کا بانی ملک احمد تھا جو بہمنی سلطنت میں احمد نگر کا گورنر تھا۔ اس نے 1490ء میں بہمنی سلطنت سے الگ ہو کر ایک آزاد ریاست کی اساس رکھی۔ یہ خاندان نظام شاہی خاندان کہلایا۔ محمود گانواں کی موت کے بعد اسے نظام الملک کا خطاب ملا تھا۔ اسی نسبت سے سلطنت نظام شاہی سلطنت کہلاتی ہے۔ اس کا انتقال 1510ء میں ہوا تھا۔

گولکنڈہ: اس ریاست کا بانی قلی قطب شاہ تھا جس نے بہمنی سلطنت سے آزاد ہو کر 1518ء میں اس کو قائم کیا تھا۔ یہ ترکی نسل سے تعلق رکھتا تھا۔ اس سلطنت کو قطب شاہی سلطنت کہا جاتا ہے۔ اس کا انتقال 1543ء میں ہوا تھا۔

بیدر: 1527ء میں امیر علی برید جس کا باپ قاسم برید تھا اور اصلاً ترکی غلام تھا، نے سلطنت بہمنی سے الگ ہو کر آزاد ریاست کا اعلان کیا اور برید شاہی سلطنت قائم کی۔ اس کی موت 1542ء میں ہوئی تھی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ان ریاستوں کے بانیوں نے آخری بہمنی سلطان کلیم اللہ کے انتقال کے بعد ہی اپنے آپ کو سلطان کہلوایا تھا۔ اس سے قبل یہ ایک آزاد و خود مختار صوبہ دار کی حیثیت سے حکومت کر رہے تھے۔ بعد میں ان امراء نے سلطان کی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے آزاد ریاستیں قائم کیں۔ پروفیسر ستیش چندر لکھتے ہیں کہ بہمنی سلطنت نے شمالی اور جنوبی ہند کے درمیان تہذیبی پُل کا کام کیا۔ اس کے نتیجے میں جس کلچر کی نشو و نما ہوئی، اس کی اپنی نمایاں خصوصیات تھیں، جو شمالی ہند کے کلچر سے قطعی مختلف تھیں۔ یہ تہذیبی روایات دکنی ریاستوں میں بھی جاری رہیں اور بعد میں انہوں نے مغل کلچر و تمدن کی نشو و نما پر بھی اثر ڈالا۔

12.4 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اگر ہم بہمنی سلطنت کا بغور مطالعہ کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے سلاطین اولوالعزم نہیں تھے اور اپنے امراء و وزراء کے زیر اثر تھے۔ بلکہ کچھ سلطان تو اپنے وزیر کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن گئے تھے، حالانکہ اس سلطنت نے بڑے عظیم حکمراں بھی دیے جیسے محمد شاہ اول، مجاہد شاہ، فیروز شاہ، احمد شاہ وغیرہ جنہوں نے سلطنت کو اونچائی تک پہنچایا۔ ساتھ ہی محمود گانواں جیسے وزیر اعظم نے سلطنت کو انتظامی اعتبار سے مستحکم کیا۔ لیکن محمد شاہ سوم کی وفات کے بعد بہمنی سلاطین اپنی نااہلی اور امرائے دکن کی آپسی رسہ کشی کے سبب سلطنت کے زوال کو روکنے میں ناکام رہے۔ پڑوسی ریاستوں وجے نگر، اڑیسہ وغیرہ سے خاص طور پر وجے نگر ریاست مسلسل جنگوں نے دونوں سلطنتوں کو نقصان پہنچایا اور نظم و نسق میں ابتری پیدا ہوئی۔

بہمنی سلاطین نے اپنا نسب ایرانی بادشاہوں سے جوڑا تھا اور خود کو ایرانی نسل ہونے پر فخر سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنی سلطنت میں غیر ملکی ایرانی، خراسانی، عرب وغیرہ ممالک کے لوگوں کو خوش آمدید کیا اور انہیں اونچے مناصب دیئے، جس سے دکن کے امراء میں مایوسی پیدا ہوئی اور دونوں کے مابین اختلافات اور عدم تعاون نے سلطنت کو کمزوری کی طرف مائل کیا۔ جب کوئی کمزور سلطان تخت نشین ہوا یہ گروہ بازی اور تیز ہوئی اور نزاعی اختلافات بڑھتے گئے، جس کے نتیجے میں کبھی دکنی امراء تو کبھی آفاقی امراء کا قتل عام ہوا۔ وہ سلطنت کو مزید کمزوری کی طرف لے گیا۔ خواجہ محمود گانواں نے ہمایوں شاہ کے دور سے اپنے وپرے دورِ وزارت میں دونوں گروہوں کے درمیان ہم آہنگی لانے کی کوشش کی اور اس نے اپنی سوجھ بوجھ صلاحیت سے اگر ایک طرف سلطنت کو انتہائی عروج پر پہنچایا تو سلطنت کے انتظامی اداروں میں انقلابی تبدیلی لاکر مستحکم کیا، لیکن وہ بھی دکنی امراء کی سیاست کا شکار ہوا اور اسی --------دکنی و آفاقی امراء کے نزاع نے اس کو قتل کروادیا۔ اس نے عوامی فلاح و بہبود کے بھی بہت سے کام کیے اور ہندو عوام سے بھی روادارانہ تعلقات بنائے رکھے۔ اس کی موت کے بعد انتظامی اصلاحات کالعدم ہوگئیں اور سلطنت آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے کی طرف جانے لگی۔ امراء امیں عدم اعتماد مزید تیز ہوا۔ محمود گانواں کے بعد کوئی امیر دربار میں ایسا نہ تھا جو سلطنت کو زوال پذیر ہونے سے روک سکے۔ قاسم برید نے چھوٹے بڑے امراء کو سلطان سے قریب کرنے کی کوشش کی، لیکن بڑے امراء اس سے مستثنیٰ رہے۔ نتیجے کے طور پر یہ صوبہ دار مزید خود مختاری کی طرف چلے گئے۔ اس زمانے میں ہندوستان کی سیاست میں ایک نئے عنصر نے قدم رکھا۔ یہ پرتگالی جنہوں نے بہمنی سلطنت سے گوا کو چھین کر اپنا مرکز بنالیا۔ وجے نگر اور اڑیسہ سے آویزش دراصل تنگ بھدرا، دوآب، کرشنا، گوداوری کا ڈیلٹا اور رائچور کے زرخیز علاقے اور ساحلی علاقوں کی بندرگاہوں خاص طور پر گوا اور دابھول لے کر تھی کیونکہ غیر ملکی تجارت دونوں سلطنتوں کے لیے بہت اہم تھی، جو ان کی معیشت کے لیے بہت فائدہ مند تھی، اسی لیے یہ علاقے ہمیشہ آویزش کے علاقے بنے رہے۔

سلطنت میں شیعہ سنی اختلافات بھی اسی عہد کے سیاسی منظر نامے میں ہمیں دیکھنے کو ملتے ہیں، کیونکہ ایران سے آنے والے زیادہ تر افراد شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ آفاقی اور دکنی امراء کی بیچ جھگڑے کا ایک سبب یہ بھی تھا۔ گروہ بندی صرف سیاسی نہ تھی بلکہ اس کے

پیچھے تہذیبی عناصر کارفرما تھے، کیونکہ اہم عہدے ایرانی امراء کو مل رہے تھے، جس کی وجہ سے کچھ بہمنی سلاطین کا جھکاؤ شیعہ مسلک کی طرف ہونے لگا تھا۔ بہت سی مہموں میں دکنی امراء کا دغا دینا اس بات کا غماز ہے۔ ایک دوسری بات یہ بھی تھی کہ بہمنی سلطنت میں جانشینی کا کوئی اصول نہ تھا جو بھی شہزادہ زیادہ حمایت حاصل کر لیتا وہ تخت نشین ہو جاتا اور جس گروہ کی مدد سے تخت پر بیٹھتا اس گروہ کو خاص مراعات مل جاتی تھیں جو بعد میں گروہی تصادم کی وجہ بنتی تھیں۔ ان ہی وجوہات کے سبب بہمنی سلطنت آہستہ آہستہ روبہ زوال ہوتی گئی اور آخر کار 1490ء کے بعد برار، بیجاپور، احمد نگر، گولکنڈہ اور بیدر کے صوبہ داروں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ وہ اپنے لیے الگ الگ عملداریاں قائم کر لیں جہاں کے وہ صوبہ دار تھے۔ اس علاقے پر ان کی گرفت مضبوط تھی، اس لیے وہ اپنے اپنے علاقوں میں خود مختار ہوتے چلے گئے اور 1527ء میں عملاً بہمنی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ جانشینی کے اصولوں کا واضح نہ ہونے کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی تھی ے کہ شہادوں کی فوجی تربیت اور انتظامی تربیت دینے کا کوئی معقول انتظام نہ تھا اور پھر بعض سلطان بہت چھوٹی عمر میں تخت نشین ہوئے جو فوجی اور انتظامی امور میں ناتجربہ کار تھے۔ لہٰذا ان پر امراء کے لیے اپنا اثر ورسوخ کرنا آسان ہو گیا اور محمود گانواں کی موت کے بعد سلطنت کا بکھراؤ تیز تر ہوتا چلا گیا۔

12.5 کلیدی الفاظ (Keywords)

عملداری	:	ریاست، سلطنت
سیادت	:	سرداری، سلطنت، حکومت
عصبیت	:	طرف داری، قرابت، پاس داری، تعصب
خلفشار	:	انتشار، جھگڑا
ناع	:	جھگڑا، فساد، تکرار، تنازع
اولوالعزم	:	باہمت: فراخ حوصلہ، پکے ارادہ والا
مستثنیٰ	:	الگ کرنا، علیحدہ کرنا
مراعات	:	رعایت، مروت

12.6 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

12.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. بہمنی سلطنت کا زوال کب ہوا؟
2. امیر ان صدہ نے محمد بن تغلق کے خلاف بغاوت کب کی۔
3. محمد شاہ سوم کی وفات کب ہوئی۔
4. احمد شاہ اول کا دور حکومت کب سے کب تک رہا؟

5. فتح اللہ عماد الملک نے اپنی خود مختاری کا اعلان کس سن میں کیا؟
6. امیر علی بریر کی وفات کس سن میں ہوئی؟
7. گولکنڈہ ریاست کے بانی قلی قطب شاہ کا انتقال کب ہوا؟
8. محمود گانواں کا قتل کس سن میں ہوا؟
9. بیجاپور کی عادل شاہی حکومت کا بانی کون تھا؟
10. احمد نگر سلطنت کے بانی ملک احمد کا انتقال کب ہوا؟

12.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. محمود گانواں کی سیاسی سرگرمیوں پر روشنی ڈالیں۔
2. بہمنی سلطنت کے زوال کے معاشی اسباب کیا تھے؟ تحریر کریں۔
3. بہمنی سلطنت کے زوال کے سماجی اسباب بیان کریں۔
4. بیدر سلطنت کے آغاز و زوال کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ تحریر کریں۔
5. برار اور بیجاپور کی سلطنت کے بانیوں پر مختصر نوٹ لکھیے۔

12.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. بہمنی سلطنت کے زوال میں کون کون سے عوامل کار فرما تھے؟ جائزہ لیں۔
2. بہمنی سلطنت کے زوال کے سیاسی اسباب تحریر کریں۔
3. بہمنی سلطنت کے زوال کے بعد جو سلطنتیں وجود میں آئیں، ان کا مختصر جائزہ پیش کریں۔

12.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Nilakanta Sastri, K.A., *A History of South India*: *From Prehistoric Times to the Fall of Vijayanagar*, Oxford University Press, New Delhi, 1997 (first pub. in 1955).
2. Nilkantha Shastri, K.A., and N. Venkata Ramanayya, *Further Sources of Vijayanagara History*, Madras, 1946.
3. Pillai, Manu S., *Rebel Sultans*: *The Deccan from Khilji to Shivaji*, Juggernaut, New Delhi, 2018.
4. Ramakrishna, V. et al eds., *History of Telangana*, Andhra Pradesh History Congress in association with Potti Sreeramulu Telugu University, EMESCO Books, Hyderabad, 2016.
5. Reddy, Srinivas, *Raya*: *Krishnadevaraya of Vijayanagara*, Juggernaut, New Delhi, 2020.
6. Sewell, Robert, *A Forgotten Empire (Vijayanagar)*: *A Contribution to the History of India*, Asian Educational Services, New Delhi, 2000 (first pub. in 1900).
7. Sherwani, H.K. ed., *History of Medieval Deccan* (*1295–1724*), Two Vols., The Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 1973.

8. Sherwani, H.K. *The Great Vazir Mahmud Gawan*, Bombay 1942.
9. Stein, Burton, The New Cambridge History of India: Vijayanagara, Cambridge University Press, New Delhi, 1990.
10. Yazdani, G. ed., *The Early History of the Deccan*, *Parts VII – XI*, Department of Archaeology and Museums, Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 2013 (first pub. in 1960).

11. دکن کے بہمنی سلاطین۔ہارون خان شیروانی۔دہلی1978۔اردو مترجم:رحم علی الہاشمی۔

12. عہد وسطی کاہندوستان۔پروفیسر ستیش چندر۔اُردو مترجم سید محمد عزیزالدین حسین۔دہلی2003۔

13. جنوبی ہند کی تاریخ۔کے اے نیل کنٹھ شاستری۔اردو مترجم آر کے بھٹناگر۔دہلی2011۔

14. مختصر تاریخ دکن۔مولوی محمد نجم الغنی صاحب قریشی۔حیدرآباد1930۔

اکائی 13۔ پانچ دکنی سلاطین کا استحکام: معاشرہ، سیاست اور معیشت

(Consolidation of the Five Deccani Sultanates: Society, Polity and Economy)

اکائی کے اجزا

13.0 تمہید

13.1 مقاصد

13. 2 پانچ دکنی سلطنتوں کا تاریخی پس منظر

13. 3 پانچ آزاد مملکتوں کا عروج

13.3.1 احمد نگر

13.3.2 بیجاپور

13.3.3 گولکنڈہ

13.3.4 بیدر

13.3.5 برار

13.4 بیرونی تعلقات

13.4.1 باہمی تعلقات

13.4.2 وجے نگر کے ساتھ تعلقات

13.4.3 مرہٹوں کے ساتھ تعلقات

13.4.4 مغلیہ سلطنت کے ساتھ تعلقات

13.4 5 یورپیوں کے ساتھ تعلقات

13.5 سیاسی حالات

13.6 معاشی حالات

13.7 معاشرتی حالات

13.8 اکتسابی نتائج

13.9 کلیدی الفاظ
13.10 نمونہ امتحانی سوالات
13.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

13.0 تمہید (Introduction)

بہمنی سلطنت کے ٹوٹنے سے دکن میں پانچ آزاد ریاستیں وجود میں آئیں، یعنی احمد نگر، بیجاپور، گولکنڈہ، بیدر اور برار۔ چند سالوں میں بیدر اور برار کی سلطنتیں ان کے طاقتور پڑوسیوں کے زیر تسلط ہو گئیں۔ بقیہ تین مغل سلطنت کے زیر قبضہ ہونے سے پہلے تقریباً سو سے ڈیڑھ سو سال (100-150) تک پھلتے پھولتے رہے۔ اس باب میں مرکزی توجہ ان ریاستوں میں ہونے والی سیاسی پیش رفت پر ہو گی۔ مراٹھوں، پرتگالیوں کے ساتھ ان کے تعلقات کو جاننے کی کوشش کی جائے گی۔ یہ بھی جاننا ہے کہ ان ریاستوں میں مغلوں کے داخلے کے ساتھ اس خطے میں ہونے والی پیش رفت کا پس منظر بھی ملتا ہے۔ اس باب کا مطالعہ سولہویں صدی کے دوران دکن اور جنوبی ہند کی ریاستوں کی سیاست اور معیشت کے حوالے سے تبدیلی اور تسلسل کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

13.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- دکن کی سلطنتوں یعنی احمد نگر، بیجاپور، گولکنڈہ، بیدر اور برار کے بارے میں بات کریں گے۔
- احمد نگر، بیجاپور اور گولکنڈہ کی ریاستوں میں سیاسی پیش رفت۔
- باہمی اور خطے کی دیگر طاقتوں کے ساتھ ان ریاستوں کے تعلقات۔
- بعد بہمنی دور کی سماجی اور اقتصادی حالت۔
- پرتگالیوں کی آمد کے بعد خطے میں ان کے اثرات۔

13.2 پانچ دکنی سلطنتوں کا تاریخی پس منظر (Background of Five Deccani Kingdoms)

1436 سے لیکر 1444 کے درمیان وجے نگر اور بہمنیوں کے درمیان دو جنگیں ہوئیں۔ پہلی جنگ میں بہمنیوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ تاہم، دوسری جنگ، فریشتہ کے مطابق، بالآخر بہمنیوں کے لیے فائدہ مند ثابت ہوئی۔ سنگمیشور اور خاندیش کے راجوں کو محکوم بنایا گیا۔ گجرات کی مہم میں بہمنیوں کی شکست کا بڑا سبب اشرافیہ کے دو دھڑوں یعنی دکنیوں اور آفاقیوں کے درمیان اندرونی لڑائی تھی۔ دکنیوں نے بہمنی مقصد سے غداری کی تھی۔ لہٰذا، خاندیش کے خلاف مہم میں، دکنیوں کو خارج کر دیا گیا جس کے سنگین اثرات مرتب ہوئے۔ 1446 میں، کھیرلا اور سنگمیشور (کونک) کے راجہ کو دبانے کے لیے، دکنیوں اور آفاقیوں کو بھیجا گیا۔ یہ مہم بہمنیوں کے لیے تباہی میں ختم

ہوئی۔ دکنیوں نے آفاقیوں پر الزام لگایا جنہیں اس کے نتیجے میں سزا دی گئی۔ بعد میں آفاقیوں نے اپنا مقدمہ پیش کیا اور دربار میں دوبارہ عروج حاصل کیا۔ یہ جھگڑے سلطنت کے لیے نقصان دہ ثابت ہوئے۔ یہ وہ دور تھا جب محمود گاوان بہمنی وزیر کے طور پر نمایاں ہوا۔ اڑیسہ کے حکمران نے تلنگانہ کے بادشاہ کے ساتھ اتحاد میں بہمنیوں پر حملہ کیا لیکن انہیں محمود گاون نے پسپا کر دیا۔ مالوا کے حکمران نے بہمنی علاقوں (مثلاً بیدر) کو فتح کرنے کی کوشش کی۔ تاہم، جب گجرات بہمنیوں کو بچانے کے لیے آیا تو اسے پیچھے ہٹنا پڑا۔ مالوا کی ایک اور کوشش بھی ناکام ہو گئی۔ محمود گاوان نے ہبلی، بیلگام اور باگل کوٹ کو فتح کیا۔ بمبئی، کرناٹک زون بہمنی کے زیر تسلط آ گیا۔ گاوان کی قابل رہنمائی کے تحت، سلطنت اڑیسہ سے گواہ (کونک) تک پھیل گئی۔ آخر کار، محمود گاوان، ایک آفاقی، گروہی دشمنی کا شکار ہو گیا اور دکنی جماعت کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اس کے بعد سلطنت ٹوٹ پھوٹ کے راستے پر چل پڑی۔ وجے نگر کے خلاف شروع کی گئی جنگیں تباہی کے ساتھ ختم ہوئیں اور بالآخر 1538 تک بہمنی خاندان کا خاتمہ ہو گیا اور سلطنت پانچ ریاستوں برار، بیدر، احمد نگر، بیجاپور اور گولکنڈہ میں تقسیم ہو گئی۔

13.3 پانچ آزاد مملکتوں کا عروج (Rise of the Five Independent Kingdoms)

دکن سلاطین پانچ خاندان تھے جنہوں نے کرشنا اور تنگابدر اندیوں کے درمیان دکن کے سطح مرتفع کے علاقے میں حکومت کی۔ یہ بیجاپور، احمد نگر، گولکنڈہ، بیدر اور برار سلطنتیں تھیں۔ وہ پندرہویں صدی کے آخر اور سولہویں صدی کے اوائل میں بہمنی سلطنت کے طور پر قائم ہوئے۔ بہمنی سلطنت نے چودھویں صدی کے وسط سے دکن پر حکمرانی کی تھی، اور پندرہویں صدی کے آخر تک آتے آتے بکھر گئی۔

13.3.1 احمد نگر (Ahmednagar)

احمد نگر کے نظام شاہی خاندان کی بنیاد ملک احمد نظام الملک بحری نے 1490 میں رکھی تھی۔ وہ ملک حسن کا بیٹا تھا۔ بہمنی سلطنت کے وزیر اعظم ملک حسن نے کونکن سے اس سلطنت کی تشکیل شروع کی اور 1510 میں اپنی موت کے وقت یہ سلطنت سمندر کے ساحل پر بیر سے چول اور راوینڈہ تک اور شمال میں خاندیش کی سرحدوں سے لے کر جنوب میں پونہ، چکن اور شولاپور تک پھیل گئی۔ اس میں دولت آباد کا قلعہ بھی شامل تھا۔ یہ سلطنت 1636 تک جاری رہی جب اس پر مغلوں نے قبضہ کر لیا۔ اس پورے عرصے میں احمد نگر کے حکمرانوں نے اپنے زیر قبضہ علاقوں کو بیرونی جارحیت سے بچانے کے لیے جدوجہد کی۔ اس کے ساتھ ساتھ نئے علاقوں کو ضم کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ اس سمت میں سب سے بڑی کامیابی اس وقت ملی جب بیرار کا الحاق کیا گیا۔ احمد نگر کو پہلا جھٹکا 1511 میں اس وقت لگا جب وہ شولاپور کو بیجاپور سے ہار گئی۔ احمد نگر کے حسین نظام شاہ کے لیے ایک اور دھچکا اس وقت آیا جب گولکنڈہ، بیجاپور اور وجے نگر نے اسے ذلت آمیز شکست دینے کے لیے ہاتھ ملائے، لیکن وہ سلطنت کو محفوظ کرنے میں کامیاب رہے۔ جلد ہی حسین نظام شاہ نے اپنی بیٹی چاند بی بی کی شادی بیجاپور کے علی عادل شاہ سے کرادی۔ کچھ عرصے بعد (1565)، بیجاپور، گولکنڈہ، احمد نگر اور بیدر نے وجے نگر پر حملہ کیا۔ اس کے حکمران رام راجہ کو شکست ہوئی اور قتل کر دیا گیا۔ حسین کا بھی انتقال 1565 میں ہوا اور ان کا جانشین ان کا بڑا بیٹا مرتضیٰ بنا جس نے 1588 تک حکومت کی۔ پہلے چھ سالوں کے دوران مرتضیٰ کی والدہ خنزہ ہمایوں نے مملکت کے معاملات کو کنٹرول کیا لیکن ان کے پڑوسیوں کے خلاف ان کی بار بار فوجی

ناکامیوں نے نظام شاہی اشرافیہ کو مرتضیٰ کی مدد کرنے میں مدد دی۔ انتظامیہ کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی اور صورت حال کا ازالہ کیا۔ 1574 میں، مرتضیٰ نے برار کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ 1588ء میں اس کے بیٹے حسین نے اسے قتل کر دیا لیکن مؤخر الذکر بھی 1589 میں مارا گیا۔ 1595 میں چاند بی بی نے بہادر نظام شاہ کو تخت نشین کیا اور باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اسے مغلوں کی زبردست طاقت کا سامنا کرنا پڑا، اور اسے بیرار کو مغلوں کے حوالے کرنے پر مجبور کیا گیا۔ مغلوں کے بڑھتے ہوئے دباؤ نے چاند بی بی کو احمد نگر قلعہ کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن ان کے سرداروں کے ذریعہ اس کو قتل کیا گیا اور 1600 میں مغلوں کے ذریعہ احمد نگر قلعہ پر دوبارہ قبضہ ہوا۔ بہادر نظام شاہ کو اسیر بنا کر قلعہ گوالیار بھیج دیا گیا۔

ملک امبر، نظام شاہی سردار، نے شاہی خاندان کے ایک فرد کو مرتضیٰ نظام شاہ دوم کو تخت نشین کر کے سلطنت کو بحال کرنے کی کوشش کی۔ وہ مغلوں کی نفی کرتا رہا۔ 1610 میں، انہوں نے مرتضیٰ کو قتل کر کے اپنے بیٹے برہان کو نظام شاہ سوم کے طور پر تخت نشین کیا۔ اس کے دور حکومت میں نظام شاہی افواج اور پرتگالیوں کے درمیان جھڑپیں ہوئیں۔ نظام شاہی افواج پر مغل دباؤ نے برہان کو پرتگالیوں کے ساتھ صلح کرنے پر مجبور کیا۔ 1616 میں، مغل کمانڈر شاہ نواز خان نے نئے نظام شاہی دارالحکومت کھرکی کو تباہ کر دیا، لیکن ملک امبر نے اسے بحال کیا اور مغلوں کے خلاف دوبارہ حملہ شروع کر دیا۔ بعد میں شہزادہ خرم نے ملک امبر کو احمد نگر قلعہ اور بالا گھاٹ کے اضلاع کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا۔ تاہم 1619–1620 کے دوران، ملک امبر نے کھوئے ہوئے علاقوں کو دوبارہ حاصل کیا۔

ملک امبر نہ صرف ایک کامیاب فوجی کمانڈر تھا بلکہ ایک انتہائی قابل منتظم بھی تھا۔ انہیں محصولات اور عام انتظامیہ سے متعلق متعدد موثر اقدامات کا سہرا دیا جاتا ہے۔ 1626 میں ان کی موت کے ساتھ، احمد نگر نے تمام امیدیں کھو دی۔ اب مرہٹوں نے شاہجہاں کے ماتحت مغلوں کے خلاف احمد نگر کی مدد کرنے کی کوشش کی۔ شاہ جی بھونسلے نے شاہی خاندان کے ایک فرد کو مرتضیٰ نظام شاہ سوم کے طور پر تخت نشین کیا۔ لیکن شاہجہاں نے 1636 میں محمد عادل شاہ کو شکست تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا۔ ایک سمجھوتہ کے مطابق نظام شاہی سلطنت کا خاتمہ ہوا۔ یہ مغلوں اور بیجاپور سلطنت کے درمیان تقسیم تھا۔ یہ طے پایا کہ پاریندا اور شولاپور کے قلعے اور ان کے ملحقہ اضلاع، صوبہ کلیانی اور بھیما اور نیرا ندیوں کے درمیان واقع نظام شاہی کا علاقہ بیاپور پر عادل شاہ کے قبضے رہینگے اور بدلے میں وہ شاہ جی بھونسلے کو حاضر کرنے میں مغلوں کی مدد کرے گا۔ گولکنڈہ کے عبداللہ قطب شاہ نے بھی مغلوں سے معاہدہ کیا۔ شہزادہ اورنگزیب کو مغل دکن کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اس نے اُدگیر اور اوسہ کے نظام شاہی قلعوں کو فتح کیا جس نے احمد نگر سلطنت کا خاتمہ مکمل کیا۔ اور اس طرح نظام شاہی سلطنت کا خاتمہ ہوا۔

13.3.2 بیجاپور (Bijapur)

آزاد ریاست بیجاپور بھی 1490 میں بہمنی سلطنت سے الگ ہوئی تھی۔ تقریباً دو سو سال تک اس پر عادل شاہی بادشاہوں کی حکومت رہی۔ اس کا بانی، فارسی نسل کا یوسف عادل شاہ، جو کہ بہمنی سلطنت کے صوبہ بیجاپور کا گورنر تھا۔ انہوں نے 1490 میں اپنی آزادی کا اعلان کیا۔ انہوں نے رائچور، گواہ، دابھول، گلبرگہ اور کلیانی پر قبضہ کر کے اپنے چھوٹے سے علاقے کو وسیع کیا۔ لیکن انہوں نے 1510 میں

گواہ کو پرتگالیوں سے کھو دیا۔ ان کے جانشینوں کے دور میں، نئے علاقوں کو برقرار رکھنے اور شامل کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ ان کے جانشین اسماعیل شاہ نے احمد نگر سے شولا پور پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ اسماعیل شاہ کی بڑی کامیابی بیدر پر قبضہ تھا۔ بیدر کا حکمران امیر بارد ہمیشہ بیجاپور کے خلاف سازشیں کرتا رہا تھا۔ چنانچہ اسماعیل نے ان کی مارچ کیا اور اسے زندہ پکڑ لیا اور انہیں بیجاپوری اشرافہ میں شامل کیا گیا۔ 1530 میں، اسماعیل نے علاؤالدین عماد شاہ کے ساتھ مل کر رائچور دوآب اور مدگل کو وجے نگر سلطنت سے چھین لیا۔ انعام کے طور پر اسماعیل نے قندھار اور کلیانی کے بدلے امیر بارد کو بیدر واپس کر دیا۔ لیکن بیدر واپسی کے بعد امیر بارد نے برہان کے ساتھ اتحاد کر لیا اور قندھار اور کلیانی دینے سے انکار کر دیا۔ آخر کار اسماعیل نے حملہ کر کے اسے شکست دی۔

1534 میں، اسماعیل نے سلطان قلی قطب الملک سے کوول کنڈا اور گولکنڈہ لینے کی ناکام کوشش کی۔ بیجاپور واپسی کے بعد اسی سال ان کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد ان کے بڑے شہزادے ملو عادل خان نے تخت سنبھالا۔ لیکن، ان کے غیر اخلاقی رویے کی وجہ سے، ان کو اندھا کر دیا گیا اور ان کی دادی پنجی خاتون نے 1535 میں ان کو قید کر دیا۔ ان کی موت 1535 میں اسیری میں ہوئی۔ اس کے بعد ان کا چھوٹا بھائی ابراہیم تخت نشین ہوا۔ ابراہیم کو مجبور کیا گیا کہ وہ سالسیٹ اور بارڈیز کی بندرگاہیں پرتگالیوں کو دے دیں کیونکہ مؤخر الذکر نے 1535 میں پہلے ہی ان پر قبضہ کر لیا تھا تاکہ باغی شہزادے عبداللہ کو قابو میں رکھا جا سکے جس نے گوا میں پناہ لی تھی۔ علی عادل شاہ اول (1556-1580)، اگلے سلطان نے، ادونی، تورگل، دھنور اور بنکاپور کے وجے نگر قلعوں پر قبضہ کر لیا اور وجے نگر کے نئے دارالحکومت، پینو کونڈا پر قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کی۔ علی عادل شاہ اول کو 1580 میں قتل کر دیا گیا۔ ان کے بعد اس کا نابالغ بھتیجا ابراہیم تخت نشین ہوا۔ اس کی خالہ چاند بی بی نے اس کی سرپرستی کی تھی۔ ابراہیم عادل شاہ کی سب سے بڑی کامیابی 1619 میں بیدر کی سلطنت کا الحاق تھا۔ ابراہیم کا جانشین محمد عادل شاہ (1627–1656) تھا۔ اس نے پرتگالیوں سے ٹیوی، بارڈر، سرزورہ اور ثقافت کو فتح کیا۔ ان کے دور حکومت میں سلطنت اپنی شان و شوکت کے عروج پر پہنچ گئی۔ 1656 میں ان کی موت کے وقت، سلطنت کی حدود بحیرہ عرب سے لے کر خلیج بنگال تک پھیلی ہوئی تھیں اور مغلوں کو ادائیگیوں سے ہونے والے نقصان کی تلافی محکوم نائک کی طرف سے ادا کی جاتی تھی۔ محمد عادل شاہ کی موت کے بعد ان کا بیٹا علی شاہ اول (1656–1672) ان کا جانشین ہوا۔ ان کے دوران حکومت میں، مغل اور مرہٹہ حملوں نے سلطنت کو کمزور کر دیا۔ ان کی موت کے بعد ان کے چار سالہ بیٹے سکندر کو سلطان (1672–1686) قرار دیا گیا۔ ان کے دور میں، گروہی لڑائیاں، گولکنڈہ کی مداخلت اور مراٹھوں اور مغل حملوں نے سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔ آخر کار، 1686 میں، مغل بادشاہ اورنگزیب نے عادل شاہی افواج کو شکست دے کر سلطنت کو مغلیہ سلطنت سے جوڑ لیا۔

13.3.3 گولکنڈہ (Golconda)

قطب شاہی خاندان کا بانی سلطان قلی تھا جس کا تعلق ترکمان قبیلے قارا قیونلو سے تھا۔ انہوں نے بہمنی سلطان شہاب الدین محمود (1482–1518) کے دور میں اقتدار حاصل کرنا شروع کیا۔ وہ تلنگانہ صوبے کا گورنر بنا جس کی دارالحکومت گولکنڈہ تھی۔ انہوں نے کبھی اپنی آزادی کا اعلان نہیں کیا لیکن بہمنی سلطان کی کمزوری نے اسے آزادانہ حکومت کرنے کا موقع فراہم کیا۔ گولکنڈہ کی حدیں اب وجے نگر اور

بیجاپور کی حدود کو چھوتی تھی۔ انہوں نے اڑیسہ سے کچھ علاقہ چھین لیے اور اپنا تسلط گوداوری- کرشن دوآب تک ایلور اور راجمندری تک بڑھا دیا۔ دریائے گوداوری کو دونوں ریاستوں کے درمیان سرحد کے طور پر مقرر کیا گیا تھا۔ انہوں نے وجے نگر سلطنت سے کونڈاویڈو پر قبضہ کر لیا۔ انہوں نے بیجاپور اور بیدر کے قبضے سے اپنے علاقوں کو محفوظ رکھا۔ ان کا انتقال 1543 میں ہوا۔ ان کے بعد ان کا بیٹا جمشید قلی خان تخت نشین ہوا جس نے عظیم کارنامہ احمد نگر اور بیجاپوری حکمرانوں کے درمیان ثالثی کر کے اور بیدر کے علی بند کو اس کے تخت پر بحال کر کے دکنی سلطانوں میں اپنا وقار بڑھایا۔ ان کا انتقال 1550 میں ہوا۔ ابراہیم (1550–1580) پہلا قطب شاہی سلطان تھا جس نے باضابطہ طور پر ایک آزاد بادشاہ کے طور پر حکومت کی اور ان کے نام پر سکے چلائے گئے۔ ان کا جانشین محمد قلی قطب شاہ (1580–1611) تھا۔ انہوں نے 1591 میں حیدر آباد میں اپنے دارالحکومت کی بنیاد رکھی۔ ان کے دور حکومت میں گولکنڈہ میں متعدد یورپی کارخانے قائم ہوئے۔ ان کا انتقال 1611 میں ہوا اور ان کا جانشین محمد قطب شاہ تھا۔ نئے حکمران نے توسیع کے بجائے استحکام کو ترجیح دی۔ ان کا انتقال 1626 میں ہوا اور ان کا جانشین ان کا بڑا بیٹا عبداللہ قطب شاہ بنا۔ 1636 میں، انہیں مغلوں کے سامنے ایک "تسلیم شدہ دستاویز" اور ایک عہد پر دستخط کرنا پڑا جس کے ذریعے گولکنڈہ مغل سلطنت کی جاگیر بن گئی۔ بعد میں انہوں نے کرناٹک کے کچھ علاقوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ 1672 میں ان کی موت کے بعد ان کا داماد عبدالحسن (1672–1687) تخت نشین ہوا۔ آخر کار مغل بادشاہ اورنگزیب نے 1687 میں گولکنڈہ کو مغلیہ سلطنت کے ساتھ جوڑ لیا۔

13.3.4 بیدر (Bidar)

بیدر قرون وسطی کے ہندو خاندانوں میں اہم تھا۔ اس پر 1324 میں مسلم شہزادے محمد ابن تغلق نے قبضہ کر لیا تھا، جو اگلے سال دہلی کا سلطان بنا۔ 1347 میں دکن کا علاقہ بہمنیوں کی قیادت میں سلطنت کے کنٹرول سے الگ ہو گیا، جس کے حکمران احمد شاہ بہمنی نے 1425 کے قریب اپنے دارالحکومت کی جگہ گلبرگہ سے بیدر منتقل کر دی۔ پندرہویں صدی عیسوی میں بہمنی سلطنت پانچ چھوٹی سلطنتوں میں بٹ گئی۔ بارد شاہی، ان پانچ سلطنتوں میں سے ایک جو بہمنیوں کے زوال کے بعد وجود میں آئی- انہوں نے کرناٹک کے علاقہ بیدر سے 1487 سے 1619 تک تقریباً ایک سو بیس سال حکومت کی۔ بارد شاہی کا دارالحکومت بیدر تھا۔ بارد شاہیوں کا علاقہ، بیرار کے عماد شاہیوں، اور شمال میں دریائے گودھاوری سے دریائے کرشنا تک گھیرا ہوا تھا۔ جنوب میں رائچور، دوآب اور وجے نگر سلطنت، مشرق میں آندھرا پردیش کے گولکنڈہ کے قطب شاہی سے لے کر مغرب میں بیجاپور کے عادل شاہی اور احمد نگر کے نظام شاہوں نے گھیرا ہوا تھا۔ بارد شاہی سلطنت کا بانی امیر قاسم بارد تھا۔ انہوں نے 1487ء سے لیکر 1504ء تک حکومت کی۔ ان کا مقابلہ یوسف عادل شاہ سے ہوا جس کی طاقت کو روکنے کی کوشش کی گئی۔ انہوں نے بیدر، بسواکلیان اور بھالکی وغیرہ کے علاقوں پر حکومت کی۔ امیر قاسم کا بیٹا امیر علی بارد اس مملکت کا دوسرا حکمران تھا۔ انہوں نے 1504ء سے لیکر 1542ء تک حکومت کی اور 1527ء میں اپنی آزادی کا باقاعدہ اعلان کیا۔ ان کے بیٹے علی بارید شاہ نے 1542ء سے لیکر 1579ء تک حکومت سنبھالی۔ انہوں نے احمد نگر اور بیجاپور کی لڑائیوں میں حصہ لیا اور وجے نگر کے خلاف اتحادیوں میں شمولیت اختیار کی۔ علی بارد کے بعد پانچ بادشاہ تھے اور اس دور میں ریاست اپنی طاقت اور اہمیت کھو چکی تھی۔ احمد نگر اور بیجاپور

دونوں کا مقصد اس پر قبضہ کرنا تھا اور آخر کار اسے ضم کر دیا گیا۔ 1619ء میں بیدر کو بیجاپور نے اپنے ساتھ ملا لیا۔ 1656ء تک بیدر عادل شاہی سلطنت کا حصہ تھا۔ سترہویں صدی کے وسط میں اورنگ زیب کی طرف سے دکن کی فتح پر، بیدر مغل سلطنت کا حصہ بن گیا۔ مغلیہ سلطنت کے ٹوٹنے کے بعد، بیدر 1724 میں نظام حیدر آباد کے قبضے میں آگیا۔ جب حیدر آباد ریاست 1956 میں تقسیم ہوئی تو بیدر کو میسور (اب کرناٹک) ریاست میں منتقل کر دیا گیا۔

13.3.5 برار (Berar)

برار، جو شمال مشرقی دکن میں واقع ہے، چودھویں صدی کے آخر میں بہمنی سلطنت کی چار انتظامی اکائیوں میں تقسیم ہونے کے بعد ایک علیحدہ صوبے کے طور پر تشکیل دی گئی تھی۔ 1490 میں، اس کے گورنر فتح اللہ عماد الملک نے حکومت (1490–1512) اپنی آزاد حکومت قائم کی اور عماد شاہی خاندان (1490–1574) کی بنیاد ڈالی۔ برار سلطنت کی دار الحکومت ایلچ پور قائم کی گئی تھی۔ عماد الملک کا بیٹا علاء الدین 1512 میں ان کی موت کے بعد ان کا جانشین بنا۔ علاء الدین نے گجراتی بادشاہ بہادر شاہ کی مدد سے 1528 میں احمد نگر کے حملے کو پسپا کر دیا۔ احمد نگر کی جارحیت کو روکنے کی کوشش میں، برار کی ملکہ، دریا نے شروع میں بیجاپور کے ساتھ اتحاد کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ ناکام رہی۔ اگرچہ سلطنت کو اپنے پڑوسیوں کی طرح خوشحال ہونا چاہیے تھا لیکن احمد نگر اور گجرات کے سلطانوں کی طرف سے مسلسل دباؤ کا سامنا کرنا پڑا، جو برار کو اپنے ساتھ الحاق کرنے کے لیے پر عزم تھے۔ برار حکمرانوں نے کئی دہائیوں تک بہادری سے دفاع کیا لیکن وہ مرتضیٰ نظام شاہ اول کی پر عزم کوششوں کو پسپا نہ کر سکے۔ احمد نگر کے سلطان نے اس طرح برار پر قبضہ کر لیا، اور یہ 1596 تک اس کی سلطنت کا حصہ رہا، جب یہ مغلوں کے ہاتھ میں آگئی۔

13.4 بیرونی تعلقات (Foreign Relations)

اپنے وجود کے دوران، دکن کی یہ سلطنتیں مختلف طریقوں سے ایک دوسرے کے ساتھ بات چیت کرتی تھیں۔ ان کا رابطہ جنوبی ہند کی دیگر ریاستوں، مغلوں، مراٹھوں اور یورپی بستیوں سے بھی ہوا۔ اس باب میں، ہم ان معاملات کی نوعیت پر تبادلہ خیال کریں گے۔

13.4.1 باہمی تعلقات (Mutual Relations)

ان ریاستوں کے درمیان بات چیت کی نوعیت ان کے انفرادی مفادات کے مطابق بدلتی رہی۔ علاقوں پر قبضہ کرنے کے لیے تنازعات تھے کبھی کبھار دو ریاستیں مل کر تیسرے کی مخالفت کرتے تھی۔ بعض مواقع پر، دو چھوٹی ریاستوں برار اور بیدر کے ساتھ ہاتھ ملاتے تھے۔ ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے کے لیے بیرونی طاقتوں کے ساتھ بھی اتحاد بنائے گئے۔ احمد نگر نے شولاپور پر قبضے کے لیے بیجاپور سے پہلی جھڑپ کی اور اسے شکست ہوئی۔ برہان کی حکومت کے دوران بیجاپور، گجرات نے خاندیش اور بگلانہ کی حمایت سے اس پر حملہ کیا۔ 1530 میں احمد نگر اور بیجاپور نے اتحاد کیا جس کے مطابق سابقہ بیرار اور بعد میں تلنگانہ کا الحاق ہوا۔

بیجاپور کے اسماعیل نے احمد نگر کے برہان نظام شاہ کے ساتھ اتحاد کیا۔ انہوں نے اپنی بہن مریم کی شادی برہان سے کی اور جہیز کے طور پر شولاپور کا وعدہ کیا۔ لیکن جب انہوں نے شولاپور برہان کو نہیں دیا تو ان کے درمیان تعلقات بگڑ گئے۔ برہان نے برار کے علاؤالدین عماد شاہ کے ساتھ مل کر شولاپور کو طاقت کے ذریعے چھیننے کی کوشش کی لیکن اسے شکست ہوئی۔ اس کے بعد سے شولاپور دونوں کے درمیان جھگڑے کی ہڈی بن گیا۔ 1526 میں، برہان نے امیر بارد کے ساتھ اتحاد کر کے دوبارہ شولاپور پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن اسے شکست ہوئی۔ شولاپور کی وجہ سے احمد نگر کے ساتھ بیجاپور کے تعلقات خراب ہو گئے تھے۔ برہان کا شیعہ مسلک اختیار کرنا، ابراہیم کا سنی مسلک کا پیروکار ہونا اور اس لیے بھی کہ ابراہیم نے احمد نگر سلطنت کی تقسیم کے لیے گجرات اور خاندیش کے حکمرانوں کے ساتھ سازش کی تھی۔ برہان نے امیر بارد کے ساتھ مل کر بیجاپور پر حملہ کیا اور 1542 میں شولاپور پر دوبارہ قبضہ کر لیا، لیکن ابراہیم نے برار کے حکمران دریا عماد شاہ کی مدد سے اسے پسپائی پر مجبور کیا۔ 1543 میں امیر برید کی موت نے برہان کو امن کی پیشکش کرنے اور شولاپور، ابراہیم کو واپس کرنے پر مجبور کیا۔ 1543 میں احمد نگر، گولکنڈہ، بیدر، برار اور وجے نگر سبھی بیجاپور کے خلاف شامل ہو گئے۔ لیکن جلد ہی یہ اتحاد ٹوٹ گیا اور گولکنڈہ، وجے نگر اور بیجاپور نے احمد نگر کی مخالفت شروع کر دی۔ آخر کار، بیجاپور کے حسین شاہ نے وجے نگر کے رام راج کے ساتھ صلح کر لی۔ شرائط یہ تھیں:

1. کلیانی کو حسین کے ذریعے بیجاپور سے روکنا۔
2. حسین کو جہانگیر خان یعنی عماد شاہی جنرل کو موت کے گھاٹ اتار دینا چاہئے کیونکہ وہ جنگ میں بہت سرگرم تھا۔
3. حسین کو رام راجہ کے ہاتھ سے پان (بیتل پتی) لینے کے لئے وجے نگر کا دورہ کرنا چاہئے۔

کچھ ہی دیر میں یہ اتحاد ختم ہو گیا۔ 1619ء میں ابراہیم عادل شاہ نے بیدر کی سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ احمد نگر اور بیجاپور پھر سے تنازعات کے ایک سلسلے سے گزرے۔ آخر کار احمد نگر 1625 میں شولاپور پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ بیجاپور کے اشرافیہ کے مختلف دھڑوں کے درمیان لڑائی کے علاوہ شیواجی اور مغلوں کے حملوں نے بیجاپور ریاست کو ہمیشہ کے لیے تباہی کے دہانے پر کھڑا کر دیا۔ مزید یہ کہ خزانہ بھی خالی تھا۔ بیجاپور کے حکمران کی درخواست پر قطب شاہ نے بیجاپور کو قرض دیا لیکن قطب شاہ پیشوا مدنا کے بھائی اکنا کو بیجاپور دربار میں مشیر مقرر کیا۔ انہوں نے بیجاپور میں قطب شاہی اثر و رسوخ کی چوٹی کو نشان زد کیا۔ سولہویں صدی کے اختتام پر، بیجاپور، گولکنڈہ اور احمد نگر نے 1597 میں سونی پت کی لڑائی میں مغلوں کے خلاف ہاتھ ملایا لیکن انہیں شکست ہوئی۔

13.4.1 وجے نگر کے ساتھ تعلقات (Relations with Vijaynagar)

دکن کی ریاستوں اور وجے نگر کے درمیان معاندانہ تعلقات تھے۔ لیکن بعض اوقات ایک ریاست دوسری ریاست کے خلاف وجے نگر کی مدد لیتی تھی۔ بیجاپور پہلی ریاست تھی جو وجے نگر کے ساتھ مل کر آئی تھی۔ بیجاپور میں خانہ جنگی، پرتگالیوں اور بیدر کے امیر بارد کی طرف سے اکسانے کی وجہ سے وجے نگر کے کرشن دیوارایا نے 1512 میں بیجاپور سے رائچور دوآب پر قبضہ کر لیا۔ 1520 میں اسماعیل نے رائچور دوآب کو واپس لینے کی کوشش کی لیکن اسے شکست دی گئی۔

1543 میں، دکن کی ریاستوں نے وجے نگر کے ساتھ بیجاپور کے خلاف اتحاد قائم کیا۔ وجے نگر نے رائچور دوآب کو واپس لے لیا اور احمد نگر نے شولاپور پر قبضہ کر لیا۔ کچھ مدت بعد وجے نگر، بیجاپور اور گولکنڈہ نے احمد نگر کے خلاف ہاتھ ملایا۔ انہوں نے احمد نگر کا محاصرہ کیا اور اسے شکست دی۔ دکنی سلاطین کے درمیان باہمی جھگڑے اور جنگ نے وجے نگر کے رامراج کو بہت مضبوط بنا دیا۔ لیکن کچھ مدت بعد دکن کی ریاستوں میں باہمی اتحاد کے لیے مذاکرات ہوئے اور وجے نگر کے خلاف ایک اتحادی تشکیل دی گئی۔ حسین نظام شاہ نے اپنی بیٹی چاند بی بی کی شادی علی عادل شاہ اول سے کی اور شولاپور کا قلعہ جہیز میں دیا۔ علی عادل شاہ نے اپنی بہن کی شادی حسین نظام شاہ کے بیٹے مرتضیٰ سے کی۔ اور ان کی بیٹی کی شادی ابراہیم قطب شاہ سے ہوئی۔ پھر انہوں نے وجے نگر سلطنت کے خلاف جنگ کی تیاری کی۔ جنگ کا بہانہ تلاش کرنے کے لیے، علی عادل شاہ اول نے ایک سفیر کو رام راج کے پاس بھیجا تاکہ یادگیر، باگل کوٹ، رائچور اور مدگل کے قلعوں کی واپسی کا مطالبہ کیا جائے جن پر رام راج نے پچھلے چند سالوں میں قبضہ کر لیا تھا۔ رام راج نے تعمیل کرنے سے انکار کر دیا اور سفیر کو دربار سے نکال دیا۔ اس کی وجہ سے اتحادی، یعنی حسین نظام شاہ، ابراہیم قطب شاہ، علی عادل شاہ اور علی برید وجے نگر کی طرف بڑھے۔ 23 جنوری 1565 کو بنی بٹی یا تلی کوٹہ میں جنگ ہوئی۔ وجے نگر کی فوج کو شکست دی گئی اور رام راجہ مارا گیا۔ اس کے بعد وجے نگر سلطنت اپنی طاقت اور شان کھو بیٹھی۔

13.4.3 مراٹھا کے ساتھ تعلقات (Relations with the Marathas)

دکن کی ریاستوں میں سے، احمد نگر کا کبھی بھی مراٹھوں کے ساتھ تنازعہ نہیں تھا، لیکن بیجاپور اور گولکنڈہ کے ساتھ مسلسل تضادات رہے۔ 1650 کے بعد سے، شیواجی نے بیجاپور کے علاقے میں اپنا فوجی حملہ شروع کیا۔ 1650 اور 1656 کے درمیان، اس نے پورندر، کلیانی، بھیونڈی، مہولی، جاولی، سری نگر پور اور رائری پر قبضہ کیا۔ اس طرح وہ سوائے کونکن بندرگاہوں کے عادل شاہی سلطنت کے پورے شمال مغربی کا مالک بن گیا۔ 1665 میں، جئے سنگھ کی قیادت میں مغلوں نے بیجاپور کو فتح کرنے کی ناکام کوشش کی۔ دریں اثنا، شیواجی اور مغلوں کے درمیان پورندر کے معاہدے کے ذریعے جنگ روک گئی۔ جب علی عادل شاہ ثانی نے دیکھا کہ مغل شیواجی کے پیچھے ہیں تو انہوں نے سوچا کہ جدوجہد جاری رکھنا ممکن نہیں ہے۔ ایک اور معاہدہ کیا گیا جس کے ذریعے شولاپور اور اس سے ملحقہ علاقہ مغلوں کو دئے گئے۔ اس طرح شیواجی کی دراندازی رک گئی۔

1672 میں علی عادل شاہ ثانی کی وفات کے بعد اس کا چار سالہ بیٹا سکندر تخت نشین ہوا۔ شیواجی نے بیجاپور کے پریشان کن حالات کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ 1673 میں انہوں نے پنالہ، پرلی، ستارہ پر قبضہ کیا اور ہبلی پر چھاپہ مارا اور لوٹ مار کی۔ بیجاپور کے افغان اور دکنی اشرافیوں کے درمیان جھگڑے کی وجہ سے شیواجی بیجاپور کے علاقے پر حملہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے 1675 میں فونڈا، سنڈا، کاروار، انکولہ اور کدرا پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد، شیواجی نے قطب شاہ کے ساتھ اتحاد کیا جس نے شیواجی کو بیجاپور کے خلاف فوجی مہم کے اختتام تک 4.5 لاکھ روپے کی ماہانہ سبسڈی دینے پر اتفاق کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے 5000 فوجیوں کے ساتھ ان کی مدد کرنے پر بھی رضامندی ظاہر کی۔ شیواجی نے اپنی مجوزہ فتوحات کو تقسیم کرنے کا وعدہ کیا جو ان کے والد کی جاگیر نہیں بنتی تھی۔ شیواجی نے پھر جنجی اور ویلور کو لے لیا، دریائے کولرون کے شمال تک کے علاقے پر قبضہ کر لیا اور پھر بیلگام واپس آ گیا۔ اسی وقت شیواجی نے گوکونڈہ میں بھی قدم رکھا۔ انہوں نے 1677

میں ابوالحسن قطب شاہ سے ملاقات کی اور انہوں نے ایک معاہدے پر دستخط کیے جس کے مطابق (i) قطب شاہ کو روزانہ 3000 کی سبسڈی دینی تھی جب تک کہ اس کے والد کی جاگیروں پر قبضے کی مہم جاری رہے گی۔ (ii) شیواجی نے مہم کے خاتمے کے بعد کرناٹک کے وہ حصے قطب شاہ کے حوالے کرنے تھے جو شیواجی کے والد کے نہیں تھے۔

13.4.4 مغلیہ سلطنت سے تعلق (Relationship with the Mughal Empire)

مغلوں کی ذاتی خواہشات یا مذہبی عقائد نے دکن کی ریاستوں کے بارے میں ان کی پالیسی کا تعین نہیں کیا۔ مغلوں کی دکن پالیسی اکبر سے شروع ہوتی ہے۔ مغلوں اور دکن ریاستوں کے تعلقات میں تبدیلیاں آئیں۔ ان تبدیلیوں کو مغلیہ سلطنت کی مجموعی سماجی، معاشی اور انتظامی صورت حال کو مد نظر رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو بہتر ہے۔ دکن میں اکبر کی بنیادی فکر وہاں مغلوں کی حکومت قائم کرنا اور سورت کے اندرونی علاقوں کی حفاظت کرنا تھی۔ اسے معلوم تھا کہ ان کا مقصد کا حصول صرف فوجی فتح سے ممکن نہیں، اس لیے انہوں نے سفارتی چالوں کا بھی سہارا لیا۔ اکبر پہلا مغل حکمران تھا جو دکن کی ریاستوں پر مغلوں کے تسلط کو بڑھانا چاہتا تھا۔ اکبر خاندیش، برار اور احمد نگر کے کچھ حصوں کی فتح سے مطمئن رہا۔ جہانگیر کے دور حکومت میں دکن میں مغلیہ علاقہ میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ جہانگیر اس پوزیشن کو برقرار رکھنے کے حق میں تھا جو اکبر نے دکن میں 1600 کے معاہدے کے ذریعے حاصل کیا تھا اور جہانگیر نے دکن کے حالات اور سلطنت کے اندرونی مسائل کو پڑھ کر اسے اس پالیسی کو اپنانے پر متاثر کیا۔

احمد نگر کے ذریعہ 1600 کے معاہدے کی خلاف ورزی نے شاہ جہاں کو احمد نگر کے خلاف جارحانہ انداز اختیار کرنے پر مجبور کیا اور 1636 کے معاہدے نے دکن کا مسئلہ کم از کم اگلے 20 سالوں تک حل کر دیا۔ ایک بار پھر، کرناٹک کے علاقے میں بیجاپور اور گولکنڈہ کی بڑھتی ہوئی توسیع اور سلطنت کے مالی بحران نے شاہ جہاں کو اپنی پالیسی تبدیل کرنے پر آمادہ کیا۔ یہاں تک کہ اورنگ زیب بھی، جو اپنے الحاق سے پہلے، دکن میں آگے کی پالیسی کا سخت حامی تھا، بیجاپور اور گولکنڈہ کی مکمل فتح کے حق میں نہیں تھا۔ مراٹھوں کی بڑھتی ہوئی طاقت، مراٹھوں اور بیجاپور- گولکنڈہ کے درمیان اتحاد کا خطرہ نیز سلطنت کے اندرونی بحران نے اورنگ زیب کو 1680 کی دہائی میں بیجاپور اور گولکنڈہ کو فتح کرنے پر مجبور کیا۔ یہ سب اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مغلوں کی دکن کی پالیسی حکمرانوں کی محض ذاتی خواہش کی بجائے عصری حالات کے تقاضوں سے طے کی گئی تھی۔

13.4.5 یورپیوں کے ساتھ تعلقات (Relations with the Europeans)

پرتگالی پہلے یورپی تھے جو دکن کی ریاستوں کے ساتھ رابطے میں آئے۔ ان کے بعد ڈچ اور انگریز تھے۔ پرتگالیوں نے گوا اور ملحقہ علاقوں میں خود کو قائم کیا۔ اس عمل میں، وہ دکن کی ریاستوں سے تصادم میں آگئے۔ احمد نگر کے قیام کے فوراً بعد اس کے سلطان نظام شاہ کو پرتگالیوں کے خطرے کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے پرتگالیوں کو مغربی ساحل سے نکالنے کی کوشش کی۔ ان کے خلاف دو جنگیں ہوئیں۔ 1508ء میں نظام شاہ کی اجازت سے مصر کی بحری فوج نے چول پر آکر انہیں شکست دی۔ لیکن اگلے سال پرتگالیوں نے مصر اور گجرات کے

مشترکہ بیڑے کو شکست دی۔ پرتگالیوں اور نظام شاہ کے درمیان مندرجہ ذیل شرائط پر ایک امن معاہدہ ہوا (i) : نظام شاہ کو جنگی معاوضے کے طور پر 30,000 کرزاڈو ادا کرنا ہوں گے۔ (ii) اسے سالانہ سبسڈی کے طور پر 10,000 کرزاڈو کی ادائیگی کا وعدہ کرنا چاہیے۔ لیکن نظام شاہ نے صرف 2,000 کرزاڈو ادا کیے۔ ان کے جانشین برہان شاہ نے بھی پرتگالیوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے کی کوشش کی۔ گجرات اور خاندیش کے حکمرانوں پر قابو پانے کے لیے، انہوں نے پوتگالیوں کے ساتھ اتحاد کیا اور انہیں راوینداا ور چول میں قلعے بنانے کی اجازت دی۔ بیجاپور، احمد نگر اور کالی کٹ کے زمورین کے حکمرانوں نے پرتگالیوں کے خلاف اتحاد کیا اور انہیں مغربی ساحل سے بھگانے کی کوششیں ناکام ہوئیں۔ 1571 میں بیجاپور اور احمد نگر نے پرتگالیوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا۔ لیکن، کچھ عرصے بعد احمد نگر دوبارہ پرتگالیوں سے ٹکرا گیا۔ اشتعال یہ تھا کہ پرتگالیوں نے مکہ سے حاجیوں کو لانے والے جہازوں پر حملہ کر دیا۔ بیجاپور کو پرتگالیوں سے دشمنی تھی اور وہ موقع کی تلاش میں تھا۔ محمد عادل شاہ کے دور میں ڈچ ہندوستان کے مغربی ساحل پر تجارت کے لیے نمودار ہوئے اور بیجاپور کے حکمران نے انھیں پرتگالیوں کے خلاف فتح دلانے کے لیے ان کے ساتھ اتحاد کیا۔ انہوں نے انہیں کچھ تجارتی رعایتیں دیں اور انہیں وینگورلا میں اپنی فیکٹری بنانے کی اجازت دی۔ انہوں نے ٹیوی، بارڈیس، سرزورہ اور کلٹولی کے پرتگالی املاک کو فتح کیا۔ لیکن کچھ عرصے بعد پرتگالیوں نے بیجاپور سے اپنے علاقے واپس لے لیا۔ گولکنڈہ کا بھی یورپیوں سے واسطہ پڑا۔ ڈچ، انگریز اور فرانسیسیوں نے بھی ہندوستان میں اپنی تجارتی سرگرمیاں شروع کر دی تھیں۔ گولکنڈہ نے ڈچوں کو اپنے کارخانے مسولیپٹن اور پلیکیٹ میں قائم کرنے کی اجازت دی۔

13.6 سیاسی حالات (Political Conditions)

بہمنی طاقت کے زوال نے دکن میں پانچ سلطنتوں کے عروج کا راستہ کھولا۔ زوال کا اہم عنصر آفاقیوں اور دکنیوں کے درمیان طویل عرصے سے جاری تنازعہ تھا۔ یہ دونوں دھڑے غیر مطمئن تھے۔ مثال کے طور پر، دکنیوں نے سلطان پر آفاقیوں پر اضافی احسان کرنے کا الزام لگایا جبکہ آفاقیوں نے محسوس کیا کہ ان کی پوزیشن زیادہ محفوظ اور مستحکم نہیں ہے۔ دکن کی سلطنتوں کے قیام میں جو عوامل کارفرما تھے وہ بہمنی دور حکومت میں ہی سامنے آنا شروع ہو گئے تھے۔ بہمنی راج زوال پذیر تھا۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ تمام دکنی سلطنتوں کے بانی ہم وقت کے بہمنی اشرافیہ تھے جنہوں نے کسی نہ کسی بہمنی حکمران کی خدمت کی تھی۔ جیسے عادل شاہی خاندان کا بانی یوسف عادل شاہ (1489)، بیجاپور کا گورنر تھا۔ احمد نگر میں نظام شاہ سلطنت کا بانی نظام شاہ (1496) سہیادری میں کئی قلعوں کا انچارج تھا۔ بیدر میں بارد شاہی خاندان کے بانی قاسم باریدالممالک (1504) نے محمود شاہ کے دور حکومت میں بیدر کے کوتوال اور وکیل کے طور پر خدمات انجام دیں۔ فتح اللہ عماد شاہ، برار کے عماد شاہی خاندان کے بانی (1510) نے برار کے گورنر کے طور پر خدمات انجام دیں۔ اور گولکنڈہ میں قطب شاہی خاندان کے بانی قلی قطب الملک (1543) تلنگانہ کی گورنری پر فائز تھے۔

بہمنی سلطنتوں کے زوال کے بعد ابھرنے والی پانچ ریاستوں میں سے تین بیجاپور، بیدر اور گولکنڈہ کے بانی آفاقی اشرافیہ تھے جبکہ احمد نگر اور برار دکنی اشرافیہ تھے۔ لیکن آفاقی-دکنی عنصر شاید ہی ان کے تعلقات پر حاوی رہا۔ اس کے بجائے، اس بات پر زیادہ مبنی تھا کہ ان کی

دلچسپی، حالات اور اس وقت کی ضرورتوں کے مطابق، ایک آفاقی ریاست بھی دکنی طاقت سے دوسرے آفاقی کے خلاف ہاتھ ملا سکتی تھی۔ سولہویں صدی دکن کی ریاستوں کی تاریخ کا ایک قابل ذکر دور تھا۔ ہر ایک ریاست دوسرے کی قیمت پر اپنا تسلط بڑھانا چاہتی تھی۔ نتیجے کے طور پر، اتحاد اور جوابی اتحاد ایک باقاعدہ خصوصیت تھی۔ جغرافیہ نے دکن کی سیاست میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ احمد نگر (شمال میں)، گولکنڈہ (مشرق میں) اور بیجاپور (جنوب میں) کا جغرافیائی محل وقوع ایسا تھا کہ اس نے انہیں مزید شمال اور جنوب کی طرف توسیع کے لیے کافی گنجائش فراہم کی۔ اس طرح ان سلطنتوں کو طاقت حاصل کرنے کا فطری فائدہ تھا۔ بیدر اور برار (وسطی دکن میں واقع) دو طاقتور ریاستوں کے درمیان پھنس چکے تھے، کسی نہ کسی دکنی طاقت کے ہاتھ میں محض پیادے بن کر رہ گئے تھے۔ شاید، وفاداریاں بدلنا ہی ان کے وجود کی واحد حکمت عملی تھی۔ بیجاپور (شمال میں احمد نگر، مشرق میں بیدر اور جنوب میں وجے نگر) نے کرشنا-ٹنگابھدرا دوآب کے زرخیز میدانوں کی خواہش کی۔ یہ بیدر اور گولکنڈہ کے ساتھ ساتھ جنوبی ہند کی ریاستوں کے مفادات سے ٹکرا گیا۔ ایک بار پھر، شولاپور اور نلدرگ میں اس کے مفادات احمد نگر کے ساتھ تنازع کے پیچھے اہم عنصر تھے۔ گولکنڈہ (شمال میں بیرار، مغرب میں بیدر اور جنوب میں وجے نگر) کے لیے بیدر اور بیرار کا وجود بہت اہم تھا۔ گولکنڈہ کے لئے مدگل اور رائچور دوآب میں اپنے پرجوش منصوبوں کے لیے احمد نگر کی مدد کو ترجیح دی۔ دوسری طرف احمد نگر کو بھی نلدرگ، شولاپور اور گلبرگہ پر بیجاپور کے جارحانہ حملوں کے خلاف گولکنڈہ کی مدد کی ضرورت تھی۔ برار مغرب میں احمد نگر اور جنوب میں گولکنڈہ کے ساتھ مسلسل تنازعات میں تھا۔ بیجاپور کے ساتھ اتحاد کے لیے واحد ریاست رہ گئی تھی۔ اس لیے، بیجاپور-برار اتحاد سولہویں صدی کے پہلے نصف میں زیادہ دیرپا رہا۔ لیکن صدی کے آخر میں، صورت حال آہستہ آہستہ بدل گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بیجاپور کے مخالف گولکنڈہ اور وجے نگر کے خلاف، احمد نگر اور بیدر کی حمایت حاصل ہوئی۔ بیجاپور نے 1574 میں برار پر قبضہ کرنے میں مرتضیٰ نظام شاہ کی مدد کی۔ اور بیجاپور نے بعد میں بیدر پر قبضہ کر لیا۔ تاہم، 1595 میں احمد نگر پر مغلوں کا حملہ اور ہندوستان میں ان کے عروج کے ساتھ دکن کا سیاسی منظر یکسر بدل گیا۔

13.7 معاشی حالات (Economic Conditions)

جنوبی ہند اور دکنی ریاستوں کی معیشت بنیادی طور پر زراعت پر مبنی تھی۔ بارش کے پانی سے آبپاشی ہوتی تھی اور کچھ علاقوں کے لیے ٹیکنالوجی یعنی ٹینک آبپاشی کا تیار کردہ نظام کام کر رہا تھا، خاص طور پر آندھرا کے لئے۔ مغربی علاقوں کی طرف، خاص طور پر احمد نگر میں نہری آبپاشی اہم تھی۔ محصول ریاستوں کی آمدنی کا بڑا ذریعہ تھا۔ جنوبی ہندوستان میں وجے نگر کا پرانا نظام جاری تھا۔ محصول کی طلب ایک چھٹائی (1/6) سے ایک چوتھائی (1/4) تک مختلف تھی۔ تاہم گولکنڈہ میں یہ پیداوار کا 1/2 تھا۔ ریاستوں نے آمدنی کو نقد میں حاصل کرنے کو ترجیح دی۔ بنیادی طور پر تین قسم کی زمینیں موجود تھیں (i: ریاستی زمین جسے جنوبی ہندوستان میں بھنڈرا اوڈا، بیجاپور میں مولہ یا قلعہ اور گولکنڈہ میں خالصہ کے میں نام سے جانا جاتا تھا۔ (ii اشرافیہ، ماتحتوں وغیرہ کو دی گئی زمین جسے عمارہ (جنوب میں) اور معقاصہ (دکن میں) کہا جاتا تھا۔ یہ اشرافیہ ہر سال ایک مقررہ رقم حاکم کو دیتے تھے۔ (iii زمینی عطیات۔ مانیا (جنوبی میں) اور انعام (دکن میں)۔ محصول وصولی کی مروجہ شکل ریونیو فارمنگ تھی۔ یعنی محصول اکٹھا کرنے کا حق سب سے زیادہ بولی لگانے والوں کو دیا جاتا تھا جو ریاست کو سالانہ ایک مقررہ رقم ادا

کرتے تھے اور انہیں عام طور پر کسانوں سے زیادہ سے زیادہ وصول کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔

دکنی حکمرانوں نے مقامی محصولات کی وصولی کی مشینری اپنے پاس رکھی۔ مختلف عہدوں پر فائز مالی افسران نے مختلف سطحوں پر کام کیا۔ مثال کے طور پر ریاستی زمین کے ٹیکس اہلکار کو حوالدار کہا جاتا تھا جبکہ پرگنہ کی سطح پر دیسائی اور دیشمکھ تھے۔ اکاؤنٹنٹ کو دیش کلکرنی اور دیش پانڈے کے نام سے جانے جاتے تھے۔ گاؤں کے مالی سربراہ کے نام مقدم، پٹیل اور کلکرنی تھے۔ ان سب کو اپنے کام کے لیے محصول میں مالیاتی حصہ ملتا تھا جو ریاست سے دوسرے ریاست میں مختلف ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ ساحلی علاقے میں، الگ گورنر (سرسماتو) مقرر کیے گئے تھے جو سالانہ ایک مقررہ رقم ادا کرتے تھے، جو کہ مالی کاشتکاروں کی طرح تھے۔ ریاستوں کی دلچسپی کسانوں کی فلاح و بہبود کے بجائے باقاعدہ ادائیگی حاصل کرنے میں زیادہ ہوتی تھی۔ زمینی ٹیکس کے علاوہ، ریاست نے دوسرے ذرائع سے بھی محصولات حاصل کیے جیسے کہ خراج، جنگ اور لوٹ مار اور سب سے بڑھ کر رواجات سے۔ بیجاپور کے حکمران بھی جزیہ سے کافی آمدنی حاصل کرتے تھے۔ سکوں کی پرائیویٹ منٹنگ کے لیے لائسنس فیس بھی آمدنی کا ایک اچھا ذریعہ تھا۔ گولکنڈہ کے حکمرانوں نے ہیروں کی کانوں سے شاندار آمدنی حاصل کی۔ زمینی محصول کے علاوہ ٹیکس جمع کرنے کا حق تجارتی گروہوں کے پاس تھا جو سالانہ ایک مقررہ رقم ادا کرتے تھے اور اپنے عہدے دار مقرر کرتے تھے۔ زیادہ تر، وہ تیلگو تجارتی ذاتوں سے تھے۔

سولہویں اور سترہویں صدی میں کی ایک اہم خصوصیت 'پورٹ فولیو سرمایہ داروں' کا عروج تھا۔ کچھ مورخین کا خیال تھا کہ ہندوستان میں تجارتی سرگرمیاں ان تاجروں کے ہاتھ میں تھیں جن کے پاس کوئی سیاسی یا فوجی طاقت نہیں تھی۔ تاہم، حال ہی میں سنجے سبرامنیم کی طرف سے یہ دلیل دی جارہی ہے، خاص طور پر کورومنڈیل کے معاملے میں، کہ کسانوں نے معیشت کی ترقی میں تعمیری کردار ادا کیا۔ محصول اکٹھا کرنے کے علاوہ، وہ زرعی تجارت، آبپاشی کی ترقی، جہاز رانی، بینکنگ وغیرہ میں بھی شامل رہے۔ ہمیں اس دور میں مختلف قسم کے تاجروں کے ثبوت ملے جیسے آرمینیائی، پرتگالی، تیلگو، چیٹی، کوماتی، عرب، گجراتی وغیرہ۔ اندرونی تجارت زیادہ تر مسلمان میپلسوں کے ہاتھ میں تھی۔ ساحلی علاقوں پر سب سے زیادہ فائدہ اٹھانے والے ہندو اور جین سردار تھے، جب کہ کورومینڈیل ساحل پر بنیادی طور پر عربوں، میپلس مسلمانوں کا کنٹرول تھا۔

13.8 معاشرتی حالات (Social Conditions)

بہمنیوں کا سماجی ڈھانچہ کثیر النسل تھا۔ وہاں مسلمان، ہندو، ایرانی، ٹرانسکسونی، عراقی اور حبشی تھے۔ اگر لسانی طرز پر نظر ڈالیں تو یہ متفاوت کردار زیادہ نمایاں تھا: فارسی، مراٹھی، دکنی (دکنی-اردو)، کنڑ اور تیلگو زبانیں مملکت کے مختلف حصوں میں بڑے پیمانے پر بولی جاتی تھیں۔ بہمنی حکمران صوفیاء کی بہت عزت کرتے تھے۔ ابتدا میں، وہ خلجیوں اور تغلقوں کے مذہبی معاون کے طور پر دکن کی طرف ہجرت کر گئے۔ نوزائیدہ بہمنی سلطنت کو اپنے اختیار کو مقبولیت دینے کے لیے صوفیوں کی حمایت کی ضرورت تھی۔ بہمنی سلطنت میں ہجرت کرنے والے صوفی خاص طور پر چشتی، قادری اور شطاری سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

دکن کے پانچ سلاطین جو سولہویں صدی میں منظم طریقے سے حبشیوں کو فوجی غلاموں کے طور پر بھرتی کر رہے تھے، جیسا کہ بہمنی حکام نے پندرہویں صدی میں کیا تھا۔ بہمنیوں کی پانچ جانشین ریاستوں میں سے، تاہم، احمد نگر اور بیجاپور میں غالباً حبشی غلاموں کی سب سے زیادہ تعداد ان کی خدمت میں تھے۔ دکن کے معاشرے میں حبشی غلاموں کی حیثیت البتہ مستقل نہیں تھی۔ اپنے آقاؤں کی موت کے بعد، حبشی غلام عام طور پر آزاد تھے، البتہ طاقتور کمانڈروں کی خدمت میں مفت لانسر کے طور پر اپنے فوجی کیریئر کو جاری رکھ سکتے تھے۔ اس طرح وہ ایک نئے سرپرست کو چن سکتے تھے یعنی غلام کے رشتے کا تبادلہ کر سکتے تھے۔ تاہم زیادہ باصلاحیت غلام اپنے فوجی کمانڈروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے، زمین کی ذمہ داریاں حاصل کرنے، اور درجہ بندی کے کمانڈروں کے طور پر سرکاری درجہ بندی میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ دکن کو وہ اپنا گھر سمجھنے کی وجہ سے وہ آسانی سے دکن کے معاشرے میں ضم ہو گئے، اس کی علاقائی ثقافت اور اس کی مقامی زبانوں کو قبول کیا۔ احمد نگر سلطنت نے 1496 میں اپنے قیام اور 1636 میں اس کے خاتمے کے درمیان مختلف سماجی گروہوں کی نشوونما کی۔ لیکن سولہویں صدی کے اواخر سے، جیسے ہی مغلوں نے سلطنت پر دباؤ بڑھایا، نئے گروہ میدان میں آنے لگے۔ اگرچہ کئی سالوں تک ایتھوپیا کے باشندے دکنی کمانڈروں کی خدمت میں لڑتے رہے، لیکن ایک نیا مرحلہ 1600 میں اس وقت شروع ہوا جب ملک امبر نظام شاہی شہزادے کو تخت نشین کرنے والا پہلا افریقی حبشی بن گیا اور سلطنت پر ایک فوجی سربراہ کے طور پر حکمرانی کی۔ اس دور میں، ہزاروں حبشی جنگجو نظام شاہی کی خدمت میں لڑے۔ ملک امبر نے نظام شاہی کی خدمت میں متعدد مرہٹہ سرداروں، اپنے رشتہ داروں اور سرپرستوں کی بھرتی کی۔

قطب شاہوں کے معاشرتی حالات کی بات کریں تو قطب شاہی خاندان میں مسلمان، ہندو اور عیسائی ایک ساتھ رہتے تھے۔ ہندو روایات اور ثقافت نے بہمنی دربار کو بھی متاثر کیا۔ عرس جیسی اہم ترین تقریب میں بھی ہندوؤں کے اثرات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ عرس کی تقریبات کے دوران، جنگم (گلبرگہ ضلع کے سربراہ) عام ہندو انداز میں تقریب انجام دیتے تھے۔ شنکھ پھونکنا، پھول چڑھانا وغیرہ۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جنگم نے معمول کے مطابق مسلم ملبوسات پہنے۔ ٹوپی جو مسلمان درویش استعمال کرتے تھے۔ ہندوؤں نے نہ صرف دکنی سلطنتوں کی ثقافت کو متاثر کیا تھا بلکہ انہوں نے نظم و نسق میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ برہمن، کشتریہ، ویشیا اور شودر ذاتوں کے ساتھ ساتھ، ریڈی، ویلما، کپو، بلیجا، کمہار، سیاہ سمتھ، بڑھئی، گولڈ اسمتھ، بنکر، ماہی گیر، دھوبی، حجام وغیرہ جیسی ذاتیں بھی سماج میں وجود رکھتے تھے۔ ریڈی ویلما اور کما کو محصول ٹیکس افسران کے اختیارات حاصل تھے۔ معاشرے میں دوسری ذاتیں اپنے پیشوں کی پیروی کرتے ہوئے اپنی زندگی کو جاری رکھے تھے۔ دیہی علاقے میں مختلف پیشے کرتے ہوئے دیہاتوں کو خود کفیل بنایا گیا۔ گاؤں میں ہر ایک ذات رہتی تھی۔ اس کے ذریعے اس دور میں ذات پات کا نظام مزید مضبوط ہوا۔ سماج میں ریڈی ویلما اور کما کا تعلق شودر طبقے سے تھا لیکن انہیں اعلیٰ طبقے میں شمار کیا جاتا ہے۔ تاہم ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مذہبی ہم آہنگی غالب رہی۔ ہندو مسلمانوں کے مذہبی تہواروں میں پرجوش شرکت کرتے ہیں۔ صوفیاء کرام نے مذہبی ہم آہنگی کو ترجیح دی۔ قطب شاہی دور میں قائم درگاہیں آج بھی مذہبی ہم آہنگی کی علامت ہیں۔

بہمنی سلطنت میں آفاقیوں کی بڑی آمد کے ساتھ، شیعوں نے بھی بہمنی سلاطین کے ماتحت اپنا مقام پایا۔ بڑی تعداد میں شیعہ مسلک سے تعلق رکھنے والے اعلیٰ عہدیدار اس سلطنت کا حصہ بنے۔ جیسا کہ قطب شاہ سلطان کا تعلق مسلمانوں کے شیعہ مسلک سے تھا۔ شیعہ قطب

شاہوں کی انتظامیہ میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔

13.9 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس باب میں، ہم نے احمد نگر، بیجاپور اور گولکنڈہ، بیدر، برار، دکن کی پانچ اہم ترین سلطنتوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا۔ یہ سلطنتیں اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کے لیے ایک دوسرے سے مسلسل جنگ میں رہتی تھی۔ سولہویں صدی کے آخر میں مغلوں نے ان سلطنتوں پر اپنی توجہ مرکوز کی۔ جس کی وجہ سے جھگڑوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ احمد نگر پہلی سلطنت تھی جس پر مغلوں نے قبضہ کیا تھا۔ سترہویں صدی کی آخری سہ ماہی تک بیجاپور اور گولکنڈہ کو بھی مغلوں نے اپنے قبضے میں لے لیا۔ مرہٹے دکن کے علاقے میں ایک اہم سیاسی قوت کے طور پر ابھرے۔ اس عرصے کے دوران پرتگالی اور دیگر یورپی طاقتوں نے بھی اس خطے میں قدم جمائے۔ ہم نے ان سلطنتوں کی سیاست، معیشت، معاشرت کا بھی مطالعہ کیا۔ انتظامیہ دہلی سلطنت اور دکن کے اداروں کا مرکب تھا۔ بعد میں کچھ مغل طرز عمل نے بھی ان سلطنتوں میں اپنا راستہ تلاش کیا۔ سولہویں صدی کی دکن اور جنوبی ہند کی سیاست آپس کی جنگوں سے متاثر ہوئی۔ اس صدی میں وجے نگر سلطنت اور بہمنی سلطنت کا زوال دیکھا گیا۔ یہ رائے کہ تلی کوٹہ (1565) کی لڑائی کے بعد وجے نگر کو ختم کر دیا گیا تھا اور نائک نے اپنی خود مختار حکومتیں تشکیل دی تھی اس پر کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا۔ بہر حال، دونوں سلطنتوں میں مسلسل جنگ کے باوجود، اس صدی کے دوران پورے خطے کی معیشت خراب نہیں ہوئی۔ قرون وسطیٰ کے دکن کے شہر کثیر جہتی تھے۔ گولکونڈہ اور بیجاپور جیسے شہر نمایاں طور پر دارالحکومت کے شہر بنے ہوئے تھے اور طاقت کے مضبوط مراکز کے طور پر نمایاں ہوئے جہاں سلطان، نوکر، اشرافیہ، صوفی، کاریگر اور تاجر تعینات تھے۔

13.10 کلیدی الفاظ (Keywords)

کونکن : مغربی گھاٹوں کے نیچے نشیبی خطہ۔

پیشوا : وزیر اعظم وہ سول اور فوجی دونوں امور کے سربراہ تھے۔

آفاقی : نئے دکنی اشرافیہ جو ایران، عراق وغیرہ دیشوں سے آئے تھے۔

آمل : محصول لینے والا۔

دکنی : پرانی دکنی اشرافیہ۔

انعام : زمینی عطیہ۔

ترافدار : صوبائی گورنر۔ اگرہارا: زمین، گاؤں، یا کھیت تھے جو برہمنوں کو عطیہ کے طور پر دیے جاتے تھے۔

خانقاہ : مسافروں کے لیے آرام کے گھر خاص طور پر مذہبی حکم کے تحت رکھے گئے ہیں۔

درگاہ : ایک مزار یا مقبرہ جو ایک قابل احترام مذہبی شخصیت اکثر صوفی یا درویش کی قبر پر بنایا گیا ہے۔

13.11 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

13.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. احمد آباد کو مغلوں نے کس سال میں ضم کیا؟
2. مشہور گول گنبد کہاں تعمیر کیا گیا ہے؟
3. گولکنڈہ کو اورنگ زیب نے کس سال میں قبضہ کیا تھا؟
4. دکنی ریاست بیدر کا بانی کون تھا؟
5. کس مغل شہنشاہ نے آخر کار بیجاپور پر قبضہ کر لیا؟
6. بیجاپور پر مغلوں نے کب قبضہ کر لیا تھا؟
7. تلی کوٹہ کی جنگ کس سال لڑی گئی۔
8. مشہور گول گنبد کس نے تعمیر کیا تھا؟
9. حکمران نظام شاہی خاندان کا بانی کون تھا؟
10. پانچ دکنی ریاستوں کے نام بتائیں۔

13.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. احمد نگر کے ایک آزاد مملکت کے طور پر ابھرنے کا مختصر سا احوال بیان کریں۔
2. مراٹھہ کے ساتھ. بیجاپور کے تعلقات پر تبادلہ خیال کریں۔
3. احمد نگر کے ساتھ پرتگالیوں کے ساتھ تعلقات پر مضمون لکھیے۔
4. اورنگ زیب بیجاپور اور گولکنڈہ پر قبضہ کرنے میں کیسے کامیاب ہوئے۔ مختصر نوٹ لکھیے۔
5. آفاقی-دکنی عنصر نے دکن میں بہمنی سلطنت کے بعد کی سیاست میں کیا رول ادا کیا۔ وضاحت کریں۔

13.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. بہمنی بادشاہت کے بعد کے سیاسی منظر نامے پر تفصیلی گفتگو کریں۔
2. دکنی ریاستوں کی سماجی و اقتصادی حالت پر تفصیلی مضمون لکھیں۔
3. مغل سلطنت کے ساتھ دکن کی ریاستوں کے تعلقات پر روشنی ڈالیے۔

13.4 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Farooqui, Salma Ahmed, *A Comprehensive History of Medieval India: Twelfth to the Mid-eighteenth Century*, Pearson Education India, New Delhi 2011.
2. Najaf Haidar, Navina and Marika Sardar, *Sultans of Deccan India, 1500–1700*, Metropolitan Museum of Art, London, 2015.
3. Nilakanta Sastri, K.A., *A History of South India*: *From Prehistoric Times to the Fall of Vijayanagar*, Oxford University Press, New Delhi, 1997 (first pub. in 1955).
4. Nilkantha Shastri, K.A., and N. Venkata Ramanayya, *Further Sources of Vijayanagara History*, Madras, 1946.
5. Pillai, Manu S., *Rebel Sultans*: *The Deccan from Khilji to Shivaji*, Juggernaut, New Delhi, 2018.
6. Ramakrishna, V. et al eds., *History of Telangana*, Andhra Pradesh History Congress in association with Potti Sreeramulu Telugu University, EMESCO Books, Hyderabad, 2016.
7. Reddy, Srinivas, *Raya*: *Krishnadevaraya of Vijayanagara*, Juggernaut, New Delhi, 2020.
8. Sewell, Robert, *A Forgotten Empire (Vijayanagar)*: *A Contribution to the History of India*, Asian Educational Services, New Delhi, 2000 (first pub. in 1900).
9. Sherwani, H.K. ed., *History of Medieval Deccan* (*1295–1724*), Two Vols., The Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 1973.
10. Sherwani, H.K. *The Great Vazir Mahmud Gawan*, Bombay 1942.
11. Stein, Burton, The New Cambridge History of India: Vijayanagara, Cambridge University Press, New Delhi, 1990.
12. Yazdani, G. ed., *The Early History of the Deccan*, *Parts VII – XI*, Department of Archaeology and Museums, Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 2013 (first pub. in 1960).

اکائی 14۔ آصف جاہیوں کا عروج

(Rise of the Asaf Jahis)

اکائی کے اجزا

14.0 تمہید

14.1 مقاصد

14.2 نظام الملک آصف جاہ اول

14.2.1 دکن میں بالادستی کا قیام

14.2.2 نظام الملک اور مرہٹے

14.2.3 نظام الملک کے کارنامے

14.3 ناصر جنگ، مظفر جنگ اور صلابت جنگ

14.4 نظام علی خان آصف جاہ دوم

14.4.1 دارالحکومت حیدر آباد

14.5 نظام، انگریزوں اور مرہٹوں کے درمیان سہ رخی اتحاد

14.6 ذیلی اتحاد، 1798

14.6.1 ذیلی معاہدہ

14.7 اکتسابی نتائج

14.8 کلیدی الفاظ

14.9 نمونہ امتحانی سوالات

14.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

14.0 تمہید (Introduction)

آصف جاہی ایک روایت تھی جو حیدر آباد کی سلطنت پر حکومت کرتی تھی۔ یہ خاندان سترہویں صدی کے آخر میں ہندوستان آیا، اور مغل سلطنت کا نمائندہ بن گیا۔ چونکہ مغل، ترکو منگول کے آغاز میں، فارسی ثقافت، زبان اور تحریر کے غیر معمولی محسن تھے، اس لیے خاندان نے ایک تیار تعاون کا سراغ لگایا۔ یہ روایت دکن کے وائسرائے میر قمرالدین صدیقی نے 1713 سے 1721 تک مغلوں کے سربراہوں کے تحت قائم کی تھی۔ اس نے 1707 میں اورنگ زیب کے انتقال کے بعد اور 1724 میں آصف جاہ کے عنوان سے حکومت کی مسلسل حکومت کی۔ دکن کے وائسرائے آصف جاہ اول نے خود کو آزاد کرنے کا اعلان کیا، جس کی جگہ شمال میں نرمداندی سے جنوب میں تریچینوپولی تک اور مشرق میں مسولیپٹنم مغرب میں بیجاپور تک ہے۔

14.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- دکن میں نظام الملک آصف جاہ اول کی بالادستی کا قیام جان سکیں گے۔
- نظام الملک اور مرہٹوں کے درمیان تعلقات سمجھ سکیں گے۔
- ناصر جنگ، مظفر جنگ اور صلابت جنگ کا دور حکومت جان سکیں گے
- نظام، انگریزوں اور مرہٹوں کے درمیان اتحاد ثلاثہ کی جانکاری حاصل کر سکیں گے۔

14.2 نظام الملک آصف جاہ اول (Nizam ul Mulk Asaf Jah I, 1720-1748)

خواجہ عابد وسطی ایشیا کے شہر بخارا میں واقع سمرقند کے رہنے والے تھے، 1065 میں مکہ جاتے ہوئے ہندوستان آئے۔ شاہ جہاں کی حمایت حاصل کرنے کے بعد، وہ مکہ چلے گئے، اور 1067 میں ہندوستان واپس آیا۔ جب اورنگ زیب مغل تخت کی جانشینی کی جنگ کی تیاری کر رہا تھا، وہ سیدھا دکن میں اورنگ زیب کے پاس گیا، اور 3000 ذات اور 500 سوار کا اعلیٰ عہدہ اور "خان" کا لقب عطا کیا گیا۔ جانشینی کی جنگ میں کامیابی کے بعد اورنگزیب نے عابد خان کو اس کی خدمات کے صلہ میں "قلیچ خان" کے لقب سے نوازا۔ وہ آہستہ آہستہ اقتدار پر فائز ہوا اور صوبیدار یا گورنر بن گیا، اس کا انتقال 30 جنوری 1687ء کو گولکنڈہ کے محاصرے کے دوران ہوا، جب وہ گولی مار کر ہلاک ہوا۔ اس کے پانچ بیٹے زندہ بچ گئے، سب سے بڑے شہاب الدین خان، جو بعد میں غازی الدین فیروز جنگ کے نام سے مشہور ہوا، مغل رئیسوں میں اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہوا۔ میر قمرالدین خان (نظام الملک)، فیروز جنگ کا بیٹا اور صفیہ خانم، سعد اللہ خان کی بیٹی، شاہ جہاں کے وزیر۔ میر قمرالدین 11 اگست 1671 کو پیدا ہوئے تھے۔ ان کی پیدائش کے تاریخ میں 'نیک بخت' لکھا ہے جس کا مطلب ہے 'قسمت کا آدمی'۔ اورنگ زیب نے نوزائیدہ کا نام میر قمرالدین رکھا۔ چھ سال کی عمر میں اس نے 450 گھوڑوں کا منصب حاصل کیا۔ اسے پہلی بار دیکھ کر اورنگ زیب نے اسکی مستقبل کی عظمت کی پیشین گوئی کی۔ ایک سال بعد، منصب کو دوگنا کر دیا گیا اور، بعد کے سالوں میں، اس نے مزید ترقیاں حاصل کیں۔ انہیں

1684 میں "خان" کا خطاب دیا گیا اور 1690 میں "چن قلیچ خان" (تلوار باز لڑکا) کے خطاب سے نوازا گیا۔

اس نے مختلف مہمات میں اپنی بہادری اور صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ انہیں اورنگ زیب نے 3,000 ذات / 500 سوار کے عہدے سے نوازا تھا جو بعد میں 3,000/4,000 تک بڑھا دیا گیا تھا۔ 1700 میں، وہ کرناٹک اور تالی کوٹہ کی صوبیداری اور فوجداری پر مقرر ہوئے۔ دو سال بعد وہ بیجاپور کا صوبیدار بنا اور اسے سرپنچ بنا، ایک گھوڑا اور ایک ہاتھی سے نوازا گیا۔ ان کا رینک بڑھا کر 4000/4000 کر دیا گیا اور ایک کروڑ دام سے نوازا گیا اور انہیں سانیگاؤں کی تھانہ داری اور نصرت آباد اور مدگل کی فوجداری کا اضافی چارج دیا گیا۔ چن قلیچ خان نے دکن میں جو عسکری خدمات سرانجام دیں، اس نے انہیں پہچان دی۔ اورنگزیب نے اس کا درجہ 5000/5000 بڑھایا اور اسے ایک کروڑ پچاس لاکھ دام، ایک جواہر کرپان اور ایک ہاتھی سے نوازا۔ اس وقت تک وہ اورنگ زیب پر کافی اثر و رسوخ حاصل کر چکے تھے جو انتظامیہ کے تمام اہم معاملات میں ان سے مشورہ کرتے تھے۔ 1706 میں، اورنگ زیب نے انہیں ایک قیمتی انگوٹھی پیش کی جس پر ان کا مکمل لقب 'چن قلیچ خان بہادر' کندہ تھا۔

اورنگ زیب کی موت کے بعد ہونے والی جانشینی کی جنگ میں شہزادہ اعظم نے "چن گروہ" کے ساتھ صلح کرنے کی کوشش کی اور انہیں 'خانِ دوراں' اور 7000/7000 کے منصب سے نوازا اور اسے برہان پور کا صوبیدار بنا دیا۔ جنگ میں اعظم کی موت کے بعد، معظم شاہ عالم بہادر شاہ کے لقب سے مغل تخت پر بیٹھا، چن قلیچ خان کو دربار میں بلایا گیا، اس کے تمام سابقہ القابات اور عہدوں کی تصدیق کی گئی اور اسے اودھ کی گورنری اور لکھنؤ کی فوجداری پر مقرر کیا گیا۔ وہ سیاست سے مطمئن نہیں تھے، اور اپنی ملازمت سے دستبردار ہو کر عملی طور پر ایک فقیر بن گئے تھے، حالانکہ چن قلیچ خان نے عظیم الشاہ کی حمایت کی۔ 1712 میں شاہ عالم کی موت کے بعد ہونے والی جانشینی کی جنگ میں، جہاندر شاہ نے الحاق پر، اسے "غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ" کے لقب سے اپنے 7000 کے عہدے پر بحال کیا، کیونکہ اس نے تورانی دھڑے پر بہت اثر و رسوخ استعمال کیا۔ فرخ سیر شہنشاہ بنا اور چن قلیچ خان کو 1713 میں 'نظام الملک' کے لقب سے نوازا اور اسے دکن کے چھ صوبوں کا صوبیدار اور کرناٹک کا فوجدار مقرر کیا۔ اس سے نظام الملک کی سیاسی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ نظام الملک نے دکن کے صدر مقام اورنگ آباد پہنچنے کے فوراً بعد انتظامی مشینری اور مالیات کو جو افراتفری کا شکار تھے دوبارہ ترتیب دینا شروع کر دیا۔ اس نے مراٹھا طاقت کا جائزہ کیا جو مغل علاقوں کے اندرونی حصے تک پھیلی ہوئی تھی اور چوتھ اور سردیش مکھی کے مجموعہ کو منظم کیا۔ نظام الملک کو 1715 میں دربار میں واپس بلایا گیا اور مراد آباد چکلہ کے فوجداری اور چار سال بعد مالوہ کی صوبیداری میں مقرر کیا گیا۔ سید برادران کی درباری سیاست کو نظام الملک کے مفاد کے موافق نہ پا کر اس نے دکن کی طرف کوچ کیا اور 1720ء میں صوبیداری کو زبردستی حاصل کر لیا۔ دکن کی گورنری دو سال کے بعد، 1722 میں، اسے دربار میں واپس بلایا گیا اور مغل سلطنت کا وزیر مقرر کیا گیا۔

درباری سازشوں سے بیزار ہو کر نظام الملک نے وزارت چھوڑ دی۔ کوئی متبادل نہ ہونے کے بعد، وہ صوبیداری کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے دکن واپس آیا، جسے اس نے اپنی ذاتی مہر ایواز خان کے سپرد کر دیا تھا، دکن میں اس کے نائب کے طور پر وزیرت سنبھالنے کے

لیے دہلی جانے سے پہلے۔ لیکن، درباری سیاست اور بدلے ہوئے حالات کی وجہ سے، اسے دوبارہ صوبیداری طاقت کے ذریعے حاصل کرنی پڑی اور وہ 11 اکتوبر 1724 کو مبارک خان کے خلاف لڑی گئی شکر کھڈے، برار کی لڑائی میں مشکلات کے خلاف فتح یاب ہو کر ابھرا۔ اس سے پہلے کہ نظام الملک مبارز خان کے ساتھ جنگ میں تلوار کے ذریعے اپنا حق ادا کر سکے، محمد شاہ نے مبارز خان کو ایک فرمان جاری کیا تھا جس میں اسے دکن کو نظام الملک کو منتقل کرنے اور شکاکول کے راستے پٹنہ جانے کی ہدایت کی تھی۔ لیکن لڑائی سے بچا نہیں جا سکتا تھا۔ تاہم، جنگ کے بعد، شہنشاہ محمد شاہ نے نظام الملک کے اقدام کی توثیق کی اور اسے دکن کے چھ صوبوں کی صوبیداری اور 'آصف جاہ' کے لقب سے نوازا اور شمالی ہندوستان میں اپنی جاگیریں بحال کر دیں۔ اس اشارہ کا جواب دیتے ہوئے، نظام الملک نے شہنشاہ کو عاجزانہ انداز میں خط لکھا، جس میں خود کو شہنشاہ کا فدوی (خادم) ظاہر کیا۔ اور، شہنشاہ کے ساتھ مستقبل کے تمام خط و کتابت میں، نظام الملک نے ایک بادشاہ کو لکھنے والے خادم کے لہجے میں گہری وفاداری اور اطاعت کا اظہار کیا۔ یہ حقیقت کی عکاسی کرتا ہے، جیسا کہ اس نے مغل منصب سنبھالا تھا جسے بعد میں بڑھا کر 9,000/9,000 دو اسپا گھوڑا کر دیا گیا۔

نظام الملک کے دور میں دکن میں موجود انتظامی ڈھانچہ، انتظامی اور فوجی، سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صوبائی محکموں اور ان کے اہلکاروں کو واضح طور پر الگ الگ زمروں اور انتظامی اکائیوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ جیسا کہ مغل حکومت میں رائج تھا، تقریباً پورے نظام کی بنیاد منسبداری نظام میں داخلہ تھا۔ اس طرح، انتظامی عملے کو عہدے کے ورثہ یا منصب کے مطابق منظم کیا گیا، جو وہ رکھتے تھے۔ رینک ہولڈرز کو تنخواہ کے عوض زمینوں کا ریونیو دیا گیا۔ بعض اوقات انہیں ماہانہ بنیادوں پر نقد ادائیگی بھی کی جاتی تھی۔ اس طرح منصب دار یا عہدہ دار ہر ایک محکمے میں گھس گئے اور تمام اعلیٰ عہدے ان کے پاس تھے۔ انہوں نے ایک سلسلہ بنایا جس کے ذریعے تمام محکموں کے عہدیداروں کو جوڑ دیا گیا۔ بعض اوقات ایک فرد کے پاس تین مختلف دفاتر بیک وقت ایگزیکٹو، ریونیو اور ملٹری ہوتے ہیں۔ بڑے محکموں کے علاوہ، معمولی محکموں اور کئی دیگر نچلے درجوں کی پوسٹیں تھیں۔ چھ صوبوں میں سے ہر ایک کو کئی چھوٹی اکائیوں میں تقسیم کیا گیا تھا جنہیں سرکار کہا جاتا تھا، اور ہر سرکار کو محل یا پرگنہ میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ نظام الملک کے دور میں چھ صوبے 93 سرکاروں اور 1,228 پرگنوں پر مشتمل تھے۔ ان میں سے ہر ایک ڈویژن کے لیے مختلف عہدیداروں کا تقرر کیا گیا۔ نظام الملک نے مغل انتظامی مشینری کو ہموار کیا اور تمام محکموں میں نئی اصلاحات متعارف کروائیں۔ نظام الملک کی سیاسی حیثیت ایک سپاہ سالار سے زیادہ کچھ نہیں تھی جو مغل صوبوں کے صوبیدار کے نام سے مشہور تھے۔ یہ نظام الملک کے اپنے اختیار کے تحت جاری کردہ احکامات وغیرہ کی دستاویزات سے ظاہر ہوتا ہے، جس میں اسے "نظام الملک فتح جنگ سپاہ سالار" کہا گیا ہے۔ یا، "امدۃ الملک کے دستخط کے مطابق۔ سپاہ سالار" اس طرح، یہ کہنا غلط ہوگا، جیسا کہ عام طور پر مانا جاتا ہے کہ اس نے 'آزادی' کا دعویٰ کیا۔

جیسا کہ پہلے ہی ذکر کیا جا چکا ہے، وہ پوری مغل سلطنت کے وزیر کے طور پر سب سے اوپر کے عہدے پر فائز تھے۔ اس کے بعد وہ چھٹی پر Wizarate سے دستبردار ہو گئے۔ اسے Wizarate سے نہیں ہٹایا گیا تھا۔ مغل سلطنت کے اصول اور قانون کے طور پر وزیر کو کبھی برطرف نہیں کیا گیا۔ نظام الملک کو وکیل متلق بنایا گیا۔ دوہری عدالتی سیاست کی وجہ سے نظام الملک کو دکن جانے پر مجبور ہونا پڑا۔

جب نظام الملک نے مبارز خان کے خلاف فتح حاصل کی اور اپنی حکومت قائم کی تو محمد شاہ نے ایک فرمان جاری کر کے اسے دکن کا صوبیدار مقرر کیا اور اسے 'آصف جاہ' کا خطاب دیا اور شمالی ہندوستان میں اپنی جاگیریں بحال کر دیں۔ اس اشارے کا جواب دیتے ہوئے نظام الملک نے اپنے آپ کو شہنشاہ کا فدوی ظاہر کرتے ہوئے عاجزانہ انداز میں شہنشاہ کو لکھا:

> خواہش کی پیشانی عقیدت اور بندگی کے جوش سے روشن ہو گئی جب (میں نے سوچا کہ) عالی شان سے مخاطب ہوں جو بہادری کے تخت کو عزت بخشتا ہے اور شاہی تاج کو خوبصورتی دیتا ہے؛ اور جو وقار میں سلیمان جیسا ہے، ممالک کا فاتح، خاقان (چین کا شہنشاہ یا چینی ٹارٹری) دنیا کا، خدا کے مقدس خلیفہ کا سایہ، رحم کرنے والا، اور انصاف کو جنت دینے والا۔

شہنشاہ کو اپنے تمام خطوط میں نظام الملک نے بے حد وفاداری اور فرمانبرداری کا اظہار کیا اور ایک خادم کے لہجے میں ایک بادشاہ کو لکھا۔ یہ ایک حقیقت ہے کیونکہ اس نے مغل منصب سنبھالا جسے بعد میں بڑھا کر du-aspa 9000/9000 کر دیا گیا۔ نظام الملک نے کبھی کھل کر مرکزی حکومت سے دکن کی علیحدگی کا دعویٰ نہیں کیا۔ شہنشاہ کے ساتھ اس کی وفاداری غیر متزلزل رہی۔ اس نے سرخ یا شاہی چھتری کے استعمال سے پرہیز کیا۔ دکن میں مغل شہنشاہ کے نام کے سکے جاری کیے جاتے رہے۔ جمعہ اور عیدین کے خطبہ میں محمد شاہ کا نام پورے دکن میں پڑھا جاتا تھا۔ لالہ منصور فرماتے ہیں کہ نظام الملک یہ تبصرہ کرتے ہیں کہ پہلے آقا (مغل شہنشاہ) کا کام اور پھر اس کا اپنا کام ہونا چاہیے۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں۔ نظام الملک فتح جنگ نے پورے علاقے (دکن/ہندوستان) کو بادشاہی (مغل شہنشاہ کا) سمجھا۔ (رسالہ دربارِ آصف۔ثابتہ)۔ متعدد دستاویزات پر ملی نظام الملک کی مہر بھی ان کی رائلٹی کا ثبوت ہے۔ مختلف مہروں میں روایتیں یہ ہیں: 'نظام الملک فتح سپاہ سالار/مرید با ولفلک اقتدار/شاہ محمد شاہ" (مورخہ 1133ھ/1721-22)؛ "نظام الملک فتح جنگ بہادر/محمد شاہ کا فدوی" (1140ھ/1730-31)؛ "آصف لہ نظام الملک فتح پھیپھڑوں سپاہ سالار/فدوی باو سلیمان اقتدار/شاہ محمد شاہ"، "آصف لہ نظام الملک/فدوی/شاہ محمد شاہ۔"

اس طرح نظام الملک نے مغل بادشاہ کی بیعت ترک نہیں کی۔ اگر اس میں آزادی کا دعویٰ کرنے یا شہنشاہ سے وفاداری سے انکار کرنے کا ذرا سا بھی رجحان ہوتا تو وہ کبھی بھی مغل شہنشاہ کا نام اپنی مہروں میں نہ لکھتا، جو کہ شکر کھیڑا کی لڑائی کے بعد بنی تھی، جس میں اس کے نام کا لاحقہ شہنشاہ کے خادم فیڈوین کے طور پر لگا ہوا تھا۔ تاہم، 1146 341-11733 H کی مہر پچھلی مہروں سے انحراف کو ظاہر کرتی ہے جس میں مغل شہنشاہ کی وفاداری کے افسانے کو چھوڑ کر نوشتہ کو آسان بنایا گیا ہے اور یہاں تک کہ محمد شاہ کا نام بھی خارج کر دیا گیا ہے۔ اوپر سے نیچے تک: "نظام الملک/1146/مہر/آدم تہلیل (مہر ناقابل تبدیل)۔ آخری دو الفاظ کے علاوہ یہ مہر بہت پہلے (1129ھ) کے دور کے نظام الملک کی ذاتی مہر سے مشابہت رکھتی ہے۔ یہ نظام ہو سکتا ہے۔ الملک کی ترمیم شدہ تازہ ترین ذاتی مہر تاہم، اس نے مغل بادشاہ سے اپنی وفاداری ترک نہیں کی جیسا کہ مندرجہ ذیل بحثوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اپنی آخری وصیت میں، ایک عہد نامہ، جو اس نے اپنی موت سے پہلے بنایا تھا، اس نے اپنے جانشینوں کو مغل حکومت کے ساتھ وفاداری کے روایتی تعلقات کو برقرار رکھنے کا مشورہ دیا۔ اس طرح دستاویزی شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ نظام الملک نے کبھی بھی مغل بادشاہ سے آزادی کا دعویٰ نہیں کیا۔ اس کے برعکس خطوط کا تبادلہ،

حاضری، اعلیٰ ترین عہدہ اور منصب وغیرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نظام الملک اور محمد شاہ، بعد کے پورے دور حکومت میں۔ خوشگوار تعلقات کو برقرار رکھا۔ نظام الملک نے کبھی بھی شاہی احکامات (ادبِ سلطانی) کی نافرمانی کر کے مغل بادشاہ کے ساتھ وفاداری برقرار رکھی۔ لالہ مانسرام لکھتے ہیں کہ جب بھی کوئی فرمان آتا تھا تو نظام الملک اس مخصوص جگہ پر جایا کرتے تھے جسے 'فرمان بادی' کہا جاتا تھا اور پورے اعزاز کے ساتھ اس کا استقبال کیا جاتا تھا۔ دیوان فرمان کو نظام الملک کے حوالے کرتا تھا، جو اسے حاصل کرنے کے بعد اسے اپنے سر پر اٹھاتا تھا۔ عوام کی موجودگی میں اس طرز عمل سے نظام الملک کے مغل بادشاہ اور اس کے حکم کے لیے گہرے احترام اور احترام کا اظہار ہوتا ہے۔

نظام الملک نے مغل شہنشاہ کی مخالفت میں کبھی ایک بال بھی نہیں بڑھایا تھا، لیکن اس کے تمام کاموں میں تیمور کے گھر کی ایک نئی شان بکھیر دی تھی، جیسا کہ خفی خان نے بجا طور پر کہا تھا۔ مزید برآں، محمد شاہ نے نظام الملک کو خطوط کے ساتھ اعلیٰ ترین عہدہ سنبھالنے کے لیے دربار میں آنے کی دعوت دی۔ تاہم نظام الملک اس دعوت کو قبول کرنے کو تیار نہیں تھے۔ اگر نظام الملک بغاوت کرتا اور ایک آزاد حکمران کی طرح زور لگاتا تو شہنشاہ کی طرف سے اسے اعلیٰ ترین عہدے کے لیے دربار میں بلانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ ایسا لگتا ہے کہ نظام الملک نے دکن میں امن وامان کی حفاظت کو سلطنت کے لیے اولین اہمیت سمجھا۔ جب دکن کی حفاظت کی یقین دہانی کرائی گئی تو نظام الملک نے 17 اپریل 1737 کو دہلی کی طرف سفر شروع کیا۔ دہلی سے 55 میل کے فاصلے پر ہوڈل کے مقام پر نظام الملک کا وزیر قمر الدین خان اور ان کے ساتھیوں نے استقبال کیا۔ مغل فوجیں۔ وزیر اور نظام الملک ایک ہاتھی پر سوار ہوئے اور جلوس میں دارالحکومت کی طرف روانہ ہوئے۔ شہنشاہ کے حکم سے نظام الملک ڈھول پیٹتے ہوئے آگے بڑھا۔ یہ ایک انوکھی چیز تھی کیونکہ مغل دربار کے آداب کے مطابق کوئی بھی رئیس شہنشاہ کی رہائش گاہ کے 3 میل کے اندر اپنے ڈھول نہیں پیٹ سکتا تھا۔ نظام الملک نے اپنے ہاتھیوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا اور نیچے اتر کر اس کی عزت کے لیے سجدہ کیا۔ قلعہ کے دہلی دروازے پر نظام الملک اپنے کوڑے میں داخل ہوا۔ وزیر نے نظام الملک کو اپنے سے چند قدم آگے رہنے کی اجازت دی (ظاہر ہے کہ شہنشاہ کے حکم کے تحت)۔ شہنشاہ نظام الملک کے سامنے آنے پر اس نے اپنا نذرانہ پیش کیا اور اس کے بدلے میں شہنشاہ کے اپنے وارڈروم سے ایک چوغہ اور ایک جیکٹ جسے چرگب کہا جاتا تھا، صرف چغتائی گھر کے افراد، تیمور کی اولاد پہنتے تھے۔ سب سے اعلیٰ لقب جو موضوع برداشت کر سکتا تھا، وہ ''آصف لہ'' بھی انہیں عطا کیا گیا۔ دہلی میں بہترین سعد اللہ خان کی بنائی ہوئی حویلی ان کے کوارٹرز کے لیے تیار کی گئی تھی اور دن کے اختتام پر شاہی باورچی خانے سے کھانے کی ٹرے بھیجی جاتی تھیں اور یہ سلسلہ روزانہ جاری رہتا تھا۔

مندرجہ بالا تفصیلات اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ مغلیہ سلطنت میں نظام الملک کو کتنی عزت، مقام اور مراعات حاصل تھیں۔ وہ یہ بھی ثابت کرتے ہیں کہ نظام الملک مغلیہ شرافت کا حصہ تھا اور کسی بھی وقت الگ نہیں ہوا۔ اگر نظام الملک باغی ہوتا اور آزادی کا دعویٰ کرتا تو شہنشاہ اور امرا میں اس کی اتنی عزت نہ ہوتی۔ مزید یہ کہ دہلی پہنچ کر نظام الملک کو مالوا میں مراٹھا مہم کا سامنا کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی جس میں انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ایک بار پھر نظام الملک نے 1738 میں نادر شاہ کے ہندوستان پر حملے کے دوران ثالث کا ایک اہم کردار ادا کیا اور نادر شاہ کے ساتھ امن معاہدے کے لئے مکمل طور پر ذمہ دار تھا۔ سلطنت کے لیے عظیم خدمات کے پیش نظر محمد شاہ نے نظام الملک کو امیر العمارہ بخشی الممالک کا عہدہ عطا کیا۔ اس سے سعادت خان کے لیے حسد پیدا ہوا، جسے یہ عہدہ فراہم کیا گیا اور کچھ سازشوں کا باعث

بنی۔ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ نظام الملک کی ''آزادی'' کی ذرہ برابر بھی علامت نہیں تھی۔ در حقیقت، اپنی موت کے وقت اس نے اپنے بیٹوں کو مغل بادشاہ کی وفاداری اور تابعداری برقرار رکھنے کا مشورہ دیا۔ اور اس کی وفاداری اس وقت ثابت ہوتی ہے جب اس نے نادر شاہ کو ہندوستان کی حاکمیت سے انکار کر دیا۔ لہٰذا یہ کہنا درست نہیں ہو گا کہ "آصف جاہ نے اعلیٰ اور ادنیٰ تمام افسروں کی تقرری کر کے، خود انہیں بادشاہ کے فیشن کے مطابق اعزاز، القاب، منصب اور جاگیریں عطا کر کے مرکز سے اپنی آزادی کا دعویٰ کیا"۔ اگر نظام الملک کے ان اقدامات کو وسیع تناظر میں دیکھا جائے تو دکن کے پہلے صوبیداروں اور وزیر و وکیل متلنگ کے اعلیٰ ترین عہدوں پر غور کیا جائے جس پر نظام الملک نے قبضہ کیا تھا، تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعمال کچھ بھی نہیں تھے۔ لیکن معمول کی انتظامی مشق کا حصہ۔ ان کے دستخطوں یا احکامات کے ساتھ جاری کردہ دستاویزات میں انہیں "جملۃ الملک مدار المہام نظام الملک بہادر فتح جنگ" کہا جاتا ہے۔ "یامین السلطانات"، "رکن السلطنت آصف جاہ" وغیرہ

دستاویزی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ نظام الملک نے دکن میں وصول کی گئی پیشکش کی رقم مغل بادشاہ کو بھیجنا جاری رکھا۔ تاہم، اس نے پوری رقم بھجوائی نہیں، لیکن پیشکش کو دوسروں کے تحت تقسیم کیا۔ ایک بڑا حصہ اپنے لیے صوبیدارِ دکن کے نام بطور پیشکش۔ سرکارِ علی' اور چھوٹا حصہ مغل بادشاہ کے لیے، بطور پیشکش حکومت والا۔ اعلیٰ اور ادنیٰ دونوں قسم کے صوبائی دفاتر میں تقرریاں کیں، شہنشاہ کا حوالہ لیے بغیر جاگیر اور منصب میں اضافہ کیا۔ (تجویز کی قبولیت کا یقین ہونا)۔ تاہم، بعض صورتوں میں شہنشاہ کی توثیق طلب کی گئی تھی۔ جبکہ بعض صورتوں میں ابتدائی مرحلے میں ہی شہنشاہ کو تجاویز بھیجی گئیں۔) نعیم، یہ بات قابل ذکر ہے کہ نظام الملک نے شیخر کھیڑا کی لڑائی کے بعد جو تقرریاں وغیرہ کی انتظامی کارروائیاں کوئی نئی بات نہیں تھیں۔ اس نے ایسی تقرریاں کیں، مناصب، جاگیریں وغیرہ عطا کیں، یہاں تک کہ اپنے آدمیوں کو دکن کی صوبیداری کے اعلیٰ عہدے پر تعینات کیا، یہاں تک کہ صوبیداری 1720-22 کے اپنے دوسرے دور میں، یہاں تک کہ مالوہ میں اور مالوا سے اس کی روانگی مرکز کی منظوری کے بغیر تھی۔ لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ اس نے شکر کھیڑا کی لڑائی کے بعد خود مختاری سے کام لیا۔ در حقیقت 1720 کے بعد سے اس کا عمل اور نگ زیب کے دور کے پہلے کے عمل سے ملتا جلتا تھا۔ مزید یہ کہ اسی طرز عمل کو ان کے جانشینوں نے بھی اپنایا اور جاری رکھا۔

14.2.1 دکن میں بالادستی کا قیام (Establishment of Supremacy in the Deccan)

دیکھا جائے گا کہ یہ کہنا درست نہیں ہو گا کہ نظام الملک نے 11 اکتوبر 1724 کی شکر کھیڑا کی لڑائی کے بعد بالادستی قائم کی۔ جون 1720) پنڈھر میں؛ اور عالم علی بالپور میں (10 اگست 1720)۔ ان لڑائیوں کی وجہ سے نظام الملک نے دوسری بار دکن کی صوبیری کو زبردستی حاصل کر لیا۔ ان لڑائیوں کے بعد، نظام الملک نے نظم و نسق کو منظم کرنے اور ملک دکن کو پر سکون کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ اس نے مضبوطی سے قائم کیا اور جب نظام الملک کو دکن چھوڑنے سے پہلے وزیر مقرر کیا تو دہلی کے لیے نظام الملک نے اسد الدولہ ایاز خان کو دکن کا صوبیدار مقرر کیا اور اسے اپنی ذاتی مہر اقتدار سونپ دی۔ لہذا، تاریخ 10 اگست۔ 1720، شیخر کھیڑا کی 11 اکتوبر 1724 کی جنگ کی تاریخ سے زیادہ اہم ہے۔ اس طرح، نام نہاد خود مختار حکمرانی کے لیے دکن میں نظام الملک کی بالادستی کا شمار 6 شوال، 1132 ہجری (10 اگست،

1720) سے کیا جانا چاہیے۔) اور 11 اکتوبر 1724 سے نہیں۔ لالہ منسارام کا بیان اس مفروضے کی تصدیق کرتا ہے جب وہ کہتے ہیں کہ نظام الملک کی حکومت کو 30 سال تک بڑھایا گیا۔ شکر کھیڑے کی معرکہ کی اہمیت صرف یہ ہے کہ اس کے بعد نظام الملک طویل مدت تک دکن میں رہے اور اس جنگ سے اس نے تیسری بار دکن کی صوبیداری حاصل کی یعنی اس کارنامے کو دہرایا اور 1724 میں 1720 کا کارنامہ۔ ظاہر ہے، منسارام قمری سال، 1132 ہجری سے حساب کر رہے ہیں۔ یعنی دلاور خان یا عالم علی خان سے جنگ، اس سال 1132 ہجری سے 1161 ہجری تک، نظام الملک کا دور حکومت 30 سال پر محیط ہے۔

14.2.2 نظام الملک اور مرہٹے (Nizam-ul Mulk and the Marathas)

1707 سے جب شہزادہ اعظم شاہ نے دکن کے صوبیدار ذوالفقار خان کی تجویز پر راجہ ساہو کو دکن کے چھ مغل صوبوں سے پہلی بار چوتھ اور سردیش مکھی کا حق دیا۔ مرہٹوں نے یہ ٹیکس براہ راست ہر ضلع کے زمینداروں، جاگیرداروں وغیرہ سے وصول کیا۔ لیکن 1712 میں نظام الملک کی دکن کے صوبیدار کے طور پر آمد کے ساتھ ہی، مرہٹوں کو خاص طور پر مغل صوبیدار کے صدر مقام اورنگ آباد کے پڑوس میں جمع ہونے سے روک دیا گیا۔ نظام الملک نے فوجداروں اور ضلعداروں کو خط لکھ کر اورنگ آباد پر منحصر کئی مقامات سے مراٹھا کلکٹروں کو بے دخل کرنے کی ہدایت کی۔ تاہم مغل دکن کے باقی ماندہ علاقے میں انہوں نے اپنا کام جاری رکھا۔ 3 مارچ 1719 کو مغل بادشاہ رفیع الدراجات کی طرف سے چوتھ اور 15 مارچ 1719 کو سردیشمکھی کے لیے فرمان جاری کرنے کے بعد مغل صوبوں میں محصولات کی وصولی کے لیے مراٹھا تنظیم کو مزید تقویت ملی۔ دکن کے چھ مغل صوبوں کے ہر محل میں چھترپتی شاہو نے چوتھ اور سردیش مکھی جمع کرنے کے لیے دو کلکٹر، کمویسدار اور گمستا مقرر کیے تھے۔ ان کے علاوہ رہداری کی طرح لیوی کی وصولی کے لیے الگ کلکٹر تھے۔ (منتخب الباب: 111 625، 742-786، پاسم، تفصیل کے لیے دیکھیے نعیم، 1985، 1977)۔ جب نظام الملک 1720 اور دوبارہ 1724 میں دکن واپس آیا تو وہ مرہٹوں کے لیویز کے حق کو ختم کرنے کے لیے بے چین تھا۔ تاہم، راجہ شاہو کو مغل شہنشاہ کے فرمان کی روشنی میں، وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے بعد اس نے صوبہ حیدرآباد کو کچھ معاوضے پر لیویز کی براہ راست وصولی سے مستثنیٰ ہونے کی کوشش کی۔ اس پالیسی پر عمل کرتے ہوئے نظام الملک نے 1727 میں پالکھیڈ کی لڑائی کے بعد شاہو کے وزیر پرتینیدھی کو تجویز پیش کی کہ وہ چوتھ کے بقایا جات کی نقد ادائیگی اس شرط پر کرے گا کہ مغل صوبوں سے مراٹھا کلکٹر واپس لے لیے جائیں۔ شاہو تقریباً قبول کرنے کے قریب ہی تھا کہ مراٹھا کلکٹر واپس آ گئے اور اس موضوع پر اس کے ساتھ سختی سے احتجاج کیا۔ نتیجتاً 13 اکتوبر 1727ء کو شاہو نے نظام الملک کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ جنگ کے بعد یہ مسئلہ نظام الملک اور شاہو کے درمیان 6 مارچ 1728 کو مونگی شیوگاؤں کے معاہدے کے ذریعے حل ہوا۔ لیکن معاہدے کی شرائط چوتھ کی نقد ادائیگی یا ادائیگی کے طریقے کے بارے میں کچھ نہیں بتاتی ہیں۔ آرکائیو دستاویزات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ صوبہ حیدرآباد کے لیے چوتھ کی نقد ادائیگی کا نظام 1727 سے نافذ کیا گیا تھا جب نظام اور پرتینیدھی کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا۔ اس کی تصدیق دو تاریخی تصانیف - حدیقۃ العالم II، 133، اور تاریخ الفتحیہ، (f12 سے بھی ہوتی ہے۔

14.2.3 نظام الملک کے کارنامے (Achievements of Nizam-ul-Mulk)

نظام الملک کا سب سے بڑا کارنامہ پہلے 1720 میں اور پھر 1724 میں دکن کی صوبیداری کا زبردستی حصول تھا اور اسے انتہائی ماہرانہ انتظام کے ذریعے اپنے آہنی ہاتھوں میں مضبوط کرنا تھا۔ اس کے بعد اس نے پوری انتظامی مشینری کو از سر نو منظم کیا اور اسے تقریباً تین دہائیوں تک اپنے ماتحت رکھا۔ اس کی پریشانی دکن میں نظم و نسق قائم کرنے اور ساتھ ہی ساتھ مراٹھوں کے چوتھ اور سردیش مکھی کے حق کو سلب کرنے کی تھی۔ اسی وقت، وہ مرہٹوں کو دکن کے مغل علاقے میں گھسنے سے روکنے میں کامیاب رہا۔ وہ کافی جرات مندانہ تھا کہ امیر العمارہ اور راجہ شاہو کے درمیان طے پانے والے معاہدے کے ذریعے پیدا ہونے والی ذمہ داریوں کو مغلیہ علاقہ سے مرہٹوں کے ایجنٹوں کے ذریعہ براہ راست مراٹھا ٹیکس کی وصولی سے انکار کر دیں۔ وہ سامراج اور سلطنت کو برداشت نہیں کر سکتا تھا جو نہ صرف مغلوں کے مفاد کے لیے نقصان دہ اور نقصان دہ تھا بلکہ اس کا رجحان کسانوں اور عام لوگوں کو مظلوم اور غریب کرنے کا بھی تھا۔

نظام الملک کا علاقہ جو دکن کے چھ صوبوں پر مشتمل تھا شمال میں دریائے نربدا سے لے کر انتہائی جنوب میں رامیشورم تک پھیلا ہوا تھا۔ پونا کے مشرق سے، مغرب میں مشرقی ساحل میں خلیج بنگال تک۔ صوبوں کی وسعت نے نظام الملک کو مشرق میں کورومینڈیل کی یورپی بستیوں سے براہ راست رابطے میں آنے کا سیاسی فائدہ دیا۔ اس نے انگریزوں اور فرانسیسیوں کے ساتھ خوشگوار سیاسی تعلقات قائم رکھے اور ان کے تجارتی مفادات کو فروغ دیا۔ انہوں نے "کرناٹک" کے بہتے ہوئے معاملات کو چیک کیا۔ اس نے ایک بڑی فوج کے ساتھ کرناٹک کی طرف کوچ کیا اور آرکوٹ کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں امن و امان بحال کرنے کے بعد، اس نے مراٹھوں سے تریچینپولی واپس لینے کے لیے آگے بڑھا۔

نظام الملک کو مغرب کے ساتھ ساتھ جنوب میں مرہٹوں اور مشرق میں یورپیوں اور سب سے بڑھ کر مرکز میں مغل حکومت سے نمٹنا پڑا۔ اس نے طاقت کا توازن برقرار رکھا اور سب کے ساتھ اچھے تعلقات رکھے۔ مرکز میں مغل حکومت سے مکمل طور پر الگ نہ ہونے کے باوجود، نظام الملک نے شہنشاہ محمد شاہ کے ساتھ خوشگوار اور دوستانہ تعلقات برقرار رکھے۔ اس نے مرہٹوں کو بھی مطمئن رکھا اور ان پر قابو پایا۔ سب سے بڑھ کر اس نے داخلی امن و سلامتی کو برقرار رکھا اور چھ صوبوں کو ایک واحد وجود کے طور پر پابند رکھا۔ لیکن اس کے لیے، دکن دہائیوں پہلے ہی بکھر چکا ہوگا۔ انہوں نے انتظامی نظام کو ہموار کیا اور اصلاحات متعارف کروائیں۔ کچھ معاملات میں، نظام الملک کی طرف سے لائی گئی انتظامی تبدیلیاں منفرد تھیں اور شمالی ہندوستان میں مغل انتظامی نظام میں نہیں پائی جاتی تھیں۔ یہ حقیقت ہزاروں اصلی فارسی آرکائیو دستاویزات سے پیدا ہوتی ہے۔ ان کے انتظامی اقدامات ملک کے عمومی مفاد اور عوام کی فلاح و بہبود میں تھے۔ اس نے اپنی مہربان انتظامی اصلاحات کے ذریعے لوگوں کو افراتفری کے حالات سے ان کی بے بسی سے نجات دلائی، خاص طور پر زرعی پالیسی کی تشکیل نو نے زمین کی پیداوار کا کافی حصہ کسانوں یا زمین کے مالک کے لیے چھوڑ دیا۔ اس نے پوری پیداوار کا تعین نہیں کیا اور کسانوں پر کوئی ظلم نہیں ہوا۔ زمینی محصول کی تشخیص اور وصولی کو منظم کیا گیا تھا اور مختلف عوامل کو مد نظر رکھتے ہوئے کسان کی رضامندی اور منظوری کے ساتھ کیا گیا تھا، جیسا کہ فارسی-مراٹھی اور فارسی-تیلگو آرکائیول دستاویزات کے اصل اسکور سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس نے پورے مغل انتظامی نظام کو محصولات اور

فوجی محکموں میں ایک نئی بنیاد پر ڈھالا جس نے دکن میں مغل انتظامیہ کو خصوصی خصوصیات عطا کیں۔ نظام الملک کے تحت منصب منصب کی ایک منفرد خصوصیت یہ تھی کہ جن امراء کو اس نے نامزد کیا تھا اور منصب عطا کیا تھا وہ اس کی بیعت کرتے تھے۔ اپنی مہروں میں انہوں نے اسے واضح طور پر "آصف جاہی" کہا ہے۔ اس طرح اسف لہی شرافت رفتہ رفتہ پروان چڑھی۔ تاہم، بیعت کی منتقلی کے عبوری دور کی مہریں ظاہر کرتی ہیں کہ امرا مغل شہنشاہ اور نظام الملک دونوں کی دوہری بیعت کے مرہون منت تھے۔

نظام الملک نے دکن کے اقتدار اور حکومت کے حصول کے وقت شاید ایک خاندانی حکومت اور ایک آزاد ریاست کے قیام کا سوچا بھی نہ تھا۔ تاہم، بعد میں، مغل شہنشاہوں کے بیٹوں اور ان کے جانشینوں کو دکن کا صوبیدار مقرر کرنے کے اقدامات نے خاندانی حکمرانی کو جنم دیا، جسے نظاموں کی آصفیہ خاندان کہا جاتا ہے۔ اس طرح، نظام کی خاندانی آزاد ریاست نظام الملک کے بوئے ہوئے بیج سے تیار ہوئی۔ قسمت کے ان تمام نشیب و فراز کے دوران ریاست حیدر آباد کی تاریخ جو بعد میں سیاسی خوبی اور ضرورت کی بنیاد پر قائم ہوئی، دو صدیوں سے زیادہ عرصے تک قائم و دائم رہی۔ اس طرح جب شمالی ہند میں مغلیہ راج اور سلطنت ختم ہوئی تو یہ ریاست حیدر آباد کی شکل میں جاری رہی اور بیسویں صدی کے وسط تک دکن میں ترقی کرتی رہی اور اس کا سارا سہرا نظام الملک کو جاتا ہے۔ نظام الملک کا انتقال 4 جمادی الثانی 1161ھ (22 مئی 1748) کو ہوا۔ نظام الملک کی وفات کے وقت دکن کے مغلیہ صوبے کا علاقہ نقشہ 2 میں دکھایا گیا ہے۔ اس مغل صوبے سے نظام کی ریاست حیدر آباد وقت کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ تیار ہوئی۔

14.3 ناصر جنگ، مظفر جنگ اور صلابت جنگ

(Nasir Jung, Muzaffar Jung and Salabat Jung, 1748-62)

نظام الملک آصف جاہ اول کی اولاد میں چھ بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔ بیٹے یہ تھے: نواب آصف الدولہ سید غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ سب سے بڑے، دوسرے بیٹے نظام الدولہ میر احمد خان بہادر ناصر جنگ۔ تیسرے سید محمد خان صلابت جنگ بہادر: چوتھے میر محمد شریف خان بسالت جنگ بہادر، پانچویں میر مغل علی خان ہمایوں جاہ، اور سب سے چھوٹے میر نظام علی خان بد دور تھے جو بعد میں آصف جاہ ثانی بنے۔ مظفر جنگ (ہدایت محی الدین خان) نظام الملک آصف جاہ اول کی پسندیدہ بیٹی خیر النساء بیگم کے پوتے تھے۔ ان کے تین بیٹے ناصر جنگ، صلابت جنگ اور نظام علی خان اور پوتے مظفر جنگ نظام الملک کے بعد مغل شہنشاہوں کی طرف سے اپنی تقرری یا سیاسی اور فوجی چالوں کے ذریعے خود قیاس کی بنا پر دکن کے مغل صوبیدار بننے میں کامیاب ہوئے۔ چونکہ نظام الملک کا بڑا بیٹا ہے۔ غازی الدین خان دہلی کے مغل دربار میں والد کے نائب تھے، دوسرا بیٹا ناصر جنگ ہمیشہ اپنے والد کے ساتھ رہتا تھا اور دکن میں انتظامیہ کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ یہاں تک کہ نظام الملک کی وفات سے چند دن پہلے اور بعد کی وفات کے وقت موجود ہونے کی وجہ سے وہ نظام الملک کی جانشینی کے لیے فائدہ مند پوزیشن میں تھے۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ناصر جنگ نے خزانے پر قبضہ کر لیا اور فوج کی مدد سے خود کو دکن کا صوبیدار قرار دیا اور شاہ نواز خان آف برار کو وزیر مقرر کیا۔

اس پر ان کے بھتیجے، مظفر جنگ نے اختلاف کیا، جو نظام الملک کے پسندیدہ تھے اور عام طور پر ان کے بال تھے۔ اس نے رام داس کو وزیر مقرر کیا اور راجہ رگھوناتھ داس کا خطاب دیا۔ جانشینی کی جدوجہد نے انگریزوں اور فرانسیسیوں کو، جو مشرق میں بالادستی کے لیے جدوجہد کر رہے تھے، کو ایک انمول موقع فراہم کیا کہ وہ اپنے حریفوں میں سے کسی ایک کی حمایت کر کے اپنی قسمت کو بہتر بنائیں۔ انگریزوں نے ناصر جنگ کی حمایت کی جبکہ دوسری طرف فرانسیسیوں نے مظفر جنگ جو اس وقت بیجاپور کا صوبیدار تھا، کا ساتھ دیا اور ایک وصیت پیش کی جس میں اس نے اعلان کیا کہ نظام الملک نے اس کی سزائے موت پر عمل کیا تھا۔ اس کے کامیاب ہونے کے حق میں۔ مظفر جنگ نے چندا صاحب کے ساتھ اتحاد کیا جو آرکوٹ کے نوابی کے دعویدار تھے۔ انہیں ڈوپلیکس نے سپورٹ کیا۔ تینوں اتحادیوں نے ارکوٹ کے نواب انور الدین پر حملہ کیا اور اسے امبور میں شکست دے کر قتل کر دیا۔ ناصر جنگ نے مظفر جنگ کے اس اقدام کی اہمیت کو محسوس نہیں کیا اور جب انگریزوں نے انہیں ایسا کرنے کی دعوت دی تو وہ ان کا مقابلہ کرنے سے ہچکچا رہے تھے۔ لہٰذا اس نے محسوس کیا کہ اگر اس کے دشمنوں نے غلبہ حاصل کر لیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے بے دخل ہو جائے۔ اس لیے اس نے مظفر جنگ کو سزا دینے کے لیے کرناٹک کی طرف کوچ کیا۔ اس سے پہلے کہ دونوں فوجیں لڑائی میں مشغول ہو جائیں، مظفر جنگ نے خود کو فرانسیسیوں کے ہاتھوں ویران پایا اور اپنے چچا کے پاس قیدی بن گیا۔ 16 دسمبر 1750 کی رات ناصر جنگ کے کیمپ پر لاٹوچے کی قیادت میں ایک فرانسیسی دستے نے غداری کے ساتھ حملہ کیا اور اس خوف و ہراس کے دوران 25 دسمبر 1750 کو ناصر جنگ کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ دکن کا صوبیدار بنا۔ پانڈیچری میں ایک عظیم الشان دربار منعقد ہوا۔ مظفر جنگ نے اپنی باری پر ڈوپلیکس کو کرشنا کے جنوب میں تمام علاقوں کا گورنر بنا دیا۔ لیکن اس کے لیے مغل بادشاہ سے توثیق کی ضرورت تھی۔ ڈوپلیکس کو 7000 گھوڑوں کا منصب دار بنایا گیا۔ مظفر جنگ کو فرانسیسی فوجیوں کی ایک منتخب جماعت نے بسی کے سرپرد لے جایا، اور خدمت کے بدلے میں، انہیں زمین کا ایک خطہ ملا۔ چند ہفتوں کے اندر اندر لے جانے کے دوران، مظفر جنگ 3 فروری 1751 کو اپنے پٹھانوں کے ساتھ لڑائی میں مارا گیا۔

اب باری نظام الملک کے تیسرے بیٹے صلاح جنگ کی تھی جو اپنے بھتیجے مظفر جنگ کے ساتھ فرانسیسی فوجوں کے ساتھ نکلا تھا۔ بسی نے شاہی کیمپ کے انچارج ہونے کی وجہ سے 3 فروری 1751 کو صلابت جنگ کو صوبیدار بنا دیا تھا۔ اس فوری اقدام نے یکے بعد دیگرے وقفے سے بچایا اور حیدرآباد میں کسی بھی ممکنہ خرابی اور الجھن کو روک دیا۔ صلابت جنگ کا پہلا کام ان تمام مراعات اور مراعات کی تصدیق کرنا تھا جو اس کے بھائی نے فرانسیسیوں کو دی تھیں۔ اس کے علاوہ، اس نے انہیں مسولیپٹم اور شیکاکول کا قصبہ دیا۔ فرانسیسی اثر و رسوخ مزید مضبوط ہوا، کیونکہ نئے صوبیدار کو حیدرآباد میں اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کے لیے فرانسیسی حمایت کی ضرورت تھی۔ چنانچہ بسی اور اس کی فوجیں صلابت جنگ کے ساتھ حیدرآباد کی طرف روانہ ہوئیں۔ اور مغل شہنشاہ نے دکن کے صوبیدار کو مدرسہ الملک اسفود الدولہ کے لقب کے ساتھ ایک فرمان بھیج کر، جو 12 ستمبر 1751ء کو حیدرآباد میں موصول ہوا، اس کی توثیق کی۔

سلبت جنگ نے راجہ رگھوناتھ داس کو مکمل اختیارات کے ساتھ وزیر کے طور پر جاری رہنے کی اجازت دی۔ راجہ نے ریاست میں ان تمام فرانسیسیوں کو ملازم رکھا جنہوں نے مظفر جنگ کی پیروی کی تھی، اور اس کے زیر استعمال زیادہ تر افسران کو برقرار رکھا گیا۔ تاہم، راجہ

کو تنخواہ کے بقایاجات کا مطالبہ کرنے والے کچھ غیر مطمئن سپاہیوں نے قتل کر دیا تھا۔ سید لشکر خان، جو ناصر جنگ کے زمانے میں وزیر رہ چکے تھے، کو دوبارہ اس عہدے پر تعینات کیا گیا۔ اس نے ریاست کے معاملات کو ترتیب دیا، جو سیاسی انتشار کی وجہ سے قابل رحم حالت میں تھے۔ اس نے امن بحال کیا اور پہلے ہی سال اس نے اخراجات کو محصولات کے ساتھ متوازن کیا۔

بسی نے صلابت جنگ کے ساتھ اورنگ آباد کا دورہ کیا اور مؤخرالذکر کو اپنے دشمنوں سے محفوظ رکھا۔ مراٹھا حملے کو روک دیا گیا اور امن بحال ہوا۔ دریں اثنا، دہلی میں، نظام الملک کے بڑے بیٹے، امین العمرہ غازی الدین فیروز جنگ نے 1752 (جولائی اگست) میں دکن کی نظامت (وائس رائلٹی) کے احکامات حاصل کیے اور اورنگ آباد جاتے ہوئے نرمدا کو عبور کیا۔ ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ اور مرہٹوں کی طرف سے مدد کا وعدہ۔ لیکن، بدقسمتی سے، اس سے پہلے کہ وہ کوئی دشمنی شروع کر سکے، اورنگ آباد کے قریب ہیضے سے مر گیا (16 اکتوبر 1752)۔ وزیر، راجہ رگھوناتھ نے سلابت جنگ اور ریاست کو فرانسیسیوں کے تسلط سے آزاد کرانے کے لیے انگریزوں اور ارکوٹ کے نواب محمد علی کے ساتھ سازشوں کا سہارا لیا۔ بسی حیدرآباد چھوڑنا چاہتی تھی۔ لیکن ڈوپلیکس اسے اجازت نہیں دے گا کیونکہ وہ ملک میں فرانسیسی اثر و رسوخ میں مزید توسیع کا خواب دیکھ رہا تھا۔ لشکر خان بھی فرانسیسیوں کے لیے موافق نہیں تھا۔ تقریباً تمام رئیسوں کو فرانسیسیوں سے نفرت تھی۔ جیسا کہ۔ بسی صحت کی بنیاد پر مسولیپٹم کے لیے روانہ ہوئے۔

حیدرآباد میں فرانسیسی فوجیوں کی دیکھ بھال کا خرچ جو سالانہ 26 لاکھ تھا، صلابت جنگ نے برداشت کیا اور یہ اس کے خزانے پر ایک بھاری بوجھ ثابت ہوا۔ اس طرح، وہ فرانسیسیوں کو باقاعدگی سے ادائیگی کرنے سے قاصر تھا۔ جون 1753 تک، فرانسیسی فوجیوں کی تنخواہ چند مہینوں کے لیے بقایاجات میں گئی جس کی وجہ سے کور میں بے چینی اور عدم اطمینان پیدا ہو گیا۔ بسی نے سالابت جنگ کو تجویز پیش کی کہ وہ فرانسیسی فوجیوں کے باقاعدہ اخراجات کو پورا کرنے کے لیے شمالی سرکارس کے ضلع کی آمدنی کو تفویض کرے۔ صلابت جنگ اور اس کے وزیر اس تجویز سے متفق نہیں تھے، لیکن فوجی ہتھکنڈوں اور کچھ ذاتی سازشوں سے وہ متفق ہونے پر مجبور ہو گئے۔ دسمبر، 1752 میں ایک معاہدہ طے پایا، جس کے ذریعے فرانسیسیوں کو چار اضلاع مصطفیٰ نگر، ایلور، راجمندری اور شیکاکول (سریکاکولم) تفویض کیے گئے، جو کہ مشترکہ طور پر شمالی سرکرز کے نام سے جانا جاتا ہے، فرانسیسی کور کے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے۔ ان اضلاع کی آمدنی 31 لاکھ روپے تھی جب کہ بسی کے اخراجات 26 لاکھ روپے تھے۔ اس طرح فرانسیسی بہت سی رعایتیں حاصل کیں اور وہ اپنی پوزیشن مستحکم کرنے میں کامیاب رہے۔

1756 میں انگلستان اور فرانس کے درمیان جنگ شروع ہونے پر، فرانسیسیوں کو انگریزی فوج نے شمالی سرکار سے باہر نکال دیا۔ اور 1759 میں بسی کی حیدرآباد واپسی کے ساتھ ہی، فرانسیسی اثر و رسوخ وقتی طور پر ختم ہو گیا۔ سالابت جنگ نے 1759 میں انگریزوں کے ساتھ مسولیپٹم بندرگاہ اور دیگر اضلاع، جس کا رقبہ تقریباً 700 مربع میل پر مشتمل تھا، انگریزوں کو بطور انعام (مفت تحفہ) دینے کا معاہدہ کیا۔ اس نے صلابت جنگ کو فرانسیسیوں کو اس کے تسلط سے نکالنے کا پابند کیا۔ بعد میں، مغل بادشاہ نے 1765 کے ایک فرمان کے ذریعے انگریزوں کو شمالی سرکار دینے کی تصدیق کی۔

مرہٹوں نے مغلوں کی سرزمین پر دوبارہ حملہ کیااور غداری کے ذریعے احمد نگر، بہادر گڑھ وغیرہ کے قلعے اور دیگر حصوں پر قبضہ کر لیا۔ آخر کار، صلاح جنگ اور نظام علی خان نے 1760 میں بالاجی راؤ کے ساتھ ادگیر کا معاہدہ طے کیا، جس کے ذریعے مغلوں نے قلعہ دولت آباد، بیجاپور، اسیر گڑھ، ہرسول، احمد نگر اور اورنگ آباد، برہان پور اور صوبوں کے کچھ حصے کو مرہٹوں کے حوالے کر دیا۔ بیدر، جس کی آمدنی 62 لاکھ روپے سالانہ تھی۔ اس طرح ریاست کا ایک تہائی حصہ ہتھیار ڈال دیا گیا۔ اگلے سال، نظام علی خان نے صلابت جنگ کے ساتھ پونہ کے قرب وجوار میں ایک فوج کے ساتھ مارچ کیا۔ مرہٹوں کے ساتھ جنگ لڑی گئی اور بعد میں صلح کے لیے مقدمہ چلایا گیا۔ پونا کا معاہدہ 1761 میں طے پایا جس کے ذریعے مرہٹوں نے اورنگ آباد اور بیدر کے صوبوں کے حصے مغلوں کو واپس کر دیے جن کی کل آمدنی 27 لاکھ روپے سالانہ تھی۔

سلبت جنگ کے دربار میں فرانسیسیوں کی چڑھائی انگریزوں کو پسند نہیں تھی اور وہ ان کی جگہ لینے کے لیے مسلسل کوششیں کر رہے تھے۔ انگریزوں نے شہنشاہ شاہ عالم سے صلح جنگ اور فرانسیسیوں کی شکایت کی۔ شہنشاہ نے ایک فرمان جاری کیا جس میں نظام علی خان کو دکن کا صوبیدار مقرر کیا گیا اور اس پر نظام الملک آصف جاہ ال کے القابات کو بحال کیا۔ اسی دوران بڑی تعداد میں شرافت نے ان سے ملک بچانے کی اپیل کی جس پر نظام علی خان نے صلابت جنگ کو معزول کر کے 8 جولائی 1762 کو بیدر میں قید کر دیا اور حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ صلابت جنگ ایک سال بعد 7 ستمبر 1763 کو انتقال کر گئے۔

حیدرآباد کی تاریخ کی ایک دلچسپ خصوصیت یہ ہے کہ ناصر جنگ (1748-50) مظفر جنگ (1750) اور صلابت جنگ (1750) جو یکے بعد دیگرے کسی نہ کسی وقت دکن کے صوبیدار کی حیثیت سے اقتدار پر فائز رہے اور ان کے عہدہ پر ان کی تصدیق ہوئی۔ مغل شہنشاہوں کو آصف جاہ یا نظام کے طور پر تسلیم نہیں کیا گیا ہے کیونکہ یہ القاب انہیں نہیں دیئے گئے تھے۔

14.4 نظام علی خان آصف جاہ دوم (1762-1803) Nizam Ali Khan Asaf Jah II

میر نظام علی خان 24 فروری 1734 کو پیدا ہوئے، وہ نظام الملک کے چوتھے بیٹے تھے۔ اس نے 28 سال کی عمر میں حکومت کا انتظام سنبھالا اور 1762 میں دکن کا صوبیدار بنا۔ نظام علی خان نے 8 جولائی 1762 کو صوبیداری سنبھالی۔ اس نے وٹھل سندر نامی ایک برہمن کو اپنا وزیر بنایا اور اسے راجہ کا خطاب دیا۔ حصہ دار۔ مؤخر الذکر 1765 تک اس عہدے پر فائز رہا، جب وہ مرہٹوں کے ساتھ ایک مقابلے میں مارا گیا۔ میر موسیٰ خان کو نواب رکن الدولہ کے لقب سے وزیر مقرر کیا گیا۔ نظام علی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے مغل دکن کو اندرونی اور بیرونی دونوں قوتوں سے زوال سے بچایا، اس نے انتظامیہ کو منظم کیا، مالی حالت بحال کی، مرہٹوں کے ساتھ معاملات طے کیے اور انگریزوں اور فرانسیسیوں کے ساتھ اتحاد کیا، جس کے نتیجے میں بہت سے اہم واقعات میں اور میسور کے ساتھ دوستانہ تعلقات برقرار رکھے۔

14.4.1 حیدرآباد کیپٹل Hyderabad as Capital

نظام علی خان نے محسوس کیا کہ مغل دکن کا دارالحکومت اورنگ آباد مرہٹہ علاقے کے بہت قریب ہے اور جارحیت کا زیادہ خطرہ ہے۔ اس نے ایک دانشمندانہ فیصلہ کیا اور 1763 میں دارالحکومت حیدرآباد منتقل کر دیا۔ اس عمل نے گرہن زدہ حیدرآباد کو اپنی کھوئی ہوئی شان دوبارہ حاصل کرنے کے لیے ایک نئی جہت دی۔ اس منصفانہ فیصلے کے نتیجے میں عدالت کے رئیس اور ان کے محافظ بھی سرکاری افسران کے ساتھ اورنگ آباد سے حیدرآباد واپس آ گئے۔ اس کے نتیجے میں حیدرآباد شہر کی تیزی سے ترقی اور توسیع ہوئی۔ شہر کی دیواروں کے اندر شہری تجدید کا ایک مرحلہ شروع ہوا، پرانی خستہ حال عمارتوں کو گرا دیا گیا اور بڑے پیمانے پر محلاتی عمارتیں تعمیر کی گئیں۔ بستی تیزی سے دیواروں سے آگے بڑھی، خاص طور پر جنوب کی طرف۔ اس کے نتیجے میں زبردست معاشی ترقی ہوئی، طاقت اور دولت میں اضافہ ہوا اور شہر کی آبادی میں اضافہ ہوا۔ حیدرآباد کی تیز رفتار ترقی 1772 کے نقشے سے عیاں ہوتی ہے جو کہ دیواروں والے شہر حیدرآباد کے نقشے سے ملتی ہے۔ الحاق کے بعد سب سے اہم کام جس پر نظام علی خان کی توجہ درکار تھی وہ مرہٹوں کے ہاتھوں کھوئے گئے مغل علاقوں کی بحالی تھی۔ جلد ہی، اسے مرہٹوں کے دو جھگڑالو گھرانوں میں سے ایک کا ساتھ دینے کا موقع ملا جب رگھوناتھ راؤ نے نظام سے مدد طلب کی۔ نظام نے مہادیو راؤ کے چچا رگھوناتھ راؤ کے ساتھ اتحاد میں ایک بڑی فوج کے ساتھ مارچ کیا، مرہٹوں پر حملہ کیا اور احمد نگر اور پونہ کے درمیان انہیں شکست دی۔ آخر کار پردگاؤں کا معاہدہ طے پایا، جس کے ذریعے مرہٹوں نے نظام علی کو دولت آباد، سونرائی، احمد نگر اور اسیر گڑھ کے قلعے 51 لاکھ روپے سالانہ کے ریونیو کے ساتھ واپس کر دیے۔ تاہم اس معاہدے پر فوری عمل درآمد نہیں ہوا۔ اکتوبر 1763 میں ایک اور جنگ اور راجہ پرتابونت کی پیدا کردہ غلط فہمیوں کی وضاحت کے بعد ایک نئے معاہدے پر اتفاق ہوا۔ تاہم یہ معاہدہ نظام کے لیے کم موافق تھا کیونکہ اس معاہدے کے ذریعے اسے صرف 10 لاکھ روپے کی سالانہ آمدنی حاصل کرنے والا علاقہ ملا اور چار قلعوں کے بجائے اب اسے صرف دولت آباد کا قلعہ واپس ملا۔ مرہٹوں کے ساتھ دشمنی جاری تھی۔ نظام اور پیشوا، 1765 میں، اصل میں، فتح کے بعد، نظام کا علاقہ جو جموجی نے پہلے حاصل کیا تھا، تقسیم کرنے پر اتفاق کیا۔ جانوجی بھاسک اتحادیوں کے مشترکہ حملے کا مقابلہ نہ کر سکے اور 24.5 لاکھ روپے سالانہ حاصل کرنے والے علاقے کو ہتھیار ڈال کر امن کے لیے مقدمہ دائر کیا۔ جنگ کا غنیمت اتحادیوں میں برابر تقسیم کیا گیا اور موسیٰ خان کی ثالثی سے نظام اور پیشوا نے ملاقات کی اور دوستی اور باہمی مدد کا وعدہ کیا۔ اس طرح نظام کو کچھ عرصے کے لیے مراٹھا مسئلہ سے نجات ملی۔ ''حیدر علی خان'' کا خطاب نظام علی خان کے بھائی حیدر علی نواب بسالت جرگ اور ادونی کے صوبیدار کو تین لاکھ روپے بطور نذرانہ ادا کرنے پر دیا گیا اور انہیں سیرت کی صوبیداری عطا کی گئی۔ نظام علی خان کے دور میں، فرانسیسی نمائندوں، ڈوپلیکس اور ریمنڈ کے ساتھ کچھ اتحاد کے بعد، کہ اس نے انگریزوں کے ساتھ اتحاد کیا، جس کے نتیجے میں بہت سے اہم واقعات ہوئے اور چھ معاہدوں پر دستخط ہوئے۔ ان معاہدوں کی نمایاں خصوصیات یہ تھیں کہ انہوں نے حیدرآباد کے علاقائی دائرہ اختیار کو یکسر تبدیل کر دیا۔ نظام علی خان انگریزوں کی طرف سے مغل شہنشاہ سے براہ راست فرمان حاصل کرنے سے خوش نہیں تھے، اس کو نظر انداز کرتے ہوئے، جس کے دائرہ اختیار میں شمالی سرکار تھے۔ چونکہ نظام 1765-66 کے دوران انگریزوں کے خلاف دشمنی کی تیاری کر رہا تھا، مدراس حکومت نے جنرل کالیڈ کو امن کے لیے بات چیت کے لیے حیدرآباد بھیج دیا۔ مذاکرات کے نتیجے میں 1766 کا معاہدہ ہوا، جس کے تحت 'شمالی سرکار'، ایلور، سیکاکول، راجمندری، مصطفیٰ نگر اور مرتضیٰ

نگر۔ گنٹور جاگیر کے بدلے میں بسالت جاہ، انگریزوں نے نظام کو ضرورت پڑنے پر ایک ذیلی اور معاون فورس فراہم کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔ شمالی سرکاروں کے لیے سالانہ سات لاکھ بطور پیشکش (خراج تحسین) ادا کرنا۔ اس معاہدے کے تحت، بنگلور کے قلعے کو کم کرنے کے لیے دو بٹالین کا ایک دستہ نظام کے ساتھ شامل ہوا، پھر میسور کے حیدر علی کے قبضے میں، جس کے ساتھ انگریزوں کی دشمنی تھی۔ لیکن اسے جلد ہی واپس لے لیا گیا کیونکہ نظام کی طرف سے حیدر علی میں شامل ہونا انگریزوں اور ان کے معاہدے کے خلاف تھا۔

انگریزوں نے نظام کو حیدر علی سے علیحدگی اختیار کرنے پر مجبور کیا اور کرناٹک میں ایک اور معاہدے پر دستخط کیے اور دوسری طرف نظام۔ 1768 میں انگریزوں اور نواب کے ساتھ معاہدہ 1768 تک، نظام نے دکن کے صوبیداروں کی طرف سے حیدر علی کو دی گئی تمام سندیں منسوخ کر دیں، سات لاکھ روپے کی سالانہ ادائیگی کے عوض انگریزوں کے حوالے کرنے پر رضامند ہو گئے۔ گھاٹوں کے اوپر کے کارناٹک کے جن پر حیدر علی نے قبضہ کر لیا تھا، نے خود کو کرناٹک کے نواب کے املاک میں مداخلت نہ کرنے کا عہد کیا اور شمالی سرکاروں کے لیے کم ادائیگی قبول کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔ انگریز اور نظام کے درمیان باہمی طور پر فوجوں کے ساتھ ایک دوسرے کی مدد کرنے کی شرائط کو تبدیل کر دیا گیا۔ انگریزوں نے نظام کو اس کی درخواست پر سپاہیوں کی دو بٹالین بندوقوں کے ساتھ فراہم کرنے کا بیڑہ اٹھایا، ان شرائط کے ساتھ کہ نظام اس فورس کی قیمت ادا کرے گا، اور یہ کہ انگریزوں کے ساتھ اتحاد میں کسی شخص کے خلاف کام نہیں کیا جائے گا۔

اپریل 1777 میں، حکومت مدراس نے جان ہالینڈ کو ایک سفارتی مشن پر نظام حیدر آباد کے پاس بھیجا تاکہ گنٹور سرکاروں سے متعلق معاہدے کی شرائط کی وضاحت کرے۔ وہ حیدر آباد میں پہلے برطانوی باشندے تھے۔ ہالینڈ کی واپسی پر جیمز گرانٹ کو جولائی میں بھیج دیا گیا۔ 1780، جو 1784 تک حیدر آباد میں رہے جب انہوں نے استعفیٰ دیا اور حیدر آباد چھوڑ دیا۔ ان کے ساتھ ہی حیدر آباد میں برطانوی باشندوں کے قیام کا نظام شروع ہوا۔ 1782 میں بسالت جنگ کی موت کے ساتھ، گنٹور سرکاروں کو انگریزوں کے ہاتھوں ختم ہو جانا چاہیے تھا، لیکن نظام نے اسے برقرار رکھا اور اپنے افسروں کے ذریعے اس کا انتظام کیا۔ 1784 میں، جانسن کو حیدر آباد میں تعینات کیا گیا تاکہ وہ سرکاروں کی بحالی کے لیے دباؤ ڈالے اور نظام کی طرف سے کمپنی کی وجہ سے پیشکش کے تصفیے کا بندوبست کرے۔ جانسن تقریباً ایک سال حیدر آباد میں رہے اور 1785 میں بغیر کسی تصفیے کے واپس لوٹ آئے۔ نظام اور انگریز کے درمیان تین سال تک تعلقات غیر مستحکم رہے۔ 1788 میں لارڈ کارن والس نے کیپٹن کینا وے کو اس معاملے کو دوبارہ کھولنے کے لیے حیدر آباد بھیجا۔ آخر کار ستمبر 1788 میں اصل معاہدے کے مطابق معاملہ طے پا گیا۔

14.5 نظام، انگریزوں اور مرہٹوں کے درمیان سہ رخی اتحاد

(Triple Alliance between the Nizam, the British and the Marathas)

مرہٹوں کے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے جو ایک مستقل خصوصیت تھی، نظام حیدر علی کے ساتھ اتحاد کرنا چاہتا تھا۔ لیکن میر قاسم (میر عالم) نے انہیں حیدر علی پر بھروسہ کرنے کے بجائے انگریزوں پر بھروسہ کرنے اور 1768 کے معاہدے کے آرٹیکل 6 کے تحت

انگریزی فوجوں کا مطالبہ کرنے کا مشورہ دیا۔ اس کا نتیجہ 1790 میں نظام، انگریز اور مرہٹوں کا ٹیپو سلطان کے خلاف ٹرپل الائنس تھا، جو اپنے والد حیدر علی کا جانشین بنا تھا۔ اتحادیوں نے 1791 میں مارچ کیا اور ٹیپو سلطان کو عبرتناک شکست دی۔ اس کے علاقے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا اور اتحادیوں کے درمیان 1792 کا سیرنگاپٹم کا معاہدہ ہوا۔ میسور کی طرف سے خطرے سے نجات پانے کے بعد، مراٹھوں نے اپنی توجہ نظام اور بعد کی اسکیم کی طرف موڑ دی جس کے نتیجے میں ٹرپل اتحاد کی ناکامی ہوئی۔ نظام نے چوتھ اور سردیش مکھی کے دعووں کو مسترد کر دیا۔ انگریزوں کی ثالثی مرہٹوں کے لیے قابل قبول نہیں تھی۔ یہ معاملہ گفت وشنید سے طے نہ ہو سکا اور نظام اور مرہٹوں کی فوجیں 11 مارچ 1795ء کو خردہ میں مل گئیں۔ 34.5 لاکھ روپے ریونیو اور جنگی اخراجات کے بقایاجات کی ادائیگی کے علاوہ 3 کروڑ 10 لاکھ روپے۔ امیر العمرہ کی غیر موجودگی میں رائے ریان شام راج (رینو کا داس) نے بطور وزیر کام کیا۔

کھردہ کی لڑائی میں نظام کو بچانے میں انگریزوں کی ناکامی نے حیدر آباد کی عدالت میں انگریز مخالف جذبات کو جنم دیا۔ نتیجتاً، نظام نے ان دو برطانوی بٹالین کو برطرف کر دیا جنہوں نے اس کی مدد کے حکم سے انکار کر دیا اور انہیں حیدر آباد سے منتقل کر دیا گیا۔ یہ ریمنڈ، نظام کے فرانسیسی کمانڈر اور ٹیپو سلطان کے لیے برطانوی اثر ورسوخ کو کم کرنے اور حیدر آباد میں اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کا ایک موقع تھا۔ ریمنڈ مزید فرانسیسیوں کے ساتھ اپنے دستے میں اضافہ کر سکتا تھا اور زمین کی تفویض کے ذریعے زیادہ تنخواہ حاصل کرنے کے قابل تھا۔ ٹیپو سلطان نے نظام کے بھتیجے امتیاز الدولہ پر کوششوں کے ذریعے نظام کے ساتھ سفارتی تعلقات اور دفاعی اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس اقدام کا مقابلہ اعظم العمرہ اور میر عالم نے کیا، حالانکہ نظام اس تجویز کی طرف مائل تھا اور راوی رایان شام رائے نے اس کی حوصلہ افزائی کی تھی۔

ایک ایسے مرحلے میں جب برطانیہ مخالف جماعتیں تقریباً کامیاب ہو چکی تھیں، پیشوا مادھو راؤ کی موت پر پونا میں ہونے والے واقعات نے اعظم العمرہ کی رہائی اور حیدر آباد واپسی اور دوبارہ اقتدار میں آنے کا باعث بنی، ان کے تمام منصوبوں کا مقابلہ کیا۔ اعظم العمرہ انگریزوں کے حامی تھے اور ریمنڈ اور اس کے دستوں کے ساتھ ساتھ ٹیپو سلطان کے ساتھ اتحاد کے مخالف تھے۔ اس کا مسئلہ 25 مارچ 1798 میں ریمنڈ کی موت کے ساتھ حل ہو گیا۔ ریمنڈ کی کور کو ختم کرنے سے پہلے۔ اعظم العمرہ نے سر جان شور سے قریبی تعلقات کی یقین دہانی مانگی۔ گورنر جنرل نے حیدر آباد کے ساتھ قریبی تعلقات کی تجویز کو مختلف بنیادوں پر قبول نہیں کیا۔

14.6 ذیلی اتحاد (The Subsidiary Alliance, 1798)

لارڈ مارننگٹن کی گورنر جنرل کے طور پر تقرری کے ساتھ ہی برطانوی پالیسی جارحانہ ہو گئی۔ وہ حیدر آباد کے ساتھ قریبی اتحاد اور نظام کی خدمت میں فرانسیسی دستوں کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ طویل گفت وشنید کے بعد یکم ستمبر کو 1798 کے 'سبسیڈری الائنس' کے معاہدے پر دستخط کیے گئے۔ جس کے تحت حیدر آباد میں تعینات برطانوی بٹالین کو دو سے بڑھا کر چھ کر دیا گیا۔ انہیں نظام کے تسلط میں مستقل طور پر رہنا تھا اور نظام کو ایک مقررہ رقم روپے ادا کرنا تھی۔ 34,17,000 سالانہ چار مساوی قسطوں میں، نظام کی خدمت میں فرانسیسی دستوں کو ختم کرنے کے لیے فراہم کیا جاتا تھا اور نظام جنگوں میں انگریزوں کی مدد کرتا تھا۔ اس طرح اس معاہدے سے انگریزوں کا فرانسیسیوں

اور ٹیپو سلطان کو کچلنے کا مقصد حاصل ہو گیا۔ انگریزوں کے ساتھ قریبی اتحاد قائم کرنے میں نظام کا مقصد کسی بھی مراٹھا جارحیت کو روکنا تھا اور اگر ممکن ہو تو چوتھ اور سردیش مکھی کی ادائیگی سے رہائی حاصل کرنا تھا۔ لیکن نظام کا مقصد پورا نہیں ہوا۔ 1798 کے معاہدے نے حیدر آباد میں انگریزوں کو مضبوطی سے قائم کیا لیکن مراٹھا حملے کے خلاف نظام کو کوئی تحفظ فراہم نہیں کیا۔ درحقیقت، اس سے پہلے، لارڈ کارن والیس نے ایک خط کے ذریعے نظام کو سنجیدگی سے مطلع کیا تھا کہ 1768 کے معاہدے کے 6ویں آرٹیکل کے تحت کمپنی کی افواج کو مرہٹوں کے خلاف استعمال نہیں کیا جانا چاہیے۔ اور سیٹنے کی پالیسی 1798 کے معاہدے میں برقرار رہی۔

سیڈیری الائنس کا ایک اہم نتیجہ سکندر آباد کا اصل تھا۔ جیسا کہ معاہدے میں طے کیا گیا تھا، 5000 برطانوی فوجی مستقل قیام کے لیے حیدر آباد کے قریب پہنچے۔ انہوں نے حسین ساگر کے شمال میں اور حسین شاہ پورہ گاؤں کے قریب ایک نچلی سطح پر ڈیرے ڈالے۔ 5000 فوجیوں اور ہزاروں شہریوں کی چار مربع میل پر مشتمل اس نئی بستی کے ساتھ چھاؤنی قائم ہوئی جس میں تیزی سے اضافہ ہوا۔ بعد میں، 1806 میں، سکندر جاہ آصف جاہ III کے نام پر چھاؤنی کا نام سکندر آباد رکھا گیا۔ انگریز کبھی بھی مرہٹوں کے خلاف نظام کی مدد نہیں کرنا چاہتے تھے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ انگریزوں کے خلاف ٹیپو سلطان سے ہاتھ ملا لیں۔ تاہم، بالواسطہ طور پر، مراٹھوں کے خوف سے، انگریزوں نے نظام کی قیمت پر علاقائی فوائد حاصل کیے۔ 1798 کے معاہدے نے حیدر آباد شہر کی ترقی کے راستے کو گہرا بدل دیا۔ ذیلی اتحاد نے برطانوی فوجیوں کی تعیناتی کے لیے سکندر آباد کے قیام کی ضرورت پیش کی۔ حیدر آباد سکندر آباد جڑواں شہروں کی ترقی اور ایک مختلف سمت میں توسیع کے لیے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ ایک بار پھر، اسی سال، نظام کی طرف سے کرک پیٹرک کی درخواست پر نواب شمشیر جنگ کے باغ میں، دریائے موسیٰ کے شمالی کنارے پر، جہاں کے باشندے ایک دہائی سے زائد عرصے سے مقیم تھے، میں ایک برطانوی ریزیڈنسی کی تعمیر کی اجازت نے ایک نیا رجحان متعارف کرایا۔ شہر کی ترقی اور ترقی۔ 1798 کے معاہدے کے ذریعے نظام کو چوتھی میسور جنگ میں ٹیپو سلطان کے خلاف برطانوی فوج میں شامل ہونے پر مجبور کیا گیا۔ اتحادیوں کی فتح کے بعد، 1799 کے تقسیم کے معاہدے کے ذریعے، نظام نے اپنے حصے کے طور پر دوبارہ دعویٰ کیا، اضلاع میں 6,07,332 پگوڈا تھے۔ بعد میں، پیشوا کی طرف سے انکار کر دیا گیا علاقہ، جس کی قیمت 2,63,957 پگوڈا تھی، کو بھی نظام اور انگریزوں کے درمیان بالترتیب ایک تہائی اور دو تہائی کے تناسب سے تقسیم کر دیا گیا۔

14.6.1 ذیلی معاہدہ (Subsidiary Treaty)

1799 کی تقسیم کے معاہدے کے بعد دولت راؤ سندھیا کے سب سے طاقتور سردار کے طور پر ابھرنے کے ساتھ ہی مراٹھا خطرہ سنگین ہو گیا۔ یہ اندیشہ تھا کہ وہ کسی بھی وقت نظام پر حملہ کر سکتا ہے۔ نظام اور انگریز سندھیا کی جارحیت کو روکنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے اپنے علاقوں کی باہمی حفاظت کے لیے دفاعی اتحاد میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کو مد نظر رکھتے ہوئے لارڈ ویلزلی، گورنر جنرل نے خواہش کی کہ ذیلی فوج کو بڑھایا جائے اگر سندھیا جیسے طاقتور مراٹھا سربراہ کو حیدر آباد پر حملہ کرنے سے روکا جائے، اور اضافی ذیلی فوج کی باقاعدہ ادائیگی کو یقینی بنانے کے لیے، سبسڈی کو تبدیل کیا جائے۔ علاقائی تفویض کے ذریعہ۔ گورنر جنرل کی ہدایت پر حیدر آباد میں برطانوی باشندے کیپٹن کرک پیٹرک نے اعظم العمرہ کے ساتھ بات چیت کی۔ اعظم العمرہ کی طرف سے تیار کردہ معاہدہ لارڈ ویلزلی کے

لیے قابل قبول نہیں تھا جس نے ایک نیا مسودہ تیار کیا اور اسے رہائشی تک پہنچا دیا۔ کچھ تبدیلیوں کے بعد نظام نے اسے 12 اکتوبر 1800 کو قبول کر لیا۔ گورنر جنرل نے مطالبہ کیا کہ نظام کے ذریعے سرنگاپٹم کے معاہدے اور میسور کی تقسیم کے معاہدے کے ذریعے حاصل کیے گئے علاقوں کو سبسڈی کے لیے مستقل طور پر کمپنی کے حوالے کر دیا جائے۔ نظام اور اس کے وزرا سبسڈی کے بدلے نظام کے علاقے کے اتنے بڑے حصے سے الگ ہونے کو تیار نہیں تھے۔ مراٹھا کی ممکنہ جارحیت کو دیکھتے ہوئے، انگریزوں نے نظام کو مجبور کیا کہ وہ خطوں کا ایک بڑا حصہ چھوڑ دیں، جس میں کچھ ایڈجسٹمنٹ کی گئی تاکہ سرحد کی درست وضاحت کی جا سکے۔ عوام کی فلاح و بہبود اور ریاست کی معاشی ترقی کے لیے، نظام نے 1802 میں ایک معاہدہ کیا۔ ریاست اور برطانوی علاقوں کے درمیان تجارت کے مضامین کی مفت ٹرانزٹ فراہم کرنا، ٹرانزٹ ڈیوٹی کو ختم کرنا اور درآمد اور برآمد پر کسٹم ڈیوٹی کو محدود کرنا، مقررہ جگہوں پر ایک بار اور ہمیشہ کے لیے جمع کیے جانے والے 5 فیصد ایڈ ویلیورم تک۔

14.7 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

چالیس سال کے طویل اور سخت دور حکومت کے بعد، نظام علی خان کا انتقال 6 اگست 1803ء کو ہوا۔ اس وقت نظام علی خان نے جو آئین متعارف کرایا تھا وہ اس طرح تھا: نظام دکن کا مغل صوبیدار تھا اور عملی طور پر مطلق خود مختار. سول افسران وزیر، پیشکر، ریاستی ریکارڈ رکھنے والے، غازی اور کوتوال تھے۔ ریاست کے وزیر کو دیوان کہا جاتا تھا، اور ریاست کی فوج کا ایک حصہ کنیسیتھ کا پورا انتظام اس کے ماتحت کر دیا جاتا تھا۔ اس نے جو کچھ بھی کیا، اس سے مشورہ کیا اور حکمراں سے اس کے بارے میں حکم ملا۔ وزیر کے ذریعے ہی نظام کے تمام احکامات ریاست بھر میں جاری اور شائع کیے گئے۔ فوجی افسران وہ تھے جو جاگیروں کا اندرونی انتظام آزادانہ طور پر کرتے تھے۔ کچھ جمعدار اور دوسرے فوجی کمانڈر وزیر کے ماتحت تھے اور کچھ براہ راست نظام کے ذمہ دار تھے۔ وہاں منصب دار، پائیگاہ کے افسر، جمعدار اور فوجی کمانڈنٹ۔ پیاگاہ کے امیروں نے نظام اور ریاست کے تحفظ کے لیے فوج کو برقرار رکھا اور نظام کے حکم کی تعمیل کی۔ کئی درباری اہلکار تھے جن کے دفاتر ان روایات کے تحت چلتے تھے جو ان کے آباؤاجداد دہلی کے مغل دربار سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ ریونیو کے لیے کوئی الگ محکمہ نہیں تھا۔ علاقہ جات دربار کے رئیسوں کے حوالے کر دیے گئے، یا جو بھی ان کے لیے معاہدے پر درخواست دیتے تھے، عملی طور پر ان کے ماتحت علاقے سے آزاد تھے۔ انہوں نے ضلع میں نظام کے مفادات کے تحفظ کے لیے فوجی دستے بھی رکھے۔ محصول وصول کرنے کی اکائی گاؤں کے اہلکار پٹیل وغیرہ تھے۔ ریاست کا پورا علاقہ تین قسموں میں تقسیم تھا: خالصہ، پائیگاہ اور جیر۔ بعد میں، سرف خاص کو چوتھی قسم کے طور پر شامل کیا گیا۔ انصاف کا انتظام اسلامی قانون پر مبنی تھا۔ ریاستی خزانہ پیشکر کی نگرانی میں تھا، وزیر کی طرف سے چیک اور کنٹرول کیا جاتا تھا، اور ریاست کے تمام اکاؤنٹس دفاتر کے ذریعہ رکھے جاتے تھے. القابات اور نظام کا عطا کرنا۔ جاگیروں، منصبوں، وظیفوں اور انعامات کی تمیز اور عطا کرنا اس کا خصوصی حق تھا۔

14.8 کلیدی الفاظ (Keywords)

حیدآباد : موجودہ ریاست تلنگانہ کا دارالحکومت اور آصف جاہیوں کا دارالسلطنت

14.9 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

14.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. چن قلیچ خان کو 1713 میں 'نظام الملک' کے لقب سے کس نے نوازا؟
2. چن قلیچ خان کو ایک قیمتی انگوٹھی کس نے پیش کی جس پر ان کا مکمل ٹائٹل 'چن قلیچ خان بہادر' کندہ تھا؟
3. نظام الملک کو 'آصف جاہ' کا خطاب کس نے دیا؟
4. شیخر کھیڑا کی لڑائی کب ہوئی؟
5. ان چار اضلاع کے نام بتائیں جو مشترکہ طور پر فرانسیسیوں کو تفویض کردہ شمالی سرکار کے نام سے جانا جاتا ہے
6. 1763 میں دارالحکومت کو اورنگ آباد سے حیدر آباد کس نے منتقل کیا؟
7. 1790 کا ٹرپل الائنس کس کے درمیان ہوا؟
8. 'سبسیڈری الائنس-1798' کا معاہدہ کس کے درمیان ہوا؟
9. حیدر آباد میں برطانوی رہائشی کون تھا؟
10. نظام اور ریاست کے تحفظ کے لیے فوج کو کس نے رکھا؟

14.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. نظام الملک آصف جاہ اول پر ایک نوٹ لکھیں۔
2. ناصر جنگ، مظفر جنگ اور صلابت جنگ پر ایک نوٹ لکھیں
3. نظام علی خان آصف جاہ ثانی پر ایک نوٹ لکھیں۔
4. ٹرپل الائنس پر ایک نوٹ لکھیں۔
5. دی سبسڈیری الائنس، 1798 پر ایک نوٹ لکھیں۔

14.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. حیدر آباد ریاست کے عروج پر ایک تفصیلی مضمون لکھیے۔
2. آصف جاہیوں کے مغلوں اور مراٹھون سے رشتوں پر ایک تفصیلی مضمون لکھیے۔
3. کرناٹک، میسور اور مراٹھا جنگوں پر ایک تفصیلی مضمون لکھیے۔

14.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Ayub Ali, Syed ed., *Studies in Medieval Deccan History (14th – 17th Century)*: *Dr. M.A. Nayeem Festschrift*, Deccan History Society, Warangal, n.d.
2. Dalrymple, William, *The Syncretic Civilisation of the Deccan*, H.K Sherwani Centre for Deccan Studies, Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad, 2012.
3. Farooqui, Salma Ahmed, *A Comprehensive History of Medieval India: Twelfth to the Mid-eighteenth Century*, Pearson Education India, New Delhi 2011.
   Gribble, J.D.B., *History of the Deccan*, Rupa, New Delhi, 2002 (first pub. in two volumes in 1896 and 1924).
4. Kishan Rao, V. and A. Satyanarayana eds., *A Thousand Laurels: Dr. Sadiq Naqvi, A Festschrift – Studies on Medieval India with special reference to Deccan*, *Vol. I*, Department of History & Department of Ancient Indian History, Culture and Archaeology, Hyderabad, 2005.
5. Luther, Narendra, *Hyderabad*: *Memoirs of a City*, Sangam Books, London, 1995.
6. Luther, Narendra, *Prince*, *Poet*, *Builder*: *Muhammad Quli Qutb Shah, The Founder of Hyderabad*, Publications Division, Ministry of Information and Broadcasting, Government of India, New Delhi, 2010 (first pub. in 1991).
7. Pillai, Manu S., *Rebel Sultans*: *The Deccan from Khilji to Shivaji*, Juggernaut, New Delhi, 2018.
8. Prasad, Rajendra, *Asif Jahs of Hyderabad*: *Their Rise and Decline*, Prachee Publications, Hyderabad, 2010 (first pub. in 1984).
9. Raj, Sheela, *Portrait of an Era: Hyderabad in the Days of the Nizams, 1828–1896*, Narhari Pershad Charitable Trust, Hyderabad, 2013.
10. Ramakrishna, V. et al eds., *History of Telangana*, Andhra Pradesh History Congress in association with Potti Sreeramulu Telugu University, EMESCO Books, Hyderabad, 2016.
11. Serish, Nanisetti, *Golkonda*, *Bagnagar*, *Hyderabad*: *Rise and Fall of a Global Metropolis in Medieval India*, Self-published, Hyderabad, 2019.
12. Siddiqui, Abdul Majeed, *History of Golconda*, Telangana Sahitya Akademi, Hyderabad, 2019 (first pub. in 1956).
13. Sherwani, H.K. ed., *History of Medieval Deccan* (*1295–1724*), Two Vols., The Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 1973.
14. Yazdani, G. ed., *The Early History of the Deccan*, *Parts VII – XI*, Department of Archaeology and Museums, Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 2013 (first pub. in 1960).

اکائی 15۔ جنوب بعید میں بادشاہتوں کا ظہور

(Emergence of Kingdoms in Far South)

اکائی کے اجزا

15.0 تمہید

15.1 مقاصد

15.2 نائیک سلطنتوں کا ظہور

15.2.1 مدورائی کے نائیکوں کا دورِ حکومت

15.2.2 تنجاور کے نائیکوں کا دورِ حکومت

15.2.3 جنجی کے نائیکوں کا دورِ حکومت

15.2.4 کیلاڑی کے نائیکوں کا دورِ حکومت

15.2.5 چترد رگا کے نائیکوں کا دورِ حکومت

15.2.6 ویلور کے نائیکوں کا دورِ حکومت

15.2.7 میسور میں اوڈیار سلطنت

15.3 نائیکوں کی انتظامیہ

15.4 نائیک ریاستوں کی معیشت

15.5 سماجی و ثقافتی ترقیات

15.6 نائیک سلطنتوں کا زوال

15.7 اکتسابی نتائج

15.8 کلیدی الفاظ

15.9 نمونہ امتحانی سوالات

15.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

15.0 تمہید (Introduction)

1565 عیسوی میں تالی کوٹا کی جنگ کے بعد وجے نگر سلطنت کے زوال نے جنوبی ہندوستان میں سیاسی خلا پیدا کیا۔ اس دور میں نائیکوں کے نام سے پہچانے جانے والے معروف علاقائی سرداروں کا عروج ہوا۔ جنہوں نے نیم آزاد ریاستیں قائم کیں۔ وجے نگر کے حکمران راماراجہ کی پانچ دکنی سلاطین بیجاپور، گولکنڈہ، احمد نگر، بیدر اور بیرار کے ہاتھوں 1565 عیسوی میں شکست کے بعد سے لیکر 1761 عیسوی میں حیدر علی کے عروج تک کے دور کو عام طور پر محققین کی طرف سے نظر انداز کیا گیا اور سمجھا جاتا ہے کہ جنوبی ہند کی تاریخ میں یہ ایک 'تاریک دور' ہے۔ جس کی وجہ سے محقق اس دور سے کوئی خاص دلچسپی نہیں رکھتے کیونکہ ان کے مطابق یہ تحقیق وجے نگر سلطنت کے خاتمے کی نمائندگی کرتی ہیں۔ لہٰذا، اس دور میں واقع طاقتور نائیک سلطنتوں کی تاریخ پر علمی طور پر توجہ حاصل نہیں ہوئی۔ اس اکائی میں نائیک سلطنتوں کی تاریخی اہمیت پر گفتگو ہوگی۔ سولہویں صدی میں ان کے ظہور سے لیکر اٹھارویں صدی کے اوائل تک ان کے وہ زوال پذیر ہونے تک، خاص طور پر متعلقہ نائیک سلطنتوں میں تحریر کردہ متنی بیانیے، سیاسی تشکیل، اختیارات اور قانونی حیثیت، سیاسی معیشت اور ثقافتی پیش رفت کے پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے گی۔ اس اکائی میں نائیکوں کے عروج، انتظامی ڈھانچے اور ان کی ثقافتی شراکت کے عوامل کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اور نائیک ریاستوں جیسے مدورائی، تنجاور اور جنجی پر بھی توجہ مرکوز کی جائے گی اور اس کے علاوہ جنوبی ہندوستان کی سماجی، سیاسی اور اقتصادی ترقی میں ان ریاستوں کے کردار کا تجزیہ لیا جائے گا۔

15.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- سولہویں صدی کے وسط سے سترہویں صدی کے آخر تک جنوبی ہند کی تاریخ پر روشنی ڈالی جائے گی۔
- جنوبی ہندوستان کی نائیک سلطنتوں کا ظہور اور استحکام پر بحث ہوگی۔
- نائیک ریاستوں کی سیاسی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی حالات پر گفتگو۔
- مدورائی، تنجاور اور جنجی وغیرہ کی نائیک سلطنتوں کا زوال۔

15.2 نائیک سلطنتوں کا ظہور (Emergence of Nayak kingdoms)

سولہویں صدی میں وجے نگر کے حکمرانوں، کرشنادیورایا (1509-1529) اور اچیوتادیورایا (1529-1542) کے دور میں، انتظامیہ میں فوجی رہنما یا نائیک بڑی تعداد میں ابھرے۔ کرشنادیورایا نے 'نائیک نظام' کو مقبول بنایا۔ بادشاہ اچھوتارایہ کے زیر کنٹرول 200 نائیک تھے۔ 1565 عیسوی میں وجے نگر سلطنت کو دکنی سلاطین کے ہاتھوں شکست کے بعد نائیک ایک آزاد حکمران کے طور پر ابھرے۔

نائیکوں کو وجے نگر کے حکمرانوں نے علاقے (سیما، سائم، سرمائی) تفویض کیے تھے اور اس کے بدلے میں نائیکوں کو ایک مسلح دستہ برقرار رکھنا تھا اور ریاست کی جانب سے ٹیکس وصول کرنا تھا۔ اس طرح کی زمینی تفویض جو 'نیاکتنا (Nayakatana) ' کے نام سے جانا جاتا ہے جو آگے چل کر آزاد سیاسی تشکیلات کے ظہور کی بنیاد بن گیا، جس نے وجے نگر کے دور حکومت میں آہستہ آہستہ نئے ریاستوں کا درجہ حاصل کر لیا۔ سولہویں صدی کے دوران، وجے نگر سلطنت کے اندر، ایکیری، سینیجی (جینگی)، اوڈیار میسور، مدورائی اور تنجاور کی نائیک جیسے طاقتور نائیک سلطنتوں کا ظہور ہوا۔ جو تصوراتی طور پر وجے نگر کے ماتحت رہیں۔ یعنی ان ریاستوں نے آزاد ہونے کے باوجود خود کو وجے نگر کے حکمرانوں کے جاگیرداروں کے طور پر پیش کرتے ہوئے وجے نگر سلطنت سے علامتی وفاداری کا دعویٰ کیا۔ واضح رہے کہ مغلیہ سلطنت بیک وقت شمالی ہندوستان حکومت کر رہی تھی اس وقت جنوبی ہندوستان میں نائیکوں کی حکومت تھی۔ اس عرصے کے دوران غیر ملکی مسافروں، برطانوی، فرانسیسی، ڈچ اور دیگر یورپی کمپنیوں کی آمد اور ان کے تعامل نے بالخصوص نائک ریاستوں اور عمومی طور پر جنوبی ہند کی تاریخ کو متاثر کیا۔ نائیکوں کی حکومت 1730 تک جاری رہی جب مدورائی، جو بڑی نائیک ریاستوں میں سے زوال پذیر ہونے والی آخری ریاست تھی۔

15.2.1 مدورائی کے نائیکوں کی دورِ حکومت (Reign of the Nayaks of Madurai)

1529 میں پانڈیوں اور چولوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ چندر شیکر پانڈیا کو شکست ہوئی، انہوں نے مدد کے لیے وجے نگر سلطنت کے شہنشاہ کرشنا دیورایا سے رابطہ کیا۔ وجے نگر کے شہنشاہ نے جنرل ناگمانائیک کو چولا پر قابو پانے اور چندر شیکھر پانڈیا کو دوبارہ بادشاہ متعین کیا۔ ناگامانائیک نے چول بادشاہ کو شکست دی۔ چونکہ پانڈیا بادشاہ نااہل تھا، ناگامانائیک نے اپنے آپ کو مدورائی میں پانڈیا مملوکیت کے بادشاہ کے طور پر پیش لیا۔ ناگامانائیک کے اس کام سے کرشنا دیورایا ناراض ہو گیا اور ناگاما کے بیٹے وشوناتھ نائیک کو مدورائی بھیج دیا تاکہ وہ اپنے والد کو شکست دے کر ریاست پر قبضہ کر سکے۔ اس عمل میں، وشوناتھ نائیک کو مدورائی کے بادشاہ کے طور پر نامزد کیا گیا۔ اس طرح 1529 میں مدورائی نائیکوں کی حکومت شروع ہوئی۔ پے در پے جنگوں کی وجہ سے وجے نگر سلطنت کی کمزوری دیکھ کر نائیکوں نے اپنی خود مختاری قائم کرنا شروع کر دی۔ اس طرح تمل ناڈو میں مدورائی کے نائیکوں کی حکومت شروع ہوئی جو تقریباً 1529 سے لیکر 1736 تک رہی۔ ان کی حکومت کا رقبہ جدید دور کے ہندوستانی تامل ناڈو کے بیشتر حصوں پر مشتمل تھا، مدورائی ان کی دارالحکومت تھی۔ نائیکوں کا دور فنون لطیفہ، تہذیبی و ثقافتی تنوع اور انتظامی اصلاحات، اور ایک منفرد طرز تعمیر کے لیے مشہور تھا۔

مدورائی کے نائیک، بالیجا سماجی گروہ سے تعلق رکھنے والا خاندان تیرہ (13) حکمرانوں پر مشتمل تھا، جن میں سے نو (9) بادشاہ، دو (2) ملکہ اور دو) 2 (مشترکہ بادشاہ تھے۔ ان میں سب سے زیادہ قابل ذکر بادشاہ، ترملا نائیک، اور ملکہ رانی منگمل تھی۔ وجے نگر سلطنت کے زوال کی وجہ سے مدورائی میں بادشاہوں کی ایک الگ شاہی نظام کے طور پر نائیکوں کا عروج ہوا۔ یہ ایک قابل ذکر سلطنت تھی، جس کے پاس دریائے کاویری کے جنوب سے لے کر بحرہ ہند تک کے علاقے تھے اور یہ سولہویں صدی میں وجے نگر سلطنت کے ایک حصے کے طور پر بنی تھی۔

کرشنا دیورایا نے وشوناتھ نائیک کو 1529 عیسوی میں مدورائی کا وائسرائے/نائیک مقرر کیا۔ وشواناتھ نائیک، مدورائی میں نائیک نظام کا اصل بانی مانا جاتا ہے۔ وجے نگر کے ماتحت ہونے کے باوجود اس نے خود مختار انتظامی اختیارات کا استعمال کیا۔ اپنے ماتحت افسروں کا ٹیکس معاف کرنے کا اختیار اسے حاصل تھا۔ اس طرح کے اقدامات نے اس کی بادشاہت کو مضبوط کرنے میں مدد کی۔ اس نے بہت سے مقامی سرداروں کو بھی شکست دے کر انہیں اپنے ماتحت کر لیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے 'پولیگر نظام (Poligar system) 'کو مخصوص ترمیمات (نیم فوجی اور جاگیر دارانہ انتظامات) کے ساتھ متعارف کرایا۔ اس کے مطابق انہوں نے اپنی سلطنت کو 72 'پالیا پتو ' (Palayapattu) میں تقسیم کیا، جس سے ان کو محصول جمع کرنے میں آسانی ہوئی۔

انہوں نے اہم شہروں کی قلعہ بندی کی، مندروں کی مرمت وآرائش، جنگلوں کی صفائی، سیاحت کے فروغ، اور سڑکوں، مٹوں اور عمارتوں سے شہروں کی تزئین اور آرائش جیسی سرگرمیوں پر توجہ کی اور وسیع پیمانے پر اصلاحات کی۔ مدورائی، ٹریچینوپولی اور ٹنیل ویلی کے شہروں کو بڑا اور بہتر بنایا۔ زراعت کی بہتری کے لیے انہوں نے آبپاشی کے منصوبے نافذ کیے اور دریاؤں وائیگائی، کاویری اور تمیرابرانی میں نہریں تعمیر کیں اور اس کے کناروں پر موجود جنگلات کو بھی صاف کیا۔ مدورائی میں میلاکل نامی ایک نہر بھی تعمیر کی تھی جو اب بھی وہاں موجود ہے اور اس نہر سے بہنے والی دریائے وائیگی کا پانی مدورائی شہر کے جنوبی جانب ہزاروں ایکڑ اراضی کو سیراب کرتا تھا۔ مقامی حکام، مہاجروں، چھوٹے اور بڑے جاگیرداروں کو مطمئن کرنے کے لیے، اس نے 'پالیم کا نظام 'متعارف کرایا اور ان سب کو اپنے زیر حکومت کر لیا۔ پولیگاروں کو پالیم کی دیکھ بھال کی ذمہ داری سونپی، اور زمین کی پیداوار اور اپنے لوگوں کے تحفظ پر زیادہ توجہ مرکوز کی اور مملکت میں داخلی امن اور خوشحالی کو بحال کیا۔

ان کے جانشینوں میں سے بہت سے ایسے تھے جنہوں نے مدورائی کے 'نائیک نظام 'کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ اس مملکت کے تمام حکمرانوں کے بارے میں یہاں تفصیلی گفتگو ممکن نہیں ہے، تاہم اس حکومت کے عظیم حکمران کی شراکت پر روشنی ڈالی جائے گی۔ ترو ملائی نائیک (1623۔1659) مدورائی کے نائیکوں میں سب سے عظیم حکمراں تھا۔ انہوں نے دارالحکومت کو تریچینوپولی سے مدورائی منتقل کیا۔ وہ ایک آزاد حکمران تھا جسکی کی سلطنت میں مدورائی، ترونیل ویلی، کوئمبٹور اور تروانت پورم کے کچھ حصے شامل تھے۔ انہوں نے کئی قلعے بنائے۔ بہت سے تہواروں کو متعارف کروا کر مدورائی کو تہواروں کا شہر بنا دیا۔ تھیپا کولم، تھیرومالائی نائکر محل، پدھومنڈپم، راجگوپورم ان کی چند یادگاریں ہیں۔

سترھویں صدی کے دوران مدورائی سلطنت میں پرتگالی، ڈچ اور دیگر یورپی باشندے بطور تاجر، مشنری اور مسافر آئے۔ کہا جاتا ہے کہ ترو ملائی نائیکوں نے اپنے محل کی تعمیر کے لیے ایک اطالوی معمار کی خدمات حاصل کی تھی۔ ان کے فن تعمیر میں جدید اطالوی اور کلاسک راجپوت طرز فن تعمیر کا خوبصورت امتزاج تھا۔ وہ سترھویں صدی میں مدورائی نائکوں کے تیرہ حکمرانوں میں سب سے زیادہ قابل ذکر ہے۔ اس کی سلطنت بیجاپور سلطنت اور دیگر ہمسایہ مسلم ریاستوں کی فوجوں سے مسلسل خطرے میں تھی، انہوں نے کامیابی کے ساتھ اپنا دفاع کیا اور ان فوجوں کو پسپا کرنے میں کامیاب رہا۔ اس کے علاقوں میں پانڈیا کے پرانے علاقوں کا زیادہ تر حصہ شامل تھا جس میں کوئمبٹور، ترونیل

ویلی، مدورائی اضلاع، جنوبی تمل ناڈو میں اراگلور اور ٹراوانکور سلطنت کے کچھ علاقے بھی شامل تھے۔ تھرو ملائی نائیک آرٹ اور فن تعمیر کے عظیم سرپرست تھے اور دراوڑی فن تعمیر مدورائی طرز میں تیار ہوا۔ انہوں نے پانڈیا دور کے کئی پرانے مندروں کی از سر نو تعمیر اور تزئین وآرائش کا کام کیا۔ ان کا محل، جسے تھرو ملائی نائیک محل کے نام سے جانا جاتا ہے، ایک قابل ذکر تعمیر کا ایک اہم نمونہ ہے۔ ترو ملائی نائیک نے سلطنت کی توسیع اور استحکام کے لیے کچھ جنگیں بھی لڑیں۔ انہوں نے دنڈیگل میں میسور کے حکمران کانتھیروانار سانائیک کو شکست دی۔ جنگی قیدیوں کو وحشیانہ سزائیں دی گئیں۔ انہوں نے جنگی قیدیوں کی ناک اور بالائی ہونٹ کاٹ ڈالے۔ اس لیے اس جنگ کو 'ناک کی جنگ' کہا گیا۔ اس طرح مدورائی سلطنت کی ترقی میں تھرومالیا کا اہم حصہ ہے۔

نائیک سلطنت کی ایک اور حکمراں رانی منگمل (1706-1689) تھی۔ جو کہ ایک اچھی منتظم اور بہادر جنرل تھی۔ وہ سفارتی طور پر مغل فوج سے نمٹ چکی تھی اور شکست سے بچ گئی تھی۔ انہوں نے تریوانکور کے راجا روی ورما کو شکست دی اور اپنے اقتدار میں لایا۔ ان کے دور میں ترچی اور تنجاور کو اس کی حکمرانی میں لایا گیا۔ انہوں نے برہمنوں اور مسلمانوں کو زمین عطیہ کی اور اسکے علاوہ عیسائیوں کی سرپرستی بھی کی۔ بہت سے عوامی اور فلاحی کاموں کو مکمل کیا جیسے بہت سے آبپاشی کے ٹینک کی تعمیر، کنویں اور نہریں کھودنا، سڑکیں بچھانا، چولٹری، منڈپم بنانا، سڑک کے دونوں طرف درخت لگانا۔ ان کا جانشین وجیار نگا چوکناتھر (1732-1706) ایک نااہل بادشاہ تھا اور اپنے تخت کا جواز پیش کرنے سے قاصر تھا۔ اس کی بیوی میناکشی (1739-1732) نے تخت سنبھالا۔ وہ ایک طاقتور حکمران تھی۔ وہ رانی منگمل کی پوتی تھی اور مدورائی نائیک نظام کی آخری حکمران تھی۔ ان کے دوران میں مدورائی کو بہت سی اندرونی جنگوں کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے اپنے سیاسی حریفوں کے ناپاک منصوبوں کو ناکام بنانے کی بہت کوشش کی۔ لیکن ان کے دور میں تنجاور، ڈنڈیگل، ترچی اور مدورائی پر آرکاٹ نواب نے مسلسل حملے کئے۔ اس طرح مدورائی میں نائیک خاندان کی 207 سالہ حکمرانی کا خاتمہ ہوا اور کرناٹک کے نواب کا دور حکمرانی شروع ہوا۔

15.2.2 تنجاور کے نائیکوں کا دورِ حکومت (Reign of the Nayaks of Tanjore)

تنجاور نائیکوں کی حکومت 1532 میں شروع ہوئی۔ تنجاور حکمران وجے نگر سلطنت کے وفادار تھے۔ انہوں نے مختلف جنگوں اور محصولات کی وصولی میں سلطنت کی مدد کی۔ سیوواپا نائیک (60-1532) تنجاور کا پہلا نائیک تھا، جسے وجے نگر کے بادشاہ اچیوتھریا نے مقرر کیا تھا۔ انہوں نے تنجاور جھیل کی مرمت و آرائش کی، بعد میں اس جھیل کو سیواپانیری کہا گیا۔ ان کے دورِ حکومت میں تنجاور ریاست میں امن اور خوشحالی تھی۔ مدورائی نائکوں کے ساتھ تصادم کے دوران سیواپانائیک کو ویلم کا تروچیراپلی سے تبادلہ کرنا پڑا۔ اپنے دورِ حکومت میں، انہوں نے تنجاور میں شیوا گنگا قلعہ تعمیر کیا۔ اور مختلف مندر اور ہال بھی بنائے۔ اچیوتاپا نائیک (1600-1580) وجے نگر سلطنت کا وفادار تھا۔ انہوں نے تالی کوٹا جنگ میں شہنشاہ کی مدد کی اور مدورائی نائیک کی طاقت بھی حاصل کی۔ وہ شہنشاہ کو باقاعدگی سے محصول ادا کرتا تھا اور اسے شہنشاہ کا معتمد سمجھا جاتا تھا۔ ارونا چلیشورار مندر ان کے دور میں مکمل ہوا۔ کمبا کونم مہامھم تالاب کی مرمت بھی انہوں نے ہی کروائی تھی۔ انہوں نے برہمنوں کو براہمدیہ عطیہ کی پہل کی۔ ان کے دورِ حکومت میں کاویری ندی کے کنارے کی مرمت بھی کی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ 1600 میں اچوتپا کی موت پر 370 خواتین نے خود سوزی کر کے سوگ منایا تھا۔

رگھوناتھ نائیک (1600-1634) کی حکمرانی کو مورخین تنجاور نائیک خاندان کی تاریخ میں سب سے بہتر مانتے ہیں۔ وہ ایک جنگجو، انسان دوست اور شاعر تھا۔ وہ اپنے سوتیلے بھائی کی بغاوت کا سامنا کرنے کے بعد 1600 میں تخت پر بیٹھا۔ کہا جاتا ہے کہ اپنے والد کے انتقال کے بعد رگھوناتھ نائیک نے سوتیلے بھائی کو قتل کر دیا اور اقتدار میں آ گئے۔ تالی کوٹا جنگ (Battle of Talikota) کے بعد وجے نگر سلطنت کمزور ہو گئی۔ تھوپور کی جنگ کے بعد، سلطنت کی حیثیت اور بھی بگڑ گئی۔ رگھوناتھ نے سلطنت کے مقصد کی فعال طور پر حمایت کی اور شہنشاہ کی خیر سگالی حاصل کی، جس کے نتیجے میں، ان کی بادشاہت کی حفاظت ہوئی۔ اگرچہ رگھوناتھ نے مدورائی نائیک سے دوستی کرنے کی پوری کوشش کی، لیکن متھوویر پانائیک کے مدورائی کے بادشاہ بننے کے بعد یہ رشتہ کمزور ہو گیا۔ رگھوناتھ نائیک نے حالات کو خراب کرنے اور دوستی کو دوبارہ قائم کرنے کے لیے متھوویر پانائیک کی بیٹی سے شادی کی۔ تاہم، مدورائی تنجاور کے تعلقات ہمیشہ کشیدہ رہے۔ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ رگھوناتھ نائیک نے ساحلی پٹی کے سولا گر اور شمالی آرکاٹ ضلع کے موراس کو زیر کیا، جو مملکت کے مفادات کے خلاف کام کر رہے تھے۔ رگھوناتھ نائیک نے اپنے سلطنت کی مظبوطی کے لئے یورپیوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھے۔ اور انہوں نے تیلگو اور سنسکرت زبانوں کی بھی سرپرستی کی۔

وجئے راگھوانائیک (1633-1673) نے 40 سال حکومت کی۔ تاہم، ان کی نااہلی کی وجہ سے، تنجاور نائیکوں کی حکمرانی آہستہ آہستہ کمزور ہوتی گئی۔ برونسو نے اپنی تحریروں میں کہا ہے کہ وجئے راگھوانائیک نے اپنے دو بھائیوں کو اندھا کرنے کے بعد قید کر دیا۔ وہ ماہر تعلیم تھے اور انہوں نے رگھوناتھ یوتھم کے نام سے ایک ڈرامہ لکھا جس میں ان کی سوانح عمری بھی تھی۔ ڈرامے نے تنجاور میں نائیک کی حکمرانی پر روشنی ڈالی۔ ان کے دور میں، تنجاور اور مدورائی کے درمیان جھگڑا مزید گہرا ہو گیا۔ اس کے بعد الگیری نائیک (1674) نے تخت سنبھالا۔ انہوں نے مدورائی کی حکومت کی مخالفت شروع کر دی اور مدورائی نائیک کو محصول ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ اِس سے تنجاور اور مدورائی کے تعلقات میں تلخی آ گئی۔ کہا جاتا ہے کہ وینکنا، ایک آفسر، جو الاگیری کو ختم کرنے اور سلطنت پر قبضہ کرنے کی خواہش رکھتا تھا، نے بیجاپور کے سلطان سے الگیری کو معزول کرنے کے لیے رابطہ کیا۔ جس کے بعد الگیری جلاوطنی اختیار کر کے میسور چلے گئے۔ سینگامالا داس (1675) تنجاور نائیک خاندان کا آخری بادشاہ تھا۔ جب وہ تخت پر بیٹھا تو اس کی عمر صرف چار سال تھی۔ سلطان کا جنرل ایکوجی دیوان کے عہدہ سے مطمئن نہیں تھے یہاں تک کہ انہوں نے تمام مال واپس کیا۔ وینکنا مراٹھا نے ایکوجی کو گمراہ کر کے تنجاور پر قبضہ کرنے کو کہا تاکہ وہ تنجاور کا بادشاہ بنے۔ ایکوجی نے 1675 میں سینگامالا داس کو بھگا دیا اور تنجاور کے بادشاہ کے طور پر اختیارات سنبھال لیے۔ اس عمل سے تمل ناڈو کی تاریخ میں تنجاور نائیکوں کی حکمرانی کا خاتمہ ہوا اور مراٹھوں کی حکومت کا آغاز شروع ہوا۔

15.2.3 جنجی / سینجی کے نائیکوں کی دورِ حکومت (Reign of the Nayaks of Senji /Ginjee)

جنجی قلعہ / سینجی قلعہ فوجی طاقت کے لحاظ سے سب سے مضبوط سمجھا جاتا ہے۔ یہ قلعہ 1422 عیسوی میں چولا فن تعمیر پر مبنی وجے رنگا نائیک نے تعمیر کیا تھا۔ یہ قلعہ تیرھویں صدی کے آخر میں اور چودھویں صدی کے شروع میں ہویسالوں اور وجے نگر سلطنت کے تحت اپنی اہمیت کی وجہ سے بھی ایک تاریخی سمجھا جاتا ہے۔ جنجی کو جنجی نائیکوں نے دارالحکومت بنایا اور وائیپا نائک کو اس کا گورنر مقرر کیا

گیا۔وائیپا نائک (1526-1541) ، جس نے 1526 میں اقتدار سنبھالا۔جنجی حکمرانوں نے تقریباً 122 سال حکومت کی۔ جنجی خاندان سے متعلق صرف چند شواہد موجود ہیں، زیادہ تر ترووپرانکندرم مندر میں پتھروں پر جو تحریر کندہ کی گئی ہے وہ سور پانائیک جو کہ جنجی کا مشہور نایئک ہے ان کی حکومت سے متعلق ہے۔ جنجی سلطنت کا علاقہ ساحلی جانب پالار سے شروع ہو کر دریائے کاویری کے پار کولیڈم تک پھیلا ہوا تھا۔ وائیپا نائک ٹونڈائی منڈلم اور چولا منڈلم کو کنٹرول کرتے تھے اور محصول جمع کرنے کے ذمہ دار تھے۔ وہ وجے نگر سلطنت کے کرشنا دیورایا کا معتمد تھا۔ وائیپا نائیک نے جمع کرنے میں تمام بے ضابطگیوں کو دوبارہ ترتیب دیا اور جنجی نائیک کی حکمرانی کو بھی اپنے کنٹرول میں لے لیا۔انہوں نے سریمشنم کے ساتھ ساتھ جنوبی آرکاٹ ضلع میں تھرو کوویلور میں مندر بنائے۔ وہ 1541 تک جنجی حکمران رہے۔

تھوپاکی کرشنپا نائک (1541-1554) نے جنجی حکومت میں امن اور استحکام لایا۔انہوں نے جنجی کے قلعے کو مضبوط کیا اور بستی اور آس پاس کے علاقوں کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔انہوں نے آنند گیری کے قلعے کا نام بدل کر راجگیری رکھ دیا۔اس کے علاوہ انہوں نے راجاگیری قلعے کے گرد ایک مضبوط دیوار بنائی۔جنجی کے اگلے حکمران سور پانائیک (1554-1567) تھے۔انہوں نے اپنے دورِ حکومت میں بہت سارے ادبی اور مذہبی خدمات انجام دیئے۔اس کے علاوہ، سور پانائک نے تالی کوٹا جنگ میں وجے نگر کے شہنشاہ سداشیوارایا کی مدد کی۔ سور پانائیک کو 'کرناٹک سماپر تھیشتا بناچاریار' کا خطاب دیا گیا۔ شاعر، رتھینا گیری سری نواسا دکشتھر نے اِس دور میں 'بھوانا پروشوتما' نامی ڈرامہ لکھا۔

کرشنپا نائیک اول (1567-1576) جنجی کا پہلا آزاد بادشاہ بن گیا کیونکہ وجے نگر کا سداشیوارایا تالی کوٹا جنگ کے بعد کمزور ہو گیا تھا۔ کرشنپا نائیک دوم (1576-1616) جنجی خاندان کا بہترین بادشاہ سمجھا جاتا ہے۔وہ تنجاور کے شہنشاہ وینکٹا اور رگھوناتھ نائیک کے ہم عصر تھے۔انہوں نے 1586 میں شہنشاہ وینکٹا کے خلاف بغاوت کی۔ جس کے بعد اسے قید کر دیا گیا۔ تنجاور کے رگھوناتھ نائیک سے اظہار تشکر کے طور پر، جنہوں نے مداخلت کر کے اسے آزاد کرایا، کرشنپا نائیک دوم نے اپنی بیٹی کی شادی رگھوناتھ نائیک سے کرادی۔اس معلومات کا تذکرہ راماپتھ راماباکے رگھوناتھ یوتھم میں ہے۔ان کے دورِ حکومت میں 1597 میں، پرتگالی سیاح، پیمانڈ واڈیگال، جنجی کا دورہ کئے اور جنجی قلعے کے ساتھ ساتھ آباد بستی،اس کی طاقت اور خوبصورتی کے بارے میں تحریریں لکھئے۔ کرشنپا نائیک دوم نے ڈچ اور پرتگالی دونوں کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کر لیے تھے۔ جب انہوں نے ڈچ کو دیوا نمپٹنم میں ایک قلعہ بنانے کی اجازت دی تو پرتگالیوں نے اس اقدام کی مزاحمت کی، جس کی وجہ سے، ڈچ نے اپنا دائرہ تروپولیور اور پالاور کاڈوتک بڑھا دیا۔ کرشنپا نائیک دوم نے تمام مذاہب کے ساتھ یکساں سلوک کیا، جبکہ وہ خود وشنومت کے پیروکار تھے۔انہوں نے عیسائیوں اور جینوں کو اپنے مندروں کے ارد گرد تعمیر کرنے کی اجازت دی۔اس کے علاوہ انہوں نے بہت سے مندروں کو دولت عطیہ کی۔ان کے دور میں بہت سارے شہر آباد ہوئے اور زراعت کی بھی ترقی ہوئی۔ کرشنپا نائیک دوم نے وجے نگر کے شہنشاہ کے خلاف لڑنے کے لیے ویلور چکرائین اور مدورائی متھوویرپا نائیک کے ساتھ ہاتھ ملایا۔ تین سالہ تھوپور جنگ 1616 میں ویلور چکرائن کی موت اور کرشنپا نائیک دوم کی شکست کے ساتھ ختم ہوئی۔اگرچہ اس نے اپنی پوری ریاست کھودی، کرشنپا نائیک دوم نے جنجی قلعہ پر قبضہ جاری رکھا اور وجے نگر سلطنت کو محصول ادا کرنا شروع کیا۔ان کے بعد وراد پانائک حکمران تھے، جن کی حکمرانی کے بارے

میں زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ اپانائک جنجی نائیکوں کے آخری بادشاہ تھے۔ وراد پانائیک اور اپانائیک کے دور حکومت میں دونوں ناکارہ پائے گئے اور انہیں گولکنڈہ سلطان کے حملے کا سامنا کرنا پڑا۔ بیجاپور سلطان نے بھی گولکنڈہ کی فوجوں میں شمولیت اختیار کی اور آخر کار اپانائیک کو شکست ہوئی۔ مصطفی خان کی کمان میں بیجاپور کی افواج نے جنجی قلعے پر قبضہ کر لیا، اور 1648ء میں جنجی نائیک کی حکمرانی کا خاتمہ ہوا۔

15.2.4 کیلاڑی کے نائیکوں کی دورِ حکومت (Reign of the Nayaks of Keladi)

کیلاڈی کے نائیکوں (1763-1499) جنہیں بیڈنور کے نائیک اور اکیری نائیک کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ وہ کیلاڈی سے تعلق رکھنے والا ایک خاندان تھا جو موجودہ کرناٹک کے شیموگا ضلع میں واقع ہے۔ خاندان کی تشکیل چودپانائیک نے 1499 عیسوی میں کی تھی۔ نائیکوں نے وجے نگر سلطنت کے جاگیرداروں کے طور پر آغاز کیا۔ وجے نگر سلطنت میں ان کی شراکت اور خدمات بہت زیادہ تھی اور وہ اپنے حاکموں کے بہت قریب ہو گئے۔ کیلاڈی کے حکمران سداشیوانائیک کو ان کے وجے نگر کے حاکم رامارایا نے ان کی شراکت کے لیے سراہا تھا اور اسے کو ٹیکولاہالا کہا جاتا تھا اور وجے نگر سلطنت کے تمام ساحلی علاقوں کو ان کے کنٹرول میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے اپنا دارالحکومت اکیری منتقل کر دیا۔ تالی کوٹا کی جنگ 1565 میں وجے نگر سلطنت کی المناک شکست کے بعد، کیلاڈی بادشاہ چکا سنکنا نائیک نے صورتحال کا پورا فائدہ اٹھایا اور شمالی کیناڑا کے علاقے کے کچھ علاقوں کو فتح کر لیا۔ ان کے جانشین ہیریا وینکٹپا نائیک نے کیلاڑی خاندان کو وجے نگر سلطنت کے کنٹرول سے آزاد کرایا۔ انہوں نے اپنی سلطنت کو اس طرح وسعت دی کہ کرناٹک کے ملناڈ اور کراولی کے بیشتر علاقے ان کے ماتحت تھی۔ انہوں نے جنگوں میں بیجاپور سلطنت کو بھی شکست دی۔ لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے 1618 اور 1619 میں پرتگالیوں کو شکست دی۔ پرتگالی سمندری تجارت پر اجارہ داری قائم کرنے کے لیے گندے کھیل کھیل رہے تھے اور بندرگاہوں جیسے بھٹکل، ہوناور، منگلور اور دیگر علاقوں میں کافی مسائل پیدا کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ میسور کے بادشاہوں کو بھی شکست ہوئی۔ ان کے جانشین شیوپانائیک کو تمام کیلاڈی نائیکوں میں سب سے زیادہ قابل سمجھا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنی سلطنت کو ہر طرف اس طرح پھیلایا کہ موجودہ کرناٹک کے بڑے علاقے ان کے کنٹرول میں آ گئے۔ میسور، بیجاپور اور پرتگالیوں کو شکست ہوئی۔ کیلاڈی سلطنت ان کے دور میں اپنے عروج پر تھی۔ انہوں نے پرتگالیوں کو مکمل طور پر ختم کر دیا اور وہ کیناڑا کے علاقے میں اپنے تمام قلعے کھو بیٹھے۔ شیوپانائیک، کیلاڈی خاندان کے سب سے بڑے بادشاہ کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کا مجسمہ شیموگا میں پایا جاتا ہے۔

شیوپانائیک کے دور حکومت کے اختتام تک، کیلاڈی سلطنت ہندوستان کے جنوبی حصے میں ایک بڑی طاقت شمار کی جاتی تھی۔ کیلاڈی نائیکوں کی پڑوسی ریاست میسور کے ساتھ سخت دشمنی تھی۔ اس دشمنی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ میسور کے بادشاہوں کا میدان جنگ میں اپنے مخالفین کو نیچا دکھانے کا عجیب طریقہ تھا۔ یہ درحقیقت وحشیانہ تھا کیونکہ میسور کی فوجیں اپنے شکست خوردہ مخالفین کی ناک کاٹ دیتے تھیں جس سے کیلاڈی نائیک کافی حد تک مشتعل ہو جاتے تھے۔ دونوں کناڈیگا طاقتیں 1763 تک اکثر ایک دوسرے کے خلاف لڑتی رہیں جب بالآخر، حیدر علی کی قیادت میں میسور کی فوج نے کیلاڈی نائیکوں کو شکست دی اور کیلاڈی ریاست کو میسور کی سلطنت کے ساتھ الحاق کر لیا۔

15.2.5 چتر درگا کے نائیکوں کی دورِ حکومت (Reign of the Nayakas of Chitradurga)

چتر درگا کے نائیکوں (1588-1779) نے وجے نگر سلطنت کے بعد مشرقی کرناٹک کے کچھ حصوں پر حکومت کی۔ ہویسالہ سلطنت اور وجے نگر سلطنت کے دور میں، انہوں نے ایک جاگیر دار سردار کے طور پر کام کیا۔ بعد میں، وجے نگر سلطنت کے زوال کے بعد، انہوں نے ایک آزاد ریاست کے طور پر حکومت کی۔ اور بعد میں میسور، مغلیہ اور مراٹھا سلطنت کے ایک جاگیر کے طور پر حکومت کی۔ چتر درگا کے کچھ بہادر اور ہوشیار حاکم نائیک تھے۔ آخری نائیک مداکاری نائیک پنجم (1758-1779) تھا جس نے کبھی میسور بادشاہت کے حیدر علی کے ساتھ اور کبھی مرہٹوں کے ساتھ اتحاد کیا۔ اسی دور میں حیدر علی نے چتر درگا قلعے پر حملہ کیا یہ پہلی مرتبہ نہیں تھا کہ انہوں نے اس قلعے پر حملہ کیا تھا بلکہ اس سے پہلے دو مرتبہ حملہ کر چکے تھے پر کامیاب نہیں ہوئے تھے۔ بعد میں مراٹھوں اور کچھ مقامی افسروں کی طرف سے دھوکہ دہی کے بعد، مدکاری نائیک کو حیدر علی نے شکست دی، قیدی بنالیا اور قتل کر دیا، آخر کار، ان کے علاقے انگریزوں کے ماتحت میسور صوبے میں شامل ہو گئے۔

15.2.6 ویلور کے نائیکوں کی دورِ حکومت (Reign of the Nayaks of Vellore)

ویلور کے نائیک (1540-1601) سولہویں صدی عیسوی میں وجے نگر شہنشاہ کی ویلور جاگیر کے مقامی تیلگو سردار تھے۔ وہ وجے نگر کے شہنشاہ کے ذریعہ صوبائی گورنر کے طور پر مقرر کیے گئے تھے، جنہوں نے اپنی پوری سلطنت کو مختلف نائیک نظام (Nayakship) میں تقسیم کیا جیسے مدورئی، تنجاور اور سینجی۔ بعد میں، 1565 میں وجے نگر سلطنت کے زوال کے بعد، تامل خطے کے دیگر نائیکوں نے آزادی کا اعلان کر دیا، لیکن ویلور نائیک وجے نگر سلطنت کے تولووا خاندان (Tuluva dynasty) کے تحت رہا۔ یہ خطہ پورے زمانے میں کئی خاندانوں کے زیر تسلط رہا۔ اسے پندرہویں صدی کے اوائل میں پانڈیان سلطنت سے جنجی سلطنت میں شامل کر لیا گیا تھا۔ جنجی سلطنت کے جنوبی حصوں کو 1530 کی دہائی میں اچیوتا دیوا رایا نے وجے نگر سلطنت سے جوڑ دیا، اور ویلور کا نئیک نظام کی بنیاد رکھی۔ ویلور کے نائیک کی فہرستیں واضح نہیں ہیں۔ تاہم، کچھ نائیک چنا بومی ریڈی، تھیمار یڈی نائیک، لنگما نائیک تھے۔ ویلور کا قلعہ 1566 عیسوی کے آس پاس چنہ بومی ریڈی اور تھیمار یڈی نائیک نے تعمیر کیا تھا۔ یہ قلعہ مستقبل میں ایک اہم تزویراتی مقام بن گیا۔ دوسرے نائیکوں کی آزادی کے بعد، ویلور نے بھی آزادی کا اعلان کیا اور گنگا مانائیک نے 1601 میں سلطنت کے خلاف بغاوت کر دی۔ وجے نگر سلطنت کے جرنیلوں میں سے ایک، یچاما نیڈو ویلور آیا اور گنگا مانائیک کو شکست دی۔ اس کے نتیجے میں نائیک نظام کا خاتمہ ہوا، اور یہ خطہ وجے نگر کے بادشاہ وینکٹ دوم کی براہ راست حکمرانی میں چلا گیا۔ 1604 میں زوال پذیر وجے نگر سلطنت کا دارالحکومت ویلور منتقل کر دی گئ تھی۔

15.2.7 میسور میں اوڈیار سلطنت (Odeyar kingdom in Mysore)

اوڈیار سرداروں کی تاریخ 1399 عیسوی سے شروع ہوتی ہے جب وہ اس علاقہ میں آباد ہوئے۔ لیکن یہ چامراج سوم-1513) (1553 اور اس کے بیٹے تیما راجا (1553-1572) کے تحت تھا کہ اوڈیار مشہور ہوئے۔ اس علاقے (خاص طور پر امتتور) پر وجے نگر کا

قبضہ کبھی مکمل طور پر نہیں ہوا۔ وجے نگر کے سب سے طاقتور حکمران کرشن دیورایا کو ان امتنور سرداروں کو روکنا مشکل تھا۔ اودیار نائیکوں نے وجے نگر کی طاقت کی مخالفت جاری رکھی یہاں تک کہ تیاراجا آخر کار 1610 میں سرینگاپٹم کے وجے نگر وائسرائے کو معزول کرنے میں کامیاب ہو گیا اور اسے اپنا دارالحکومت بنالیا۔ اوڈیار ایک ہندو حکومت تھی بعد میں اس کے اہم فوجی جنرل حیدر علی اور ان کے بیٹے ٹیپو سلطان بنے۔ ان دونوں کی سرپرستی یہ سلطنت کافی وسیع ہوئی۔

15.3 نائیکوں کی انتظامیہ (Administration of Nayaks)

نائیکوں کی انتظامیہ مرکزی، صوبائی اور دیہی انتظامیہ کی تفصیلات درجہ ذیل ہیں۔ مرکزی انتظامیہ: نائیکوں نے ریاست کو اضلاع اور دیہاتوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ بادشاہ کے پاس طاقت تھی اور وہ ریاست کا سربراہ تھا۔ انتظامیہ چلانے کے لئے وزراء کی کونسل تھی جو ریاست کا نظم ونسق چلانے میں ان کی مدد کرتے تھے۔ دلاوئے، پردھانی اور رائسام اہم عامل تھا۔ وزیر خارجہ کو ستھنا تھی پاتھی کہا جاتا تھا۔ دوسرے افسران اکاؤنٹنٹ اور سرکاری اہلکار تھے۔ ترولائی، رانی منگمل، راگھنا تھا نائیک، کرشنپا دوم جیسے نائیک حکمران تھے۔ آریاناتھا مدلیار پہلے دلاوئے تھے اور وہاں رامپاپیان، لنگما نائک، وینکٹا کرشنپا نائک اور نارا سپا جیسے کارآمد جرنیل تھے۔ دلاویوں میں سے زیادہ تر برہمن تھے۔ پردائی آمدنی کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ زمین کی آمدنی براہ راست جمع ہوتی تھی اور اخراجات بھی اس کے اختیار میں تھے۔ رائسام شاہی سکریٹری تھا اور چیف انتظامیہ آفیسر تھا۔ جو کہ سرکاری ملازمین کے کاموں کی نگرانی کرتا تھا۔ دوسرے آفسر تھانتھی پاتھی اور جاسوس تھے۔ یہ جاسوس ریاست میں سازشوں کی اطلاع فوراً بادشاہ کو دیتے تھے۔ صوبائی اور گاؤں کی انتظامیہ: صوبے گورنروں کے کنٹرول میں تھے۔ وہ انتظامی حکام تھے۔ یہ اضلاع دلاویوں کے براہ راست کنٹرول میں تھے۔ آیاگر کا نظام گاؤں کی سطح پر تھا۔ پالیم کو مکانم یا سیمائی میں تقسیم کیا گیا تھا۔ سیمائی دیہاتوں میں تقسیم تھی۔ نشاندہی کے لئے نام گاؤں کے مختلف نام تھے۔ پروفیسر آر ستھی ناتھ ائیر کا کہنا ہے کہ دیہات مقامی طاقتوں کے بھرپور اقدامات سے لطف اندوز ہوتے تھے۔

آیاگر سسٹم: یہ بارہ)2(1 سرکاری ملازمین پر مشتمل تھا۔ جیسے کرنام، مانیکارار، تھلیاری اور دیگر۔ کرنام گاؤں میں محصول جمع کرتا تھا اور زمین کے سروے کی دیکھ بھال۔ مانیکرار اور تھلیاری بھی ان کی مدد کرتے تھے۔ حکومت نے انہیں عطیہ بھی دیا تھا۔ فوجی اور جاسوسی کا نظام موثر تھا۔ فوج نے امن قائم کیا، بغاوتوں کو روکا، اور ملک کو بیرونی حملوں سے محفوظ رکھا۔ فوج گھڑ سواروں، ہاتھیوں اور اونٹوں پر مشتمل تھی۔ جب جنگیں ہوتی تھیں تو پولیگار نائیک کی مدد کرتے تھے۔

عدلیہ: جہاں تک عدالیہ کی بات ہے بادشاہ چیف جسٹس تھے۔ وہ پولیگاروں اور گاؤں کے ملازمین سے درج کیسز کے بارے میں دریافت کرتے رہتے تھے۔ ایک عدلیاتی دربار تھا جس کا نام دھرم سالی جو کہ دارالحکومت میں واقع تھا۔ پردھانی عدالتی انتظامیہ کے انچارج تھے۔ سزائیں سخت تھیں۔ ہر گاؤں میں دو دو آدمی تھے جو عدلیہ کو دیکھتے تھے۔ پولیس والوں نے اپنے محلوں میں مقدمات کی انکوائری کی۔

مال گزاری انظامیہ: یہ انظامیہ روایتی رہی تھی۔ ٹیکس مختلف تھے، جیسے محصول ٹیکس، پروفیشنل ٹیکس، وغیرہ۔ مال گزاری ریاست کی

آمدنی کا بنیادی ذریعہ تھا۔ غیر ملکیوں سے محصولِ دارامدو برآمد) کسٹم ڈیوٹی(وصول کی گئی۔ خراج تحسین بھی آمدنی کے دوسرے ذرائع تھے جو پڑوسی حکمرانوں سے جمع کیے جاتے تھے۔ محسول یوں تھے زمینی محصول، تجارتی ٹیکس، پیشہ ورانہ ٹیکس، فوجی عطیات، کمیونٹی ٹیکس اور دیگر ٹیکس تھے۔ گاؤں اور سیمائی کی آمدنی مرکزی حکومت کو بھیجی جاتی تھی جس میں جنگوں، مندروں کی تعمیر اور مذہبی توسیع کے لیے اخراجات کی فہرست میں شامل تھے۔

15.4 نائیک ریاستوں کی معیشت (Economy of Nayak States)

معاشی حالت زیادہ تر لوگ زراعت سے وابستہ تھے۔ زراعت اور آبپاشی کے لیے ٹینک، دریا اور کنویں استعمال کیے جاتے تھے۔ بادشاہ نے زرعی زمینوں میں اضافہ کیا اور رہائش کے لیے زمینیں فراہم کیں۔ لوگ مختلف پیشوں میں تھے جیسے بُنائی، مرنا، موتی چننا اور دستکاری کے ماہرین سے کام لیا جاتا تھا۔ چاول، کپڑے کے موتی اور عطر برآمد ہوتے تھے۔ متواتر جنگیں، قحط، وبائی امراض اور سیلاب نے لوگوں کی مشکلات میں اضافہ کیا۔ بادشاہوں کے شاہانہ اخراجات اور سرکاری افسروں کی بدنظمی کی وجہ سے لوگوں کو زیادہ ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا۔ عام طور پر نائیک حکمرانوں نے عوام کی فلاح وبہبود کا کام لیا، زراعت میں اضافہ کیا، یاتریوں اور تجارت کے لیے چولٹری اور دھرم شالہ اور مندر بھی بنائے۔

15.5 سماجی وثقافتی ترقیات (Socio-Cultural Developments)

ریاست میں مختلف فرقے موجود تھے۔ برہمن، ویللر، چیتیار، کیکولر، کمماور، کونار، مارا اور پالر ریاست میں رہتے تھے۔ خواتین کی تعلیم کو نظرانداز کیا جاتا تھا۔ عام طور پر حکومت کی طرف سے خواتین کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ متعدد ازدواج کا رواج تھا۔ عورتیں طرح طرح کی زیور پہنتی تھی۔ بادشاہ ایک وقت میں بہت سی عورتوں سے شادی کرتے تھے۔ کچھ خواتین کو فنون لطیفہ، موسیقی اور رقص کی خاص تربیت دی جاتی تھی۔ معاشرے میں اساتذہ کو بہت احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ برہمنوں کو ویدک، شاستر اور مذہبی تعلیم حکومت کی سرپرستی میں دی جاتی تھی۔ رابرٹ ڈی نوبیلی نے اپنی کتابوں میں اس کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ 10,000 سے زیادہ طلباء تھے اور ہر کلاس میں 300 طلباء کی تعداد تھی۔ ان تمام طلبہ کے پڑھائی، لباس اور ان کے رہنے کا انتظام حکومت کی جانب سے کیا جاتا تھا۔ ساؤ اور وشنو مت اپنی قیمت پر مفت تعلیم دیا کرتے تھے۔ سنسکرت، تیلگو اور تمل کے ادب میں بادشاہوں کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی کی وجہ سے خوب ترقی ہوئی۔ سنسکرت اور تیلگو زبانوں کے بعد تمل زبان کو کافی اہمیت حاصل تھی۔ تامل زبان کی ترقی میں غیر ملکیوں کا بھی اہم حصہ تھا۔ رابرٹ ڈی نوبیلی نے تمل میں بہت سی کتابیں لکھیں جن میں گنانوپدیسم(Gnanouppadesam) ، مندرامالائی (Mandira Malai)، آتھما نیرانائم(Athma Niranayam)، ستھوویدا لکشنم(Sathuaveda Lakshanam) ، کداول نیرانائم (Kadavul Niranayam)، نتیا جیون سلپم(Nitya Jivan Sallapam) ، ہسٹری آف جیسس(History of Jesus)، گنا دیپیکائی(Gnana Deepikai)، نیدھیسول (Needhisol)اور تمل پرتگالی

لغت (Tamil Portuguese Dictionary) شامل ہیں۔ بیسکی جو کہ ویراما منیور کے نام سے جانا جاتا تھا مئی 1711 میں مدورائی آیا تھا۔ وہ ایک رومن کیتھولک تھا، ان کی تخلیقات یوں ہیں تروکاوالور کالمبکم(Tirukavalur Kalambakam)، ویدھیار اولیوکم(Vedhiar Oliukkam)، ویدھاویلکم(Vedhavilakkam)، سٹوری آف ومن (Story of Vaman)، اور پرمارتھ گرو کدھائی(Paramartha Guru Kadha)۔ اس کے علاوہ انہوں نے تھروکرال(Thirukkural)،ارتھوپال (Arathupal) اور پورتپال (Porutpal)کالاطینی زبان میں ترجمہ کیا۔ وجے نگر سلطنت کے فن تعمیر کے نمونہ پر نائیک حکمرانوں نے مندر، پرہار اور راجگوپورم بنائے۔ Aayiramkalmandapam آرٹ اور مجسمہ سازی کی ایک مثال ہے۔ کچھ مندر جو مجسموں کے ذریعے فنکارانہ مہارت کو اجاگر کرنے میں بہترین ہیں مدورائی، تروپرم کندرم، رامیشورم، ترووناملائی، سری رنگم، سری ولّی پٹور اور ترونیلویلی میں واقع ہیں۔ ترومالائی نائیک محل اور پدھومنڈپم فن تعمیر کی مثال ہیں۔ نائیک دور سے تعلق رکھنے والے فن آج بھی مندروں کی دیواروں پر موجود ہیں جو لوگوں کی ثقافتی زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔

مذہب شیوازم اور وشنوازم کو نائیکوں کے دورِ حکومت میں ترقی ہوئی، ساؤ اور وشنو متوں نے ساؤ اور وشنو کتابیں لکھیں اور ہندو مت کے نظریات کا پرچار کیا۔ بادشاہوں نے ہندو مذہب کی سرپرستی کی اور مندروں کی مرمت و آرائش کی۔ وہ بڑی رقم خرچ کرکے مذہبی تہوار مناتے تھے۔ لوگ گنپتی، سیون، وشنو، لکشمی، پاروتی، موروگن اور دکشینہ مورتی، کروپنا سامی، مداسامی، مدورائی ویرن، کنیار کی پوجا کرتے تھے۔ یورپیوں کی آمد کے بعد یورپی مشنری نے مذہبی معاملات میں مداخلت کی۔ بہت سارے ہندو دھرم ماننے والے لوگوں کو عیسائیت کی طرف راغب کیا گیا۔ 1592 میں مدورائی میں عیسائی مشنری اور 1706 میں ڈچ لوتھرین نے اپنا مشن شروع کیا۔ نائیک حکمرانوں نے نہ صرف مذہبی رواداری اختیار کی بلکہ انہوں نے عیسائیوں کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔

15.6 نائک سلطنتوں کا زوال (The Decline of Nayaka Kingdoms)

بیجاپور اور گولکنڈہ کی دکنی سلطنتوں کے بار بار حملے مختلف نائیک سلطنتوں کے لیے مہلک ثابت ہوئے۔ بیجاپور کے ہاتھوں شکست کے بعد 1650 عیسوی تک سینجی میں نائیکا کا راج عملی طور پر ختم ہوگیا۔ تاہم، تنجاور، مدورائی، میسور اور اکیری کے نائک کچھ وقت کے لیے زندہ رہنے میں کامیاب رہے۔ آخر کار 1676 عیسوی میں، تنجاور پر بیجاپور سلطنت نے حملہ کرکے اسے فتح کرلیا، جس سے وہاں کے نائیک راج کا خاتمہ ہوگیا۔ وینکھوجی (ایکوجی) نامی ایک مرہٹہ جنرل نے بیجاپور کی فوج کی قیادت کی۔ وہ شیواجی کا سوتیلا بھائی تھا اور اس نے بیجاپور کے بادشاہ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ایک معصوم شہزادے کو تنجاور کے تخت پر بٹھایا۔ کچھ عرصے کے بعد، وینکھوجی نے آزادی کا اعلان کیا اور تنجاور میں مراٹھا راج قائم کیا۔ مراٹھا بھونسلے قبیلہ 1855 عیسوی تک تنجاور پر حکومت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ انگریزوں نے تنجاور کو 'جبری الحاق تدبیر(Doctrine of Lapse) ' کے تحت ضم کرلیا۔ مدورائی نائیوں کی حکومت کا خاتمہ 1732 عیسوی میں ہوا، جب آرکاٹ کے نواب نے اس پر قبضہ کرلیا۔ اسی طرح، اکیری کی حکومت کو حیدر علی نے ختم کردیا اور 1763 عیسوی میں میسور کے ساتھ ضم ہوگیا۔ نائیک حکمران بھی آپس میں لڑے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے، ان میں سے ہر ایک مملکت الگ الگ تھی، اپنی الگ شناخت کے ساتھ، ایک الگ

زبان، عدالتی ثقافت، سیاسی حرکیات اور علاقائی ترتیب کے ساتھ۔ اکیری نائکوں کے میسور اور بیجاپور سلطان کے اوڈیار سرداروں کے ساتھ دشمنی کے تعلقات تھے۔ شمالی کیسزا کے علاقے میں گیر سوپا کے امیر علاقے پر کنٹرول حاصل کرنے کی ان کی خواہش جس میں کالی مرچ کی بہت زیادہ کاشت ہوتی تھی اکثر اس علاقے کی ملکہ کے ساتھ جنگ کا باعث بنتی تھی۔ اٹھارویں صدی عیسوی تک، نائک کی حکومت ختم ہو چکی تھیں اور مغل حکومت، نظام حیدر آباد اور آرکاٹ کے نواب کی حکومت جنوب میں پھیل گئی تھی۔ نواب، مرہٹہ اور میسور اب سیاسی طور پر طاقتور تھے اور جنوب کی سیاست کو کنٹرول کرتے تھے جیسا کہ کرناٹک اور میسور کی جنگوں میں ان کے ایک دوسرے کے ساتھ گفت وشنید سے ظاہر تھا۔ منظر پر انگریزوں اور فرانسیسیوں کی آمد نے سیاسی حرکیات کو مزید پیچیدہ کر دیا۔

15.7 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

سولہویں اور سترہویں صدی میں جنوبی ہندوستان میں نائیکوں کے ظہور نے خطے کے سیاسی اور ثقافتی منظر نامے میں ایک اہم تبدیلی کی نشاندہی کی۔ جنوبی ہندوستان میں نائکوں کی حکومت نے خطے کی تاریخ پر اہم نقوش چھوڑے۔ ان کی انتظامی اصلاحات، ثقافتی سرپرستی، اور تعمیراتی اختراعات نے جنوبی ہندوستان کی سماجی، اقتصادی اور ثقافتی ترقی کی بنیاد رکھی۔ یہ اکائی جنوبی ہند کی تاریخ میں ایک تبدیلی کے دور کے طور پر نائیک دور کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے، جو خطے کے ثقافتی اور سیاسی منظر نامے میں ان کی پائیدار میراث کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ تمام خصوصیات جدید دور کی نئی اخلاقیات کی پہچان بن گئیں اور اٹھارویں صدی کے جنوبی ہندوستان میں ہونے والی تاریخی پیش رفت کے لیے ایک سیاق وسباق فراہم کرتی ہیں۔

15.8 کلیدی الفاظ (Keywords)

اگرہارا : زمین، گاؤں، یا کھیت تھے جو حکمران برہمنوں کو عطیہ کے طور پر دیتے تھے۔

خودسوزی : اپنے آپ کو آگ لگانے کا عمل ہے، خاص طور پر ایک شکل کے طور پر احتجاج یا قربانی۔

معتمد : بھروسہ مند

بے ضابطگیوں : بے ترتیب

خراج تحسین : کسی بڑی ہستی کی مدح وثنا کرنا یا کسی کے ہنر یا کمال کی تعریف کرنا۔

عامل : آفیسر جس کے پاس قوانین کو عمل میں لانے کا اختیارات ہو۔

جبری الحاق تدبیر : سیاسی پالیسی جس کے ذریعے برصغیر ہند میں ایسٹ انڈیا کمپنی ریاستوں کے ساتھ زبردستی الحاق کرتے تھے۔

نائیک : فوجی سربراہان، جو قلعوں کو کنٹرول کرتے تھے اور ان کے پاس افواج ہوتی تھی۔ اور ضرورت پر بادشاہ کو فوجی مدد حاصل ہوتی تھی، بدلے میں انہیں بھی زمین دی جاتی تھی۔

پولیگر/پولم : ان کا بنیادی کام ٹیکس جمع کرنا، امن وامان کو برقرار رکھنا اور بادشاہ کے لیے فوج کو برقرار رکھنا تھا۔

15.9 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

15.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. مدورائی میں نائیک نظام کی شروعات کب ہوئی؟
2. مدورائی کی مشہور ملکہ کا نام بتائیں؟
3. نائیک وجے نگر کے حکمرانوں کے _____ تھے۔
4. جنجی نائیک کے اصل بانی کون تھا۔
5. پالیار گر سسٹم کا تعارف کس حکمران نے کرایا؟
6. پرتگالیوں کو ناگا پٹنم میں آباد ہونے کی اجازت کس نے دی؟
7. پالیم کی کل تعداد کتنی تھی؟
8. زمینی محصول نیک نظام میں کس نام سے جانا جاتا تھا؟
9. تنجاور کے نائکوں میں سب سے زیادہ مقبول تھے؟
10. مشہور میناکشی مندر کس نے تعمیر کیا؟

15.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. جنجی نائیکوں کے ممتاز حکمرانوں پر ایک مختصر نوٹ لکھیں۔
2. تنجاور نائیکوں کے عروج وزوال کا جائزہ لیں۔
3. رانی منگمل کی سیاسی حکمت پر ایک مختصر نوٹ لکھیں۔
4. نیانکار انظام کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل سے بحث کریں۔
5. پالیگار سسٹم پر ایک مختصر نوٹ لکھیں۔

15.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. مدورائی نائیکوں کے حکمرانوں کی نمایاں کامیابیوں کی وضاحت کریں۔
2. نائیک انتظامیہ کے نظام پر تفصیل سے بات کریں۔
3. نائیک دور کی سماجی اور معاشی حالات پر تفصیلی مضمون لکھیے۔

15.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Aiyar, R. Sathyanatha, *History of the Nayakas of Madura*, Oxford University Press, Madras, 1924.
2. Farooqui, Salma Ahmed, *A Comprehensive History of Medieval India: Twelfth to the Mid-eighteenth Century*, Pearson Education India, New Delhi 2011.
3. Eaton, Richard M., *Eight Indian Lives*: *A Social History of the Deccan, 1300–1761*, Cambridge University Press, London, 2005.
4. Karashima, Noboru, *A Concise History of South India*. *Issues and Interpretations*, Oxford University Press, New Delhi, 2014.
5. Najaf Haidar, Navina and Marika Sardar, *Sultans of Deccan India, 1500–1700*, Metropolitan Museum of Art, London, 2015.
6. Nilakanta Sastri, K.A., *A History of South India*: *From Prehistoric Times to the Fall of Vijayanagar*, Oxford University Press, New Delhi, 1997 (first pub. in 1955).
7. Nilkantha Shastri, K.A., and N. Venkata Ramanayya, *Further Sources of Vijayanagara History*, Madras, 1946.
8. Pillai, Manu S., *Rebel Sultans*: *The Deccan from Khilji to Shivaji*, Juggernaut, New Delhi, 2018.
9. Ramakrishna, V. et al eds., *History of Telangana*, Andhra Pradesh History Congress in association with Potti Sreeramulu Telugu University, EMESCO Books, Hyderabad, 2016.
10. Reddy, Srinivas, *Raya*: *Krishnadevaraya of Vijayanagara*, Juggernaut, New Delhi, 2020.
11. Sewell, Robert, *A Forgotten Empire (Vijayanagar)*: *A Contribution to the History of India*, Asian Educational Services, New Delhi, 2000 (first pub. in 1900).
12. Sherwani, H.K. ed., *History of Medieval Deccan* (*1295–1724*), Two Vols., The Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 1973.
13. Sherwani, H.K. *The Great Vazir Mahmud Gawan*, Bombay 1942.
14. Stein, Burton, *The New Cambridge History of India: Vijayanagara*, Cambridge University Press, New Delhi, 1990.
15. Subrahmanyam, S., *The Political Economy of Commerce*: *Southern India 1500–1650*, Cambridge University Press, New Delhi, 1990.
16. Yazdani, G. ed., *The Early History of the Deccan*, *Parts VII–XI*, Department of Archaeology and Museums, Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 2013 (first pub. in 1960).

اکائی 16۔ دکنی تہذیب کا ارتقاء

(The Evolution of Deccani Culture)

اکائی کے اجزا

16.0 تمہید

16.1 مقاصد

16.2 دکن کی نقشہ سازی یا جغرافیائی مطالعہ

16.3 دکنی تہذیب کے ارتقاء کا پس منظر

16.4 دکن کی جانب نقل مکانی

16.4.1 شمالی ہند سے دکن کی جانب نقل مکانی

16.4.2 ایران سے صفوی خاندان کے اراکین کی دکن کی جانب نقل مکانی

16.4.3 یمن کے حضراموت سے دکن کی جانب نقل مکانی

16.4.4 افریقہ سے دکن کی جانب نقل مکانی

16.4.5 ارمینیا سے دکن کی جانب نقل مکانی

16.5 خصوصی ثقافت کی نشو نما

16.6 کثیر ثقافتی روایات

16.7 دکن کی ثقافتی روایات پر کام کرنے والے محققین

16.8 دکنی ثقافت سے متعلق نظریات

16.9 خلاصہ

16.10 اکتسابی نتائج

16.11 کلیدی الفاظ

16.12 نمونہ امتحانی سوالات

16.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد

16.0 تمہید (Introduction)

دکن نے ہمیشہ اسکالروں اور عام لوگوں میں دلچسپی اور تجسس پیدا کیا ہے۔ لیکن یہ خطہ اپنی متعدد ثقافتوں کے ساتھ اب بھی اسکالروں اور محققوں کے خصوصی توجہ سے محروم ہے۔ دکن شمالی اور جنوبی ہند کے درمیانی خطے میں واقع ہے۔ دکن اپنی منفرد تہذیب و ثقافت کے سبب ہندوستان و دنیا بھر میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔اس کے باوجود، دکن کو ایک مستحق مقام حاصل نہیں ہوا ہے۔ جغرافیائی طور پر، شمالی ہند کا علاقہ وسطی ایشیاء سے جڑا ہوا ہے۔ ماضی میں ہندوستان کے شمال و مغرب کی جانب موجود پہاڑی راستوں، گھاٹیوں، درّوں، پُر پیچ علاقوں، وغیرہ سے تجارتی قافلوں کی آمد و رفت ہوتی رہی، جس نے پہاڑی علاقوں اور زمینی راستوں کے ذریعے لوگوں اور تجارتی اشیاء کے گزرنے کے لیے اپنی رسائی کھول دی۔ دکن کا علاقہ ہندوستان کے جنوبی حصے میں واقع ہے، جس سے کسی بھی بیرونی ممالک کی سرحدیں اور ساحل نہیں ملتے ہیں۔ البتہ دکن سے متصل ریاستوں اور ساحل سے جڑے سمندری راستوں سے تجارت ہوا کرتی تھی۔ مابعد تیرہویں صدی کے جہاز رانوں اور متلاشیوں نے سمندری راستوں اور طویل فاصلوں کے درمیان تجارت کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے تجارت کرنے والوں کو تجارتی فوائد سے روشناس کیا اور دکن کی اہمیت کو واضح کیا۔ اس سے دکن کی ایک ممتاز حیثیت قائم ہو گئی، اور یہ سلسلہ آنے والی کئی صدیوں تک جاری رہا۔ چودھویں صدی سے دکن ایک تاریخی حیثیت سے اُبھر کر مقبول ہونے لگا۔ اس نے اپنے اندر کئی شاخوں، کئی نسلوں اور کئی زبانوں کو سمیٹ لیا، جس میں مقامی عناصر کے ساتھ غیر ملکی عناصر بھی شامل تھے۔ اس طرح، اس خطے نے منفرد ثقافت کے قیام کے حوالے سے ایک مخصوص شناخت حاصل کی۔

16.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- دکن کی جغرافیائی نقشہ سازی کے بارے میں جان جائیں گے
- دکنی ثقافت سے متعلق پس منظر سے واقف ہو جائیں گے
- دکن کی جانب نقل مکانی کے اسباب سے متعلق معلومات حاصل کریں گے۔
- دکنی ثقافت اور کثیر ثقافتی روایات کے بارے میں جان جائیں گے
- دکن پر کام کرنے والے اسکالروں اور دکنی ثقافت سے متعلق موضوعات کے بارے میں بصیرت حاصل کر سکیں گے

16.2 دکن کی نقشہ سازی یا جغرافیائی مطالعہ (Topography of the Deccan)

دکن (Deccan) کی اصطلاح لفظ 'Dakkhan' سے نکلی ہے جو سنسکرت لفظ "دکشن" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی جنوب (South) کے ہیں۔ یہ خطہ وندھیا چل پہاڑی سلسلے کے جنوب میں واقع ہے۔ وندھیا چل پہاڑی سلسلہ شمالی ہندوستان کو جنوبی ہندوستان سے الگ کرتا ہے۔ یہ خطہ عہد عتیق سے مختلف تہذیبوں کا گہوارہ رہا ہے۔ یہ ایک ایسا خطہ ہے جہاں قدیم زمانے سے ثقافتیں آپس میں

گھل مل گئی ہیں، جس سے ہندوستان کی کچھ بہترین تاریخی اور ثقافتی روایات پیدا ہوئیں۔ مختلف شکلوں اور منفرد چٹانوں کی انوکھی نقشہ سازی اور ارضیات تقریباً پورے دکن پر محیط ہے، جس میں آندھرا پردیش، تلنگانہ، کرناٹک، مہاراشٹر، گوا، مدھیہ پردیش اور چھتیس گڑھ کا ایک بڑا حصہ شامل ہے۔ زیادہ تر علاقہ بنجر، خشک اور پہاڑی نوعیت کا مرتفع دکن مشرقی گھاٹ، مغربی گھاٹ، طویل مالا بار ساحل اور کورومنڈل ساحل سے ڈھکا ہوا ہے۔ یہ خطہ خلیج بنگال، بحر ہند، بحیرۂ عرب، بحر احمر اور بحیرۂ روم سے جڑا ہوا ہے، جو شمالی ہند کے مقابلے میں دکن کو غیر زرعی اور ایک تجارتی خطے میں تبدیل کرتا ہے۔ اس منفرد اور نادر جغرافیائی خدوخال نے مختلف سماجی اور معاشی صورتحال پیدا کیا، جس کے نتیجے میں دکن برصغیر ہند میں ایک بڑا ثقافتی مرکز بن گیا۔

16.3 دکنی تہذیب کے ارتقاء کا پس منظر

(A Background to the Evolution of Deccani Culture)

مرتفع دکن ایک منفرد ثقافت کا حامل ہے، جس نے دریائے نربدا، گوداوری اور کرشنا کے ساحلوں پر نشو و نما حاصل کی۔ اس نے ستواہن دور سے لے کر سلاطین اور نوآبادیاتی دور تک سیاسی اور اقتصادی روایات اور مذہبی اور ثقافتی عقائد کو استعمال کیا۔ بالآخر دکنی ثقافت نے آصف جاہی دور حکومت میں درجۂ کمال حاصل کیا۔ مختلف حکمرانوں کے اقتدار کے زمانے میں امرائے عظام اور عام لوگوں نے متعدد ڈھانچوں مختلف عمارتوں کی تعمیر میں گراں قدر خدمات انجام دیئے، اور قلعے، محلات، تالاب، باغات، مقبرے، خانقاہیں، مساجد، منادر، وغیرہ تعمیر کیے گئے۔ یہ ڈھانچے اندرونی طور پر دکن کے لوگوں کی زندگیوں سے جڑے ہوئے تھے، اور تقریباً دکن کی نقشہ سازی اور آب وہوا کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ ان عمارتوں کی طرزِ تعمیر اور نقش و نگاری دکن کے طرزِ زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔ زبانوں اور تجارتی راستوں نے لوگوں کو تجارت اور ثقافتوں کا تبادلہ کرنے کی اجازت دے دی۔ ان تاریخی، سیاسی، اقتصادی اور جغرافیائی روابط سے دکن کے مختلف علاقے متعدد پہلوؤں میں تبادلے کے راستے اور ذرائع بن گئے۔ اس سے ایک ایسا ماحول پیدا ہوا، جس میں تہذیب و ثقافت کے ایک خاص علاقے کی نشو و نما ہوئی۔ اس کے علاوہ، دکن میں ترکوں اور مغلوں کی آمد نے شمالی اور جنوبی ہندوستان کے درمیان سیاسی روابط قائم کیے، اور ایک ایسی ثقافت کو پروان چڑھانے کے لیے ایک پلیٹ فارم فراہم کیا جو ایک الگ خطے کی نمائندگی کرتا تھا۔ اس کے نتیجے میں دکن کی ایک خاص ثقافت اور تہذیب وجود میں آگئی۔ ان سرگرمیوں کے علاوہ، دکن کو شاذ و نادر ہی کسی حکمران نے فتح کیا، یا یہ خطہ زیادہ عرصے تک شمالی ہندوستان کی کسی سلطنت کے زیرِ تسلط نہیں رہا۔ اس طرح، دکن میں ایک خصوصی تہذیب کا ظہور ہوا، جو مراٹھی، کنڈ، تیلگو اور کونکانیوں کے اثرات، اور پیچیدہ سیاسی تعاملات، سماجی تعلقات، ثقافتی تبادلوں اور بڑھتے ہوئے تجارتی نیٹ ورک کا نتیجہ تھا۔ اس متنوع اور باہم جڑے ہوئے معاشرے نے ایک بھرپور ثقافتی ورثے کو جنم دیا۔ اس کے باوجود، دکنی تہذیب صرف فنکارانہ رجحانات اور ثقافتی طریقوں تک محدود نہیں تھی۔ یہ زندگی کا ایک ایسا طریقہ تھا جو اتحاد اور ہم آہنگی کے فلسفے کا مجسم تھا۔ لہٰذا، دکنی تہذیب کے اثرات ثقافت کے دائرے میں دیکھنے سے کہیں زیادہ تھے۔ نیز اس تہذیب میں کثرت میں وحدت کا فلسفہ موجود تھا، اور اس کا دائرہ دن بدن وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا تھا۔

16.4 دکن کی جانب نقل مکانی (Migrations towards Deccan)

چھٹی صدی قبل مسیح سے دکن میں علاقائی سلطنتیں (مثال کے طور پر اساکا) وقوع پذیر ہوئیں۔ اس کے بعد تیسری صدی قبل مسیح میں موریہ حکومت قائم ہوئی۔ دوسری صدی قبل مسیح میں ستواہنوں نے جنوبی ہند میں اپنی بالادستی قائم کی، جس کے زوال کے بعد دیگر چھوٹی چھوٹی سلطنتیں بھی وجود میں آگئیں۔ ان تمام مقامی ثقافتوں نے قدرتی طور پر ایک مقامی تہذیب کو جنم دیا۔ آٹھویں صدی کے بعد عربوں کے آنے اور چودھویں صدی کے اوائل سے شمالی ہندوستانیوں، ایرانیوں، افریقیوں، پرتگالیوں، ولندیزیوں، انگریزوں اور فرانسیسیوں کے آنے سے، اس خطے نے مختلف ثقافتوں کے انضمام اور اکلچریشن (Acculturation) کے رجحانات کا مشاہدہ کیا جس کی وجہ سے طویل رابطے کے نتیجے میں مختلف ثقافتوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا ہوئی۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کس طرح مختلف سماجی گروہ اپنی اپنی مختلف شکلوں اور طریقوں کے ذریعے ایک ثقافتی نظام میں شامل ہو رہے تھے۔ ایسا کرتے ہوئے یہ سماجی، سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی حرکیات کے ذریعے دور دراز علاقوں کے ساتھ دکن کے پیچیدہ تاریخی روابط کی کھوج کرتا ہے جس کی وجہ سے ایک متحرک ثقافتی جگہ پھلنے اور پھولنے لگی۔ بحر ہند اور بحیرۂ عرب کے تجارتی راستوں نے خلیج فارس کے علاقوں اور جزیرہ نما ہند کے درمیان لوگوں اور ان کے خیالات کے لئے ایک اہم راستہ فراہم کیا۔

16.4.1 شمالی ہند سے دکن کی جانب نقل مکانی (Migrations from North India to Deccan)

1310 میں دیوگیری پر علاؤالدین خلجی کی چڑھائی کے بعد شمالی ہندوستانیوں نے آہستہ آہستہ دکن میں آنا شروع کیا۔ شمالی ہند میں علاءالدین خلجی کے ذریعے نافذ کیے گئے احکامات کے دیرینہ اثرات دکنی عوام کے سیاسی، سماجی اور معاشی حالات پر مرتب ہوئے۔ یہ سلسلہ اس وقت تیز تر ہو گیا جب محمد بن تغلق نے اپنا دارالخلافہ دہلی سے دیوگیری منتقل کیا۔ محمد بن تغلق نے دیوگیری کا نام دولت آباد رکھا، اور اس کے بعد کچھ علماء و مشائخ کو بھی دولت آباد بھیج دیا۔ یہ تاریخ ہند میں ایک اہم مرحلے کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ یہ دکن میں مسلمانوں کے آباد ہونے اور دکن میں اسلام کے باضابطہ آغاز کی جانکاری پیش کرتا ہے۔ دولت آباد میں علماء و مشائخ کی موجودگی میں عربی اور فارسی سے مقامی زبانوں جیسے مراٹھی، تلگو اور کونکنی کا ارتباط ہونے لگا۔ اسی میل ملاپ سے دکنی زبان کی تشکیل ہوئی۔ صوفیا کی تعلیمات کا بھی دکن پر گہرا اثر مرتب ہوا۔ شمال سے نقل مکانی کرنے والوں کا تعلق مختلف طبقوں سے تھا۔ ان میں ترک، افغانی، ایرانی، آریائی اور ہند آریائی لوگ شامل تھے۔ یہ تمام لوگ مختلف پیشوں سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے دکن میں بہت سے ادارے قائم کیے جو دہلی کے اداروں سے ملتے جلتے تھے۔ اس اجتماعی ہجرت میں کچھ صوفی بزرگ بھی شامل تھے، جنہوں نے دکن میں ثقافت اور برادری کے تعلقات کی تشکیل کو بہت متاثر کیا۔ انہوں نے نہ صرف عام لوگوں کی زندگیوں میں اہم کردار ادا کیا، بلکہ امراء بھی ان سے سنجیدگی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ مزید یہ کہ فلسفۂ تصوف سے عوام میں آپسی میل جول اور بھائی چارہ قائم ہوا، اور مساوات اور اخوت کو فروغ حاصل ہوا۔ اس سے مقامی تہذیب و ثقافت پر بھی گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ اس کے علاوہ جنوبی ہند سے عیسائی مبلغین اور تاجرین بھی دکن میں آنے لگے۔ دکن تیزی سے ایک تجارتی مرکز میں تبدیل ہو رہا تھا، جس نے مختلف صلاحیتوں کے ساتھ ہر جگہ سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اس طرح دکن تجارت کا مرکز بن گیا اور دور دراز علاقوں

سے لوگ ہجرت کر کے دکن میں آنے لگے۔

16.4.2 ایران سے صفوی خاندان کے اراکین کی دکن کی جانب نقل مکانی

(Migration of the Members of Safavi Dynasty of Iran towards Deccan)

تیرھویں صدی کے دوران اور اس کے بعد، جب ایران کو منگولوں کے حملوں کا سامنا کرنا پڑا، تو ایران کے کئی چھوٹے بڑے گروہوں، منتظمین، فوجی اہلکاروں، پیشہ ور افراد اور تعلیم یافتہ طبقوں نے مسلمان تاجروں کے ساتھ مل کر دکن کے علاقے میں پناہ لی، اور وہی آباد ہوئے۔ اس ہجرت نے دکن کے ثقافتی اور فکری تنوع میں اضافہ کیا۔ صفوی فتح کے بعد، ایرانی اشرافیہ نے باضابطہ طور پر شیعہ مذہب کو اپنے عقیدے کے طور پر قبول کیا۔ ایران سے دکن تک مسلسل ثقافتی اور مذہبی بہاؤ ایرانیوں کی مستقل ہجرت کے ذریعے جاری رہا۔ ایرانیوں نے شیعت کے لیے اپنا نیا جوش متعارف کرایا، جس کی وجہ سے دکن میں نمازِ جمعہ کی مساجد اور امام بارہ قائم ہوئے۔ بعد میں، ہیروں کی تجارت نے بہت سے ایرانی شیعہ تاجروں کو دکن کی طرف راغب کیا، جس کی وجہ سے مقامی آبادی میں شیعہ مذہب کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کے علاوہ، ایران سے بڑی تعداد میں لوگوں کی ہجرت سے دکن میں نئے مذہبی عقائد اور رسومات رونما ہوئے، جیسے محرم کی عزاداری، کربلا کے واقعات کا اعادہ، علی ابن ابی طالب کی سربلندی اور علی کی ولایت کا آغاز ہوا۔ اس سے دکن میں شیعت کی توسیع ہوئی۔

16.4.3 یمن کے حضرا موت سے دکن کی جانب نقل مکانی

(Migration from Hadhramaut, Yemen to Deccan)

حضرا موت جنوبی عرب کا ایک جغرافیائی علاقہ ہے جو مشرقی یمن، مغربی عمان اور جنوبی سعودی عرب پر مشتمل ہے۔ مذکورۂ بالا کے علاوہ، حضرا موت (یمن) کے رہنے والے لوگ بھی وسطی دور میں دکن آنے لگے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے روابط حیدرآباد کے نظام سے بڑھنے لگے۔ ان میں چند سنی مسلمان تھے جو شافعی روایات پر کاربند رہے، باوجود اس کے کہ سنی مسلمانوں کی اکثریت اسلامی فقہ کے حنفی مکتب پر عمل پیرا تھی۔ یہ لوگ نظام کی فوجی بیرکوں (Barracks) کے مکین تھے جو مرکزی شہر سے باہر جگہوں پر واقع تھے۔ آج یہ علاقہ برقس (Barkas) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ لوگ بنیادی طور پر چاوش ورثے کے یمنی ہیں، جن کے آباؤ اجداد کا تعلق کبھی حضرموت سے تھا۔ چاؤش ایک عثمانی ترک لفظ ہے جو جونیئر فوجی عہدے کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ ابتدائی بیسویں صدی کے حیدرآباد میں حضرا موتی سپاہیوں کی برتری کی نشاندہی کرتا ہے۔

حیدرآباد اور حضرا موت کے تعلق نے یمنیوں کے لیے نئی راہیں کھولیں، جنہوں نے اپنے آپ کو اس نئے گھر (دکن) میں محفوظ اور آرام دہ پایا، جس میں وہ منتقل ہو چکے تھے۔ یہ لوگ یمنی شاہی سلسلے، القیتیوں، سے وابستہ تھے، جن کا ثقافتی رجحان حیدرآبادی نوابوں سے مشابہت اختیار کرنے کے بجائے، ان کے قبائلی اور غیر مہذب آباؤ اجداد سے ملتا جلتا تھا۔ اسی حقیقت کی وجہ سے مختلف ثقافتیں اس خطے میں سکون سے آباد ہوئے۔ یہ مخصوص خصوصیت ان ثقافتوں کے امتزاج کے بارے میں کافی حد تک وضاحت کرتی ہے جو غالب رہی اور اب بھی

حیدر آباد کا ایک حصہ ہے۔

16.4.4 افریقہ سے دکن کی جانب نقل مکانی (Migration From Africa towards Deccan)

حضرا موت یعنی یمنی افراد کی طرح ایتھوپیا، مصر، الجیریا اور نائیجیریا سے بھی لوگ جوق در جوق حیدر آباد آنے لگے۔ ان میں بہت سے لوگ غیر شادی شدہ تھے۔ حبشی لوگ حیدر آباد میں سکونت پذیر ہونے کے بعد مقامی خواتین سے شادی کرنے لگے، جس کی وجہ سے جلد ہی حبشیوں کی ایک بڑی جماعت وجود میں آگئی۔ اگرچہ حبشی لوگ متنوع نسلوں سے وابستہ تھے لیکن ان میں ایک مشترکہ خصوصیت مذہب اسلام تھا، جس کی بنیاد پر انہوں نے دکنی لوگوں کے ساتھ ایک خاص شناخت قائم کی۔ اس کے علاوہ حبشی افراد کو ریاست حیدر آباد کی فوج میں ملازمت ملنے لگی، اور آہستہ آہستہ یہ لوگ حیدر آبادی بن گئے۔

16.4.5 ارمینیا سے دکن کی جانب نقل مکانی (Migration From Armenia towards Deccan)

قطب شاہی دور میں ارمینیا کے تاجر، جو پکے عیسائی اور اسلامی رسم و رواج کے عادی تھے، بھی دکن کی جانب ہجرت کرنے لگے۔ چونکہ ارمینیا کے تاجر آٹھویں صدی میں ہی مالا بار پہنچ چکے تھے۔ ارمینیا کے تاجر ایران، افغانستان اور تبت سے ہوتے ہوئے ہندوستان آئے، اور پھر ایران چلے گئے جہاں ارمینیا کے لوگوں کی آبادیاں پہلے سے ہی موجود تھیں۔ ایران میں اصفہان جاتے ہوئے وہ لوگ اپنے ساتھ ہیرے، مسالے، رنگ اور ریشم لے گئے۔ انہوں نے آصف جاہی حکمرانوں کے ساتھ اچھے تجارتی تعلقات بنائے رکھے۔ حیدر آباد میں اُپو گوڑہ (Upuguda) میں ایک چھوٹے قبرستان کے مقبروں پر لکھی تحریروں سے ہمیں اس گروہ کا پتہ چلتا ہے جس نے حیدر آباد کو اپنا وطن بنالیا تھا۔

16.5 خصوصی ثقافت کی نشو و نما (Flourishing of a Distinct Culture)

برصغیر ہند کے اس حصے میں لوگوں کی یادداشت اور نقل و حرکت کی کھوج سے یہ معلوم ہوا ہے کہ مختلف پس منظر سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی وجہ سے اس خطے میں ہم آہنگی اور بقائے باہمی قائم ہوئی ہے۔ مقامی دکنی لوگوں نے اپنے وطن میں ایرانی، ترکی، یمنی، افریقی اور ارمینیائی اثرات کو جذب کرتے ہوئے، نئی ثقافتوں کو قبول کرنے کے لیے پختگی اور کھلے ذہن کا مظاہرہ کیا، جس کی وجہ سے یہاں ایک ہند مسلم تہذیب پھلنے اور پھولنے لگی۔ بعد میں جب نوآبادیاتی اثرات نے اس خطے میں قدم جمالئے، تو مقامی حکمرانوں اور عوام نے ان اثرات کو سنبھالتے ہوئے اس بات کا خیال رکھا کہ ان کی شناخت نئے دکنی اور نوآبادیاتی تعلقات کے نتیجے میں حاصل ہونے والے سیاسی فوائد کے نیچے نہ ڈوب جائے۔ دکن کے باشندوں، جو پہلے دکنی اور بعد میں ملکی نام سے جاتے تھے، نے ایک ایسی شناخت حاصل کرلی تھی جس سے ان کی جڑیں مضبوط ہو چکی تھی۔ اپنی رزی روٹی کمانے اور زمین اور ریاست پر دعوی کرنے کے احساس نے اس خطے میں مقیم لوگوں کو اپنائیت کا احساس دلایا، جس نے ان کے داؤ کو مزید مضبوط کیا۔

قرون وسطی میں، دکن جنوبی ایشیا کے ایک متنوع خطے کے طور پر تیار ہو چکا تھا جس نے ہندوستان کے اندر دنیا کی مختلف ثقافتوں کو اپنایا اور ضم کیا۔ اس نے ایک نئے اور متحرک تہذیب کو جنم دیا، جس نے دکن کے تاریخی اور ثقافتی ورثے کی تشکیل کی۔ اس خطے کو شاذ و نادر ہی کسی حکمراں نے فتح کیا، اور شمال میں مقیم کوئی بھی سلطنت اس پر قابض نہ ہو پائی۔ اس خطے پر ان حکومتوں کا غلبہ تھا جو اصل میں ایران اور وسطی ایشیا سے آئے تھے۔ انھوں نے یہاں کی تاریخ اور ثقافت پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ دکن میں سیاسی اقتدار کا ظہور ایران، ترکستان، عرب، شمالی ہندوستان اور مذکورہ خطے کے کئی عناصر کا مجموعہ تھا، جس نے ہندوستان کی تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ اس خطے نے روایتی اور جدید دونوں عناصر کو یکجا کیا، جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مختلف ثقافتوں سے دکن میں آ چکے تھے۔ منو ایس۔ پلائی اپنی کتاب *Rebel Sultans* میں ان عناصر کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "جنوب میں کوئی دیرپا فتح یابی نہیں ہو سکی، اور نہ ہی یہاں کوئی دور دراز کا فرمانروا ہمیشہ کے لئے غالب رہا۔۔۔ دراصل، دکن کی روح اور اس کا کردار نہ جھکنے والا ثابت ہوا۔ کچھ لوگوں کے نزدیک یہ حیرت انگیز خزانوں اور نادر مواقع فراہم کرنے کی جگہ ہے۔ جبکہ کچھ لوگوں کے نزدیک دکن ایک منحوس اور نامسعود جگہ ہے، جہاں متعدد طاقتور بادشاہوں کا خاتمہ ہوا، اور جہاں شاندار سلطنتیں ایک قبرستان میں تبدیل ہو گئیں۔"

چند مثالیں:

- ابراہیم عادل شاہ ثانی موسیقی کے ماہر اور مشتاق تھے۔ انہیں عوام نے جگت گرو بادشاہ کا خطاب دیا۔ انہوں نے ہندو دیوی دیوتاؤں جیسے سرسوتی اور گنپتی کی تعظیم میں کئی مصرعے لکھے ہیں۔ انہوں نے نے دکنی زبان میں 'کتابِ نورس' (نورس کی کتاب) لکھی ہے۔
- دکن میں بہت سے مزارات ایسے ہیں جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مذہبی ہم آہنگی کو ظاہر کرتے ہیں۔ کرناٹک میں شیر اہٹی فقیر سوامی (Shirahattis Fakira Swamy) اور بابابودن گری (Bababudan Giri) کے مزار ہندو اور مسلمان برادری کے عقیدت مندوں کو اچھی خاصی تعداد میں اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔
- ہمپی (Hampi)، کوٹور (Kottur)، کیراگوڑو (Keragodu)، کوپل (Koppal)، گلبرگہ کے جاتھروں (میلوں)، اور مدگل (Mudgal) اور دیگر مقامات پر ہر سال منعقد ہونے والے محرم کی تقاریب میں مختلف برادریوں کے لوگوں کی شرکت کا مشاہدہ کیا جاتا تھا۔
- چوتھے قطب شاہی سلطان ابراہیم قطب شاہ (1550-1580) کو کلاسیکی تیلگو زبان کا جنون تھا اور انہوں نے تیلگو شاعروں پر تحائف اور دیگر مالی اختیارات کی بارش کی تھی۔ یہاں تک کہ انہوں نے ان میں سے بعض شاعروں کو جاگیروں سے بھی نوازا تھا۔ مثال کے طور پر کندوکورو رودر کاوی (Kandukuru Rudra Kavi) کو ایک گاؤں دیا گیا جس کا نام چنتالاپلم (Chintala Pallam) تھا۔
- 1543 سے 1540 تک جلاوطنی کے دور میں ابراہیم قلی قطب شاہ نے وجے نگر کی شہزادی بھاگیرا تھی سے شادی کی۔ ان کے

بطن سے چار اولاد ہوئے جن میں سے محمد قلی ایک تھا۔ ابراہیم قلی قطب شاہ تلگو بہت روانی سے بولتے تھے اور اپنے فرامین بھی تلگو میں جاری کرتے تھے۔

- محمد قلی قطب شاہ (1580-1612) نے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی پالیسی کو نافذ کیا اور انتظامیہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو یکساں مواقع فراہم کئے۔ مثال کے طور پر، انہوں نے کونڈہ ویڈو (Kondavidu) میں رائے راؤ (Rai Rao) کو قلعے کا سربراہ مقرر کیا؛ اور مسلامی گوڑہ (Musalami Guda) میں قلعے کی قیادت اسواراؤ (Asva Rao) کو سونپ دی۔
- میر قمر الدین علی خاں اول (آصف جاہ اول) نے شمالی ہند سے متعدد مسلم و غیر مسلم امراء کو حیدرآباد لایا۔ بنسی راجہ کا خاندان دہلی سے حیدرآباد منتقل ہو گیا۔ ان کے آباواجداد آصف جاہ اول کے ماتحت فوج اور نظم و نسق میں اہم عہدوں پر فائز تھے۔ اس کے علاوہ، دولت رائے کا خاندان بھی اتر پردیش سے حیدرآباد منتقل ہوا۔
- آصف جاہ اول کے ساتھ جو ہندو دکن آئے تھے، انہیں محکمہ مال گزاری اور مالیہ میں اہم عہدے دیئے گئے۔ ان کی خدمات کے صلہ میں انہیں جاگیر عطا کیے گئے۔ انہوں نے آصف جاہی نظم و نسق اور فوج میں غیر معمولی خدمت انجام دئے۔ ان خدمات کو بعد میں موروثی قرار دیا گیا۔
- آصف جاہی حکمراں ہندو، مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں میں کوئی امتیاز نہیں کرتے تھے۔ ہیرے، جواہرات، اعزازات، خطابات، وغیرہ، بلالحاظ مذہب و ملت تقسیم کیے جاتے تھے۔ وزیر اعظم کے عہدے پر ہندو یا مسلمان دونوں فائز کیے جاتے تھے۔ نظام سادس میر محبوب علی خان نے ہندوؤں کو وزیر اعظم کے عہدے پر مامور کیا۔ دفتر دیوانی اور دفتر مال ہندوؤں کے سپرد کیے گئے۔ مالوالوں کے راجہ رائے راین اور راجہ شیوراج دھرمونت کے ہندو خاندانوں کو دفتر دیوانی اور دفتر مال کے سرکاری ریکارڈ سونپے گئے تھے، جو ریاست کے انتظامیہ کی بنیاد تھے۔ نظام کی جانب سے بنسی راجہ مندروں، برہمنوں اور مذہبی پیشواؤں کو مختلف مواقع پر تحفے و تحائف سے نوازتے تھے۔
- نظام کی طرف سے دی گئی مالی امداد ریاست کے اندر ہی محدود نہیں تھی بلکہ یہ حیدرآباد کے باہر بھی دی جاتی تھی۔ 1883 میں کلکتہ کے دورے پر میر محبوب علی خان نے بنسی راجہ کو حکم دیا کہ وہ برہمنوں کی دعوت کے لیے 2500 روپے، اور کلکتہ کے کالی مندر کے لیے ایک چھتری عطیہ کریں۔ بعض مواقع پر بنسی راجہ نے نظام کی جانب سے مندروں کو مہنگے زیورات پیش کیے تھے۔ مبارک موقعوں کی تقریبات اور نظام اور شاہی خاندان کے افراد کا زائچہ (Horoscope) تیار کرنے کے لیے برہمنوں سے مشورہ کیا جاتا تھا۔
- بنسی راجہ نے خود محبوب علی خان کا زائچہ تیار کیا کیونکہ وہ علم نجوم کے ماہر تھے۔ 1893 میں بنسی راجہ نے محسوس کیا کہ نظام ایک برے دور سے گزر رہا ہے۔ انہوں نے نظام سے گزارش کی کہ وہ بُرے اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے تولہ دان (Tuladan) کی رسم ادا کریں۔

دکن نے چودھویں سے بیسویں صدی تک اپنی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے غیر ملکی پہلوؤں کو کافی حد تک ضم کیا۔اس نے ایک ایسے نظام کو جنم دیا، جس نے ایک جدید نقطہ نظر کو فروغ دیا۔ نتیجے کے طور پر، اس علاقے نے دکنی تہذیب کو ترقی دی، جس کا اثر موسیقی، ادب، فن اور فن تعمیر پر نمایاں تھا۔ قرون وسطیٰ کا دکن مختلف ثقافتوں کی نمائندگی کرنے والی تہذیب کا گہوارا بن گیا۔ یہ تہذیب اس دور کی سلطنتوں کی پالیسیوں کی وجہ سے اپنی منفرد شناخت برقرار رکھنے میں کامیاب رہی۔ علاقائی زبانوں کی حمایت، مقامی ادب کے فروغ، روایتی فنون اور دستکاری کی حوصلہ افزائی، بادشاہت کے نظریات، انتظامی اداروں کے کردار، فن، فن تعمیر، ادب اور مذہب نے اس خطے کو ایک 'کثیر ثقافتی حقیقت' میں تبدیل کیا۔ اگرچہ اس وقت فوجی، سیاسی، نسلی، مذہبی اور علاقائی تنازعات میں اضافہ ہو رہا تھا، لیکن قرون وسطی کی دکنی تہذیب ثقافتی تنوع کو فروغ دینے میں مصروف تھی، اور مذہبی، نسلی اور ثقافتی بالادستی کے خلاف کھڑی تھی۔ یہ ملاپ اور موافقت ایک بتدریج عمل تھی، جو کئی صدیوں تک جاری رہی اور جس میں ثقافتی اور مذہبی گروہ باہم موجود تھے۔ لہٰذا، مجموعی طور پر، دکنی تہذیب لوگوں کی اجتماعی کامیابیوں کے جوہر کی نمائندگی کرتی ہیں جو ایک مدت کے دوران تیار ہوئی۔ اس تہذیب نے ایک ایسا ماحول پیدا کیا جس نے باہر کے لوگوں کو اس میں شامل ہونے پر خیر مقدم کیا۔

16.6 کثیر ثقافتی روایات (Multicultural Traditions)

لہٰذا، دکن میں تقریباً چھ صدیوں تک ایک مسلم گروہ ثقافتی طور پر ایک ممتاز طبقے کی نمائندگی کرنے کے لیے آئے تھے۔ یہ مسلم گروہ ہندوستان، ایران، ترکی، افغانستان، اور جزیرہ نمائے عرب سے وابستہ تھے۔ انہوں نے خطے کی سیاست کا ایسا تصور پیش کیا جو اس سے پہلے کسی نے نہیں دیا تھا۔ انہوں نے اس خطے یا تہذیب کی نشو نما میں ایک مرکزی کردار ادا کیا، جس سے آنے والے سالوں میں دکنی مسلمانوں نے بین الاقوامی سطح پر مقبولیت حاصل کی۔ دکن میں تشکیل پانے والی تہذیب نے ثقافتی کثرت کو مجسم کرنے کی کوشش کی، اور اس نے تمام گروہوں کی انفرادیت، ثقافت اور عزت نفس کو برقرار رکھا۔ مسلمانوں نے اپنے معاشرے کے علاوہ دیگر معاشروں سے بھی بات چیت کی، اور تجارت، تجربات اور خیالات کا تبادلہ کیا۔ نتیجے کے طور پر، ایک متنوع تہذیب کی تعمیر ہوئی، جو سماجی، معاشی اور ثقافتی طور پر بہت اہم بن گئی۔ جب دکن نے ایرانی اور مروجہ مقامی ثقافت کے زیر اثر ایک مختلف الانواع تہذیب کے طور پر ابھرنا شروع کیا، تو متعدد ثقافتوں کو اپنے اندر ضم کرنا دکن کی تاریخ کا بنیادی مقصد بن گیا۔ ایک منفرد انداز میں دکن تہذیب 'ہم آہنگی' کے نشان کے طور پر کھڑی ہو گئی، جہاں متنوع عقائد، رسوم اور روایات ایک مخصوص سماجی و تاریخی تناظر میں گھل مل جاتے ہیں۔ اس نے اختلاط اور ملاپ کی ثقافت کو فروغ دیا۔ اس طرح، دکنی تہذیب کو کبھی کبھار مخلوط، کبھی آفاقی یا عالمگیر اور کبھی امتزاجی تہذیب کے طور پر بیان کیا جا سکتا ہے۔

مقامی اور غیر ملکی گروہوں اور ان کی انفرادی، طبقاتی، علاقائی، نسلی اور قومی شناخت کے درمیان تعلق سے متعلق سوالات نے دکن کو ایک مخصوص خطے کے طور پر تشکیل دیا ہے جس میں نظریات جیسے قومیت، دکن کی امتزاجی نوعیت اور اکلچریشن (Acculturation) کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح، مختلف سماجی گروہوں اور عناصر کو ایک ثقافتی دھارے میں پیش کرنا، اور اختلافات اور تغیرات کو باضابطہ طور پر ملانا، دکن کو ایک منفرد مثال کے طور پر پیش کرتا ہے۔ ان خصوصیات کے علاوہ، سماجی شمولیت اور معاشرے کی اقتصادی ترقی اس مسلسل

اور جاری عمل میں جھلکتی ہیں۔ یہ مباحثے کثیر ثقافتی معاشرے میں ایک دوسرے کے تئیں رواداری کو فروغ دیتے ہیں اور ہمیں بہت سی ثقافتی سرگرمیاں سیکھنے کا درس دیتے ہیں جو مختلف ثقافتوں کے سنگم سے وجود میں آجاتی ہیں۔ یہ موضوعات قدرتی طور پر دکن کے سماجی، سیاسی اور ثقافتی عمل میں خصوصی اہمیت کے مسائل کو شامل کرتے ہیں، جو مقامیت، شناخت اور ثقافتی ورثے کے نظریات کو از سر نو متعین کرنے کے ادارے (Agents) بن جاتے ہیں۔

پچھلے کچھ سالوں سے دکن سماجی و ثقافتی ورثے کے لحاظ سے ملک بھر میں سب سے زیادہ قابل تعریف علاقے کے طور پر مقبول ہو گیا ہے۔ اسی اثنا میں، اس تاریخی اور ثقافتی اہمیت کے حامل خطے کو متعدد نامور مورخین نے مختلف نئے زاویوں سے پیش کرنا شروع کیا۔ کچھ ہندوستانی اور غیر ملکی اسکالروں نے دکن پر بڑے پیمانے پر کام کیا ہے، لیکن پھر بھی حیرت کی بات یہ ہے کہ ابھی بہت کچھ دریافت کرنا باقی ہے۔ متعدد تاریخی اور تعمیراتی مقامات سے متعلق ابھی تک کافی شائع شدہ مواد اور مناسب دستاویزات موجود نہیں ہیں۔ ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ تاریخی طور پر، ثقافتی تاریخ کی صرف چند کتابوں کو خالص دکنی تاریخ کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ اس علاقے سے منسوب چھوٹی تصاویر، کپڑا اور دھاتی اشیاء اب تیزی سے ماہر آثار قدیمہ کا توجہ کھینچتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ دکن کو فنون لطیفہ اور فن تعمیر کی سرپرستی کے ایک متحرک مرکز کے طور پر دوبارہ جانچا جائے۔

16.7 دکن کی ثقافتی روایات پر کام کرنے والے محققین

(Scholars Working on Deccani Cultural Traditions)

کئی نامور ہندوستانی اسکالروں نے کئی سالوں کے دوران دکن پر کام کیا ہے اور نمایاں ادب تیار کیا ہے۔ ان اسکالروں میں ہارون خان شیروانی، پی۔ ایم۔ جوشی، اے۔ آر۔ کلکرنی، محی الدین قادری زور، ضیاء الدین احمد شکیب، محمد عبدالنعیم، سید عزیزالدین حسین، عمر خالدی، سید داؤد اشرف، سید علی اصغر بلگرامی، غلام یزدانی، ٹی۔ این۔ دیوراے، عبدالمجید صدیقی، شاہ روکو، وسنت کمار باوا، نریندر لوتھر، جگدیش متل، صادق نقوی، شیلا راج اور سروجنی ریگانی قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ، دکن کے بارے میں معلومات مغل ہندوستان اور دکن میں لکھے گئے فارسی مخطوطات کے ساتھ ساتھ غیر ملکی سیاحوں کے سفرناموں سے بھی حاصل کی گئی ہیں۔ مزید برآں، دکن کی سلاطین سے متعلق بصیار کتباتی ماخذات بھی دستیاب ہیں۔ پچھلی دو دہائیوں کے دوران، دکن کے مطالعے میں ایک نئی دلچسپی پیدا ہوئی ہے، خاص طور پر جب متعدد مغربی اسکالروں نے دکنی سلاطین پر کام کرنا شروع کیا۔ جنوبی ایشیا پر کام کرنے والے مغربی اسکالروں میں نوینا حیدر، ماریکا سردار، رچرڈ ایٹن وغیرہ، سرفہرست ہیں، جو جنوبی ایشیائی تاریخ پر لکھنے والے مستند مورخین میں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ، جارج میشل، مارک زیبروسکی، ہیلن فلون، فل ویگنر، کیرن لیونارڈ، بنجمن کوہن، داؤد علی، ایما فلیٹ، اور کیلن اورٹن ایسے مورخین ہیں جن کی تحقیق نے دکنی تاریخ کے نئے پہلوؤں کا پردہ فاش کیا۔ اس نئی تحقیق سے پیچیدہ اور متنوع ماضی کی تفہیم آسان ہو گئی۔ معلومات کا یہ ذخیرہ اُن نظریات کی شکل میں پیش کیا گیا ہے جو دکن میں حقائق پر مبنی تاریخوں اور عینی شاہدین کے بیانات کے مقابلے میں بیان کیے گئے تھے۔ اس سے فطری طور پر نئی بحثیں چھڑ گئی ہیں اور دکن کی تاریخ کے مطالعہ کو نئے نقطہ ہائے نظر حاصل ہو گئے۔

16.8 دکنی ثقافت سے متعلق نظریات (Themes on Deccani Culture)

سولہویں اور سترہویں صدی کے دوران دکن انتہائی مہذب مسلم سلطنتوں کا مرکز تھا اور بین الاقوامی تجارت کے ایک مرکز کے طور پر سامنے آچکا تھا۔ ان سلطنتوں کی فنی اور ثقافتی کامیابیاں متنوع مواد جیسے کہ فن، مخطوطات، تاریخی دستاویزات اور تعمیراتی روایات کے ذریعے حاصل کی گئیں۔ وہ ایران، ترکی، مشرقی افریقہ اور یورپ کے ساتھ اس کے متحرک ثقافتی روابط کا پتہ لگاتے ہیں، جس سے خطے کی مشہور ثقافت متاثر ہو چکی تھی۔ صوفیاء، تعمیراتی اور ثقافتی تاریخ سے متعلق بھرپور داستانیں صدیوں پر محیط مسلم حکمرانی کے دوران دکن کے اہم سماجی عمل کو روشن کرتی ہیں۔ رچرڈ ایٹن نے قرون وسطیٰ کے دور میں فارسی زبان کے سماجی، ثقافتی اور سیاسی اثر ورسوخ کا حوالہ دیتے ہوئے دکن میں ایرانی تہذیب کے نمایاں آثار کی بات کی ہے۔ وہ اسے مواصلات، ثقافت اور طاقت کے نظام کے طور پر بیان کرتا ہے جس نے اسلامی دنیا کے مختلف خطوں بشمول ایران، وسطی ایشیا اور برصغیر پاک وہند کو جوڑ دیا۔ ایٹن کا استدلال ہے کہ ایرانی تہذیب صرف اشرافیہ تک محدود نہیں تھی بلکہ عام لوگوں پر بھی اس کا نمایاں اثر تھا۔ فارسی ادب، فن اور فن تعمیر نے مقامی ثقافت کو متاثر کیا، اور فارسی کے اصول اور اقدار دکن کے سماجی تانے بانے میں مضبوطی سے جم گئے۔ تاہم، ایٹن یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ ایرانی تہذیب کوئی یکساں وجود نہیں تھا اور اس میں تنوع اور پیچیدگی تھی۔ اس میں مختلف مذہبی، نسلی اور لسانی گروہ شامل تھے اور ان گروہوں کے باہمی تعامل اور انضمام سے ایک مخلوط اور متنوع ثقافت کی تشکیل ہوئی۔

دکن کے فن تعمیر کے مطالعے، تحریروں اور علم نے مقامی اور درآمد شدہ خیالات، مقامی زبان اور اسلامی روایات کے انوکھے امتزاج کو سامنے لایا ہے جو ایک شاندار تعمیراتی ماحول پیدا کرتے ہیں۔ اثرات کے اس امتزاج کے نتیجے میں ایک متنوع اور متحرک تعمیراتی ورثہ پیدا ہوا ہے، جس میں تعمیراتی طرز، عمارت کی اقسام، شہری سہولیات اور آرائشی تکنیکوں کی ایک وسیع قطار شامل ہے۔ ایک اور خیال جنوبی ایشیا میں اسلامی روایات میں متنی، رسمی اور مادی سرگرمیوں کے انقطاع (intersection) کا جائزہ لیتا ہے، خاص طور پر دکن کے علاقے میں شیعہ مذہب پر زور دیتا ہے۔ مزید، مذہبی شناختوں کی تشکیل میں عقیدتی متنوں اور طریقوں کا کردار، مذہبی برادریوں کی تشکیل میں رسومات کی اہمیت، اور دکن میں شیعہ طریقوں کی مادی ثقافت مختلف ثقافتی سیاق وسباق کی بصیرت فراہم کرتی ہے۔

پندرہویں اور سولہویں صدیوں کے دوران، دکنی سلطنتیں اپنی وسیع درباری ثقافتوں کے لیے مشہور تھیں، جن میں فارسی ادب، فن اور موسیقی کی سرپرستی کے ساتھ ساتھ عمدہ درباری آداب اور آداب کی آبیاری بھی شامل تھی۔ درباریوں اور امراء سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ شاعری، موسیقی اور رقص کے ساتھ ساتھ سفارت کاری اور ریاستی دستکاری کے فن میں بھی مہارت رکھیں۔ مزید برآں، دکن ایسی آفاقی جگہ بن چکی تھی، جو ایران، وسطی ایشیا، اور سلطنت عثمانیہ سمیت پوری اسلامی دنیا کے علماء، فنکاروں اور تاجروں کو اپنی طرف متوجہ کرتی تھی۔ اس آفاقیت اور عالمگیریت نے خیالات کے تبادلے اور نئی ثقافتی شکلوں کی ترقی کو فروغ دیا۔ اس ترقی کی اہم شکلوں میں فن اور ہند ایرانی طرز تعمیر شامل ہیں۔ اس ثقافتی ترقی نے جنوبی ایشیا کی وسیع اسلامی دنیا کی تشکیل میں اہم اثرات مرتب کیے ہیں۔

دکن میں ایرانی اشرافیہ کی آمد کے ساتھ ہی ایک آفاقی اور نفیس ثقافت قائم ہوئی۔ دکن نے ان مہاجرین کو نسبتاً استحکام، سلامتی اور اقتصادی مواقع کی پیشکش کی، جس سے یہ خطہ بہتر زندگی کے متلاشی افراد کے لیے ایک پرکشش منزل بن گیا۔ یہ خطہ تجارت کا بڑا مرکز بھی بن گیا، جس میں کپڑے، مصالحہ جات اور قیمتی دھاتوں جیسی پرتعیش اشیاء کی دستیابی تھی۔ تاجروں، شاعروں، فنکاروں اور ایرانی سیاستدانوں نے خطے میں ایک آفاقی اور نفیس ثقافت کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ ایرانی اشرافیہ دکنی زبان اور رسم و رواج کو اپناتے ہوئے مقامی ثقافت میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے ایک منفرد ثقافتی شناخت کی ترقی میں بھی حصہ لیا، جو ایرانی اور ہندوستانی اثرات کا امتزاج تھا۔ ان میں سے زیادہ تر کاموں سے ہمیں جو کچھ دیکھنے کو ملتا ہے وہ ایران اور ہندوستان کے لوگوں کے درمیان گہرے روابط پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ ہندوستان میں مغل اور دکنی سلاطین کے روابط ایران سے تھے۔ ایران اور دکن دونوں اطراف سے ہجرت پر کوئی جغرافیائی یا سیاسی پابندی نہیں تھی۔ ان دونوں خطوں کے درمیان جغرافیائی قربت، دکنی سلاطین کی اپنے دائروں کو وسعت دینے کی خواہش، فن، فن تعمیر اور ادب سے ان کی محبت اس غیر معمولی تعامل کی ترقی میں اہم کردار ادا کرنے والے عناصر تھے۔ اس کے علاوہ، جنوبی ایشیا پر لکھنے والے کچھ مغربی اسکالروں کی طرف سے جو دلائل پیش کیے گئے ہیں وہ یہ ہیں کہ دکن پر چالوکیوں اور کاکتیوں کی ثقافتی روایات کا اتنا ہی اثر تھا جتنا کہ ایران کا تھا۔ بالآخر، دکن اندر اور باہر سے مسلسل اثر و رسوخ حاصل کرنے اور ایک الگ ثقافتی شناخت تیار کرنے میں کامیاب رہا۔

16.9 خلاصہ (Conclusion)

اس طرح، دکن کی صوبائی عدالتوں نے ایک مربوط ثقافت کے فروغ کے لیے جگہ فراہم کی۔ عادل شاہیوں کے ماتحت بیجاپور اور قطب شاہیوں کے ماتحت گولکنڈہ شاندار خطوں کے طور پر قائم ہوئے، جس نے ایک مضبوط، مربوط اور جامع ثقافت تیار کی، جو آفاقی اور عالمگیری روایات پر مبنی تھی۔ یہی دکنی ثقافت بعد میں نظاموں کو ورثے میں ملی۔ دکن میں ثقافتی زندگی کا تعلق نہ صرف مختلف سطحوں پر علامتی رابطے سے تھا، بلکہ اس نے مقامی معاشرے اور متنوع گروہوں کے حوالے سے آنے والی تبدیلیوں کو سمجھنے کے عمل کو بھی مجسم کیا۔ آج جب ہم دکن کے تعمیراتی کھنڈرات، تصاویر، آرائشی فنون اور ادبی کاموں کو دیکھتے ہیں، جو دکنی سلاطین کے طویل دور حکومت میں انجام پائے تھے، تو وہ دکنی تہذیب کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ ان دکنی ریاستوں پر حکمرانی کرنے والے سلطانوں نے ایک ثقافتی پھول کی بنیاد قائم کی، جو قرون وسطیٰ میں اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا۔ درحقیقت، متعدد فنون جو آج دکن میں پروان چڑھ رہے ہیں جیسے تحریر، موسیقی، مصوری، فیشن، پکوان، جدید دور کی زبان، ہندو اور مسلم تہوار، شادی کی تقریبات اور رسومات پہلے زمانے سے کافی حد تک ملتے جلتے ہیں۔ اس طرح، دکن ایک خطہ بن چکا تھا، جسے قابو کرنے کے لئے بہت سی طاقتیں لڑ رہی تھیں۔ اس خطے کے جو باقیات ہمارے پاس موجود ہیں وہ دکنی تاریخ کے ٹوٹے پھوٹے چند صفحات اور دکنی ثقافت کی کچھ یادگاریں ہیں جس سے ہم حقیقی دکنی تہذیب کی منظر کشی کر سکتے ہیں۔

16.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

درحقیقت، دکن نے متنوع خطے کی حیثیت سے ایک آفاقی تہذیب کی کفالت کی، مقامی زبان کی حمایت کی، مقامی ادب کو فعال طور پر

فروغ دیا، روایتی فنون اور ثقافت کی حوصلہ افزائی کی، مختلف ثقافتی سلسلوں کو مربوط کیا اور اس تہذیب کو ایک جامع کردار عطا کیا۔ اس وجہ سے قرون وسطیٰ دکن کا کثیر ثقافتی معاشرہ ایک غالب نظریاتی اور عملی تصور بن گیا۔ مختلف مذاہب اور متضاد ثقافتوں کی پرامن بقا اور ہم آہنگی نے اس اراضی کو ایک منفرد خطے میں تبدیل کیا۔ اس سے دکن میں صرف ثقافتی ہم آہنگی ہی نہیں بلکہ آفاقیت اور عالمگیریت بھی پیدا ہو گئی۔ دکن متعدد ثقافتوں کا سنگم بن گیا، جہاں سے ایک نئی تہذیب نے جنم لیا۔ اس تہذیب نے ایک ایسا نظام قائم کیا، جہاں ہر نسل اور مذہب کے لوگ اپنی خصوصیات کے ساتھ ترقی کرتے رہے۔ اس تہذیب نے خود کو بہت سے شعبوں جیسے، زبان، ادب، مذہبی فلسفہ، فن، فن تعمیر، وغیرہ میں ظاہر کیا۔ اس طرح، جزیرہ نما ہند نے تجارت، ٹیکنالوجی، ثقافت، نظریات اور مذاہب کے لیے ایک اہم راہداری کے طور پر کام کیا۔ اس نے ایک ثقافتی گلکاری بنانے کے لیے مختلف اثرات کو قبول کیا، بیرونی مہارتوں اور ہنر مندیوں کو اپنے اندر جذب کیا، متعدد تکنیکوں کو اپنایا اور اپنے سانچے میں ڈھال دیا، جو بعد میں ہندوستانی کثیر شناختی تہذیب کا حصہ بن گئی۔

16.11 کلیدی الفاظ (Keywords)

چاؤش : چاؤش ایک عثمانی ترک لفظ ہے جو جونیئر فوجی عہدے کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ ابتدائی بیسویں صدی کے حیدر آباد میں حضرا موتی سپاہیوں کی برتری کی نشاندہی کرتا ہے۔

ثقافت : ثقافت سے مراد طرز زندگی ہے جس میں فنون، عقائد اور لوگوں کے ادارے شامل ہیں جو نسل در نسل منتقل ہوتے ہیں۔ ٹیلر کہتے ہیں کہ ثقافت "ایک ملتف اکائی ہے، جس میں علم، عقیدہ، فن، قانون، اخلاق، رسم و رواج، اور معاشرے کے ایک رکن کے طور پر انسان کی طرف سے حاصل کردہ دیگر صلاحیتیں شامل ہیں۔"

دکن : دکن (Deccan) کی اصطلاح لفظ "Dakkhan" سے نکلی ہے جو سنسکرت لفظ "دکشن" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی جنوب (South) کے ہیں۔

کثیر ثقافتی معاشر: کثیر ثقافتی معاشرہ مختلف نسلوں، قومیتوں، زبانوں، مذاہب، طبقات، جنس وغیرہ کا امتزاج ہے۔ یہ ایک نظریہ ہے جس کے مطابق مختلف ثقافتوں کے لوگوں کو مساوی حقوق دیئے جاتے ہیں۔

16.12 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

16.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Very Short Answer Type Questions)

1. کتابِ نورس (*Kitab-e-Nauras*) کے مصنف کون ہیں؟
2. اراضیٔ دکن میں موجودہ ہندوستان کی کون کون سی ریاستیں شامل ہیں۔
3. *Rebel Sultans* کا مصنف کون ہے؟
4. Hadrami حیدر آباد میں کہاں سے آئے تھے۔

5. دکنی تہذیب پر لکھنے والے چند نامور اسکالروں کے نام بتائے۔
6. کس عادل شاہی حکمراں کو 'جگت گرو بادشاہ' کے نام سے جانا جاتا ہے۔
7. بنسی راج کے آباواجداد شمالی ہندوستان کے کس خطے سے وابستہ ہیں۔
8. تولادان سے آپ کیا سمجھتے ہیں۔
9. شاہی ریاست حیدرآباد کے پہلے نظام کون تھے؟
10. ابراہیم قطب شاہ نے وجے نگر کی کس شہزادی سے شادی کی تھی۔

16.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. Hadramis پر مختصر نوٹ لکھیے۔
2. دکنی ثقافت سے متعلق اسکالروں کے نظریات پر روشنی ڈالئے۔
3. مختلف جغرافیائی خطوں سے دکن کی جانب نکل مکانی پر ایک مضمون تحریر کریں۔
4. دکنی تہذیب کے ارتقاء کا پس منظر بیان کیجئے۔
5. دکن کی نقشہ سازی یا جغرافیائی مطالعہ پر ایک نوٹ تحریر کریں۔

16.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. دکن نے متنوع خطے کی حیثیت سے مختلف ثقافتی سلسلوں کو مربوط کیا اور ایک آفاقی تہذیب کی کفالت کی۔ بحث کیجئے۔
2. دکنی تہذیب تجارت، ٹیکنالوجی اور نظریات کے نگران کے طور پر ثابت ہوئی۔ مثالیں دے کر وضاحت کیجئے۔
3. دکنی تہذیب کی نشو نما میں عادل شاہی اور قطب شاہی حکمرانوں کی حصہ رسدی پر تفصیلی روشنی ڈالئے۔

16.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Ali, Daud, *Courtly Culture and Political Life in Early Medieval India*, Cambridge University Press, UK, 2004.
2. Ali, Daud and Emma J. Flatt, *Garden and Landscape Practices in Pre-colonial India: Histories from the Deccan*, Routledge, New Delhi and London, 2012.
3. Ali Khan, Raza, *Hyderabad: 400 years (1591–1991)*, Hyderabad, 1991.
4. Ashraf, Syed Dawood, *The Seventh Nizam of Hyderabad: An Archival Appraisal*, Moazzam Hussain Foundation, Hyderabad, 2012.
5. Austin, Ian, *A City of Legends*: *Story of Hyderabad*, Penguin Books, New Delhi, 1992.
6. Bilgrami, S.A.A., *Landmarks of the Deccan*, Asian Educational Services, Reprint Madras, 1992.
7. Devare, T.N., *A Short History of Persian Literature: At the Bahmani, the Adil Shahi, and the Qutb Shahi Courts*, Manohar, New Delhi, 2018 (rprt).

8. Eaton, Richard, *The Persian Cosmopolis (900–1900) and the Sanskrit Cosmopolis (400–1400)*, The Persianate World, Brill, 2018.
9. _____, *A Social History of the Deccan, 1300–1761: Eight Indian Lives*, Cambridge University Press, 2005.
10. Eaton, Richard & Phil Wagoner, *Power, Memory, Architecture: Contested Sites on India's Deccan Plateau*, Oxford University Press, 2014.
11. Farooqui, Salma Ahmed, *Multicultural Dimensions of Medieval Deccan*, Sundeep Prakashan, New Delhi, 2008.
12. Flatt, Emma J., The *Courts of the Deccan Sultanates: Living Well in the Persian Cosmopolis*, Cambridge University Press, 2019.
13. Haidar, Navina and Marika Sardar, *Sultans of the South*: *Arts of India's Deccan Courts, 1323– 1687*, Metropolitan Museum of Art, New York, 2011.
14. Latif, Bilkees, *Forgotten*, Penguin Books, United Kingdom, 2010.
15. Sherwani, H.K. and P.M., Joshi ed., *History of Medieval Deccan (1294–1724*), Vol. 1, Printing and Publication Bureau, Government of Andhra Pradesh, Hyderabad, 1973.
16. _____, *History of Medieval Deccan (1294–1724*), Vol. II, Printing and Publication Bureau, Govt. of A.P., Hyderabad, 1974.

نمونہ پرچہ امتحان

نظامت فاصلاتی تعلیم Directorate of Distance Education

ماسٹر آف آرٹس Master of Arts

Subject Code: MAHS303CCT

Paper: History of Deccan (12^{th} – 17^{th} Centuries)

پرچہ: تاریخ دکن (بارہویں تا سترہویں صدی)

تیسرا سمسٹر امتحان ، 3^{rd} Semester Examination

نشانات : ۷۰ Marks : 70 وقت : ۳ گھنٹے Time : 3 hours

ہدایات

یہ پرچۂ سوالات تین حصوں پر مشتمل ہے: حصہ اول، حصہ دوم، حصہ سوم۔ ہر جواب کے لیے لفظوں کی تعداد اشارۃً ہے۔ تمام حصوں سے سوالوں کا جواب دینا لازمی ہے۔

1۔ حصہ اول میں 10 لازمی سوالات ہیں جو کہ معروضی سوالات ہیں۔ ہر سوال کا جواب لازمی ہے۔ ہر سوال کے لیے 1 نمبر مختص ہے۔
(1 0 x 1 =10 Marks)

2۔ حصہ دوم میں 8 سوالات ہیں۔ اس میں سے طالب علم کو کوئی پانچ سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریباً دو سو (200) لفظوں پر مشتمل ہے۔ ہر سوال کے لیے 6 نمبرات مختص ہیں۔ (5x6=30 Marks)

3۔ حصہ سوم میں پانچ سوالات ہیں۔ اس میں سے طالب علم کو کوئی 3 سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریباً پانچ سو (500) لفظوں پر مشتمل ہے۔ ہر سوال کے لیے 10 نمبرات مختص ہیں۔ (3x10=30Marks)

حصہ اول

سوال : 1

i. پرتاپرودراسوبھوشنم کا مصنف کون تھا؟

ii. پرشستی (Prasasti) سے کیا مراد ہے

iii. بہمنی سلاطین میں کس سلطان کو ''ولی'' کہا جاتا ہے؟

iv. سیاح نکیتن کس ملک سے آیا تھا؟

v. کس نے کہا ہے کہ وجے نگر بادشاہت 'پدرانہ بادشاہت' تھی؟

vi. وجے نگر سلطنت میں امر نایک کون تھے؟

vii. تالی کوٹہ کی جنگ کب ہوئی؟

viii. حیدرآباد کے پہلے نظام کا نام بتائیے۔

ix. امیر علی بریر کی وفات کس سن میں ہوئی؟

x. گولکنڈہ ریاست کے بانی قلی قطب شاہ کا انتقال کب ہوا؟

حصہ دوم

2. آفاقی اور دکنی امراء کے درمیان ٹکراؤ کے کیا اسباب تھے؟
3. احمد نگر کے ایک آزاد مملکت کے طور پر ابھرنے کا مختصر سا احوال بیان کریں۔
4. مراٹھوں کے ساتھ. بیجاپور کے تعلقات پر تبادلہ خیال کریں۔
5. تالی کوٹہ کی جنگ پر ایک نوٹ لکھیے۔
6. جنجی/ سینجی کے نائیکوں کی دورِ حکومت پر ایک نوٹ لکھیے۔
7. احمد نگر کے ساتھ پرتگالیوں کے ساتھ تعلقات پر مضمون لکھیے۔
8. اورنگ زیب بیجاپور اور گولکنڈہ پر قبضہ کرنے میں کیسے کامیاب ہوئے۔ مختصر نوٹ لکھیے۔
9. تالی کوٹ کی جنگ پر ایک مضمون لکھئے۔

حصہ سوم

10. آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ کرشن دیورائے کا عہد وجے نگر کا زریں عہد تھا؟
11. بہمنی سلطنت کے مرکزی نظام حکومت پر ایک تفصیلی مضمون قلمبند کیجیے۔
12. وجے نگر عہد میں صوبائی نظم ونسق پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔
13. وجے نگر سلطنت میں مذہبی عمارتوں کی تعمیر پر تفصیلی مضمون لکھیے۔
14. خصوصی دکنی ثقافت کی نشوونما کا تفصیلی جائزہ لیجیے۔

اہم نکات